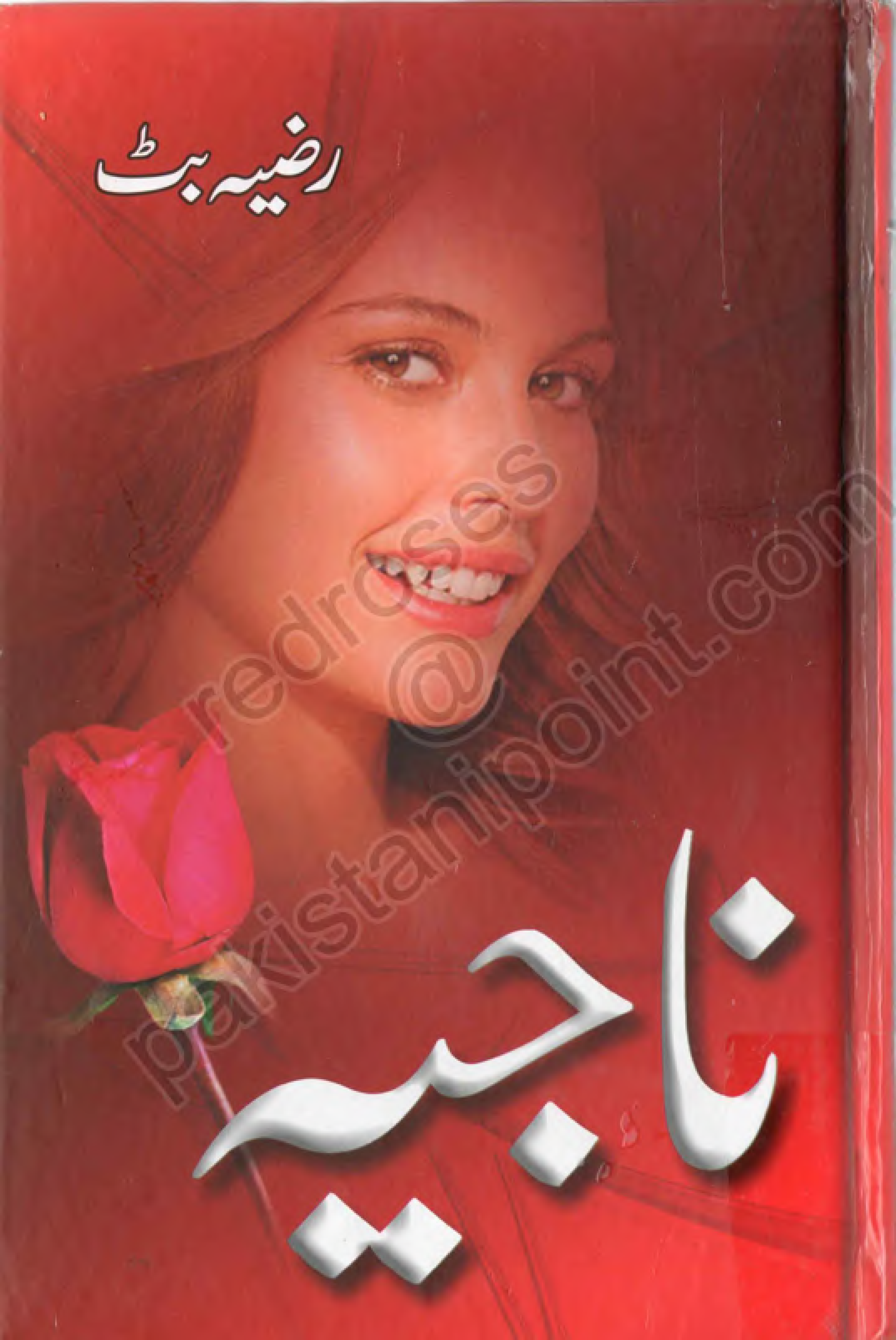
رضیہ بٹ
ناجیہ

میلے کپڑوں کا ڈھیر دونوں بازوؤں میں بھرے بھرے وہ غسل خانے میں آئی۔ دو تین کپڑے کمرے ہی میں گر گئے تھے۔ کپڑے ایک کونے میں رکھ کر وہ پلٹی۔ گرے ہوئے کپڑے اٹھائے، جھک کر اٹھی تو کمر میں ٹیس سی اُٹھی۔ ایک گہری ٹھنڈی آہ بھر کر اس نے الٹی ہتھیلی سے کمر ملی اور ملتے ملتے غسل خانے میں آ گئی۔

چھوٹے سے غسل خانے کے دائیں کونے میں پانی کا نل تھا۔ قریب ہی چوکی رکھی تھی۔ دیوار میں سے ایک اینٹ نکال کر صابن نیل رکھنے کے لیے جگہ بنی ہوئی تھی۔ دوسری دیوار کے ساتھ لگن کھڑی تھی۔ تانیہ نے چوکی پیر سے گھسیٹی۔ لگن اٹھا کر سامنے رکھی اور صابن کی ٹکیہ اور نیل کی ڈبیہ اٹھاتے ہوئے چوکی پر بیٹھ گئی۔ کپڑوں کے ڈھیر پر بے دلی سے نگاہ ڈالی اور سفید کپڑے رنگ دار کپڑوں سے الگ کرنے لگی۔

یہ سارے کپڑے اسے دھونا تھے۔ برتن دھو کر وہ ابھی ابھی فارغ ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی لکیروں میں راکھ جمی تھی۔ ناخن ٹیڑھے ہو گئے تھے اور انگلیوں میں خاصی سختی آ گئی تھی۔ برتن دھونے کے بعد وہ ہمیشہ ہی کپڑے دھوتی تھی۔ اس طرح ہاتھوں اور ناخنوں میں جمی راکھ صاف ہو جاتی تھی۔

کپڑے روز ہی دھونا پڑتے تھے۔ اچھا خاصا کنبہ تھا۔ چار بھائی اور پانچ بہنوں کے علاوہ اماں اور ابا بھی تھے۔ اپنے دو بچے بھی تھے جو روز ہی کپڑے گندے کر دیتے تھے۔

آج کپڑے کچھ زیادہ ہی تھے۔ بستروں کی چادریں اور تکیوں کے غلاف بھی اتارے تھے۔ چھوٹی بہنوں کے سکول کے یونیفارم کے علاوہ ناجیہ کے کالج کے دو

جوڑے بھی آج دھونا ضروری تھے۔

اس کا دل کپڑے دھونے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔ طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ کمر میں کئی دنوں سے ہلکی ہلکی درد محسوس ہوتی تھی۔ آج تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ چپ چاپ بستر میں پڑی رہے اور گرم گرم تیل کی مالش سارے جسم پر کروائے۔

لیکن

کپڑے دھونا بھی ضروری تھے۔ ناجیہ کے کپڑے تو دھو کر استری بھی کرنا تھے۔ بھائیوں کے کپڑے بھی ضروری دھوئے جانا تھے۔

تانیہ کا جی چاہا کہ ضروری ضروری کپڑے الگ کر کے دھو ڈالے۔ باقی سمیٹ کر ٹوکری میں ڈال دے۔ کل بھی تو اسی نے دھونے ہیں، کون سا کوئی اس کی مدد کر دے گا۔

اس نے ناجیہ اور بھائیوں کے کپڑے الگ بھی کیے لیکن پھر سب گڈ مڈ کر دیئے۔ اک دکھ بھری سانس لی اور پانی کا نل کھول دیا۔

وہ جب سے میکے آئی تھی، یہی کام کر رہی تھی۔ اس کی حیثیت نوکرانی کی سی تھی۔ برتن مانجھنا اور کپڑے دھونا تو اس کے ضروری فرائض میں شامل ہو گیا تھا۔ باورچی خانے میں بھی اکثر وہی گھسی رہتی۔ اماں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اس کی مدد ضروری تھی۔ اتنے بڑے خاندان کے لیے ہانڈی روٹی پکانا آسان کام تو نہیں تھا۔

وہ سب بھائی بہنوں میں بڑی تھی۔ اس کے بعد دو بھائی ریحان اور امجد تھے۔ پھر ناجیہ تھی۔ اسد اور سلیمان ناجیہ سے چھوٹے تھے۔ سلیمان کے بعد اوپر تلے کی چار بہنیں تھیں۔ عتیقہ نویں جماعت میں تھی۔ ربیعہ آٹھویں میں، ثانیہ چھٹی میں تھی اور مانو چوتھی میں تھی۔ متوسط طبقے کا یہ گھرانہ وراثت میں ملے ہوئے ایک پرانے سے گھر میں رہتا تھا۔ تین کمروں اور دو بالکونیوں اور دو نیم چھتوں والا یہ گھر اتنے بڑے کنبے کے لیے کافی تو نہیں تھا لیکن پرانی طرز کے بنے ہوئے اس گھر میں مکینوں کے سر چھپانے کی جگہ بن ہی جاتی تھی۔ بیرونی کمرے کو بیٹھک بنایا گیا تھا۔ رات کو کرسیاں، میزیں اور پرانا سا صوفہ ایک طرف کر کے دو چارپائیاں بچھالی جاتی تھیں اور ریحان اور امجد کے لیے



سونے کی جگہ بن جاتی تھی۔ ایک کمرہ اماں اور ابا کا تھا۔ چھوٹی دونوں بچیاں ان کے کمرے میں سوتی تھیں۔ تیسرے کمرے میں باقی بہن بھائی تھے۔ تانیہ اپنے بچوں کے ساتھ نیم چھتے میں سویا کرتی تھی۔ یہ جگہ سٹور کے طور پر استعمال ہوتی تھی لیکن تانیہ نے جگہ بنا کر اپنی چارپائی یہاں بچھالی تھی۔ دونوں بچے اس سے چمٹ کر سوتے تھے۔ اماں نے کئی دفعہ کہا تھا کہ ناجیہ وغیرہ کے ساتھ ان کے کمرے میں سو جایا کرو۔ ناجیہ اور عتیقہ نے بھی کئی بار کہا تھا لیکن تانیہ کو یہی چھوٹی سی جگہ بھائی تھی۔ یہ جگہ الگ تھلگ تھی جہاں بستر میں پڑ کر وہ چپ چاپ اپنی بدنصیبی پر فراغت سے آنسو تو بہا سکتی تھی۔ بیتے دنوں کی تلخی و ترشی آنکھوں میں ایکا ایکی گھل بھی تو جاتی تھی۔ ماضی کے دریچوں میں جھانکنے کے لیے خاموشی اور سکون کی بھی تو اسے ضرورت تھی۔ حال کا جائزہ لینے اور مستقبل کو سوچنے کے واسطے اسے ایسی ہی جگہ درکار تھی۔ اس کی بہنیں خاص طور پر ناجیہ اکثر کہتی۔ ”تانو باجی آپ کا جی نہیں گھبراتا۔ اتنی نیچی چھت ہے۔ سر ٹکراتا ہے کھڑے ہوں تو......“

وہ دکھ سے جلتی مسکراہٹ سے جواب دیتی۔ ”جیہ جی گھبرائے یا نہ، گزارہ ہی کرنا ہے نا......“

”گزارہ تو ہمارے ساتھ کمرے میں بھی سو کر ہو سکتا ہے۔“

”نہیں جیا......“

”کیوں؟“

”میرے بچے چھوٹے ہیں۔ رات کو کئی بار اٹھتے ہیں۔ کبھی رونے لگتے ہیں۔ کبھی چیخنے لگتے ہیں۔ میں تو بے آرام ہوتی ہی ہوں، تم سب لوگوں کو بھی کیوں بے آرام کروں۔“

”ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔ اللہ قسم یہ آپ کی رانو جو ہے ناں، جب گلا پھاڑ پھاڑ کر روتی ہے تو نیند حرام کر دیتی ہے۔“

تانیہ جلتی ہوئی مسکراہٹ سے بہن کو دیکھ کر رہ جاتی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی اور گھر کر جاتی اور دکھ کا احساس گہرا ہو جاتا۔ تانیہ کو ناجیہ کی اتنی سی بات بھی تیز

دھار کی تلوار کی طرح لگتی اور اسے اپنا بے سکون سا گھر یاد آجاتا۔ جو کچھ بھی تھا، وہاں بچوں کے رونے اور چیخنے سے بیزار تو کوئی نہ ہوتا تھا لیکن وہ ذہن پر چھائی اداسی کی دھول کو ایک دم جھٹک دیتی۔ ناجیہ اس کی اپنی پیاری سی بہن تھی، وہ کوئی طنز سے تو بات نہ کرتی تھی۔

تانیہ کی شادی چار سال پہلے ہوئی تھی۔ اس کے ابا ریاض احمد نے اپنے دیکھے بھالے دوست کے بیٹے سے رشتہ طے کیا تھا۔ لڑکا کنٹرولر ملٹری اکاؤنٹس کے دفتر میں کلرک تھا۔ مختصر سا گھرانہ تھا جو ماں باپ اور ایک بہن بھائی پر مشتمل تھا۔ ریاض کے دوست حمید بھی انہی کے دفتر میں ملازم تھے۔ حمید اکثر ریاض کی مالی مدد بھی کیا کرتا تھا کہ جانتا تھا ریاض کی تنخواہ اتنے بڑے کنبے کی پوری طرح کفالت نہ کر سکتی تھی۔ سفید پوشی قدر مشترک تھی اور اسی کی بنیاد پر یہ رشتہ طے ہوا تھا۔ شادی بھی کھینچا تانی کر کے انجام پائی تھی۔ کچھ قرض لیا تھا، کچھ حامدہ کا پس انداز کیا ہوا روپیہ کام آیا تھا۔ ایک ہی بیٹی کی شادی پر ساری عمر کا اثاثہ ختم ہو گیا تھا۔ حامدہ اور ریاض کا دل تو سوچ سوچ کر ہول کھاتا تھا کہ ابھی پانچ اور بیٹیاں بھی ہیں، ان کو کس طرح بیاہیں گے۔ قرض اتارنے کا اندازہ ہی سالوں پر محیط تھا اور ناجیہ بھی میٹرک میں پہنچ گئی تھی۔

تانیہ اور سب بہن بھائی حسن کی دولت سے مالا مال تھے۔ لڑکیاں جیسے نفیس کانچ کی گڑیاں تھیں۔ لڑکے مضبوط جسموں کے قد آور جوان تھے۔ سلیمان اور امجد کو دیکھ کر تو کسی سرد ملک کے باشندے ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ سرخ و سپید رنگت، بھورے بال، سبزی مائل نیلی آنکھیں، چوڑے چکلے سینے...... بھرے بھرے بازو...... معمولی سے کپڑوں میں بھی بڑے پُروقار نظر آتے تھے۔

لوگ ریاض احمد کے گھرانے کو رشک کی نگاہوں سے تکتے تھے۔ لڑکیاں بھی ایک سے ایک بڑھ کر تھیں۔ تانیہ کو سکول میں لڑکیاں شہزادی کہا کرتی تھیں۔ ناجیہ بھی ان دنوں اپنے حسن خداداد کی وجہ سے کالج کی لڑکیوں میں بڑی اہم اور منفرد تھی۔ عقیقہ کے تو سیاہ اور چمکیلے بالوں اور کالی بھور آنکھوں کا جواب ہی نہ تھا۔ مانو اور ثانی بھی اپنے بھرے بھرے سرخ ہونٹوں اور چمکیلی آنکھوں کی وجہ سے پیاری لگتی تھیں۔



ریاض احمد اپنے بچوں کو دیکھتے تو نہال ہو کر کہتے۔ "اولاد کو لوگ زندگی کے دامن میں کھلے ہوئے پھول کہتے ہیں۔ ہمارے بچے تو واقعی قدرت کے کھلائے ہوئے پھول ہیں۔"

اور

حامدہ گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہتیں۔ "بے شک...... ابھی نہ اچھا کھانے کو ملتا ہے نہ پہننے کو۔ پھر بھی ماشاءاللہ ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔"

ریاض مسکرا کر کہتے۔ "سب باپ پر گئے ہیں......"

حامدہ بھی کچھ سرخ ہو کر کہتیں۔ "جی ہاں۔ سارا کمال تو میرا ہے، اتنے پیارے پیارے بچے آپ کو دیئے۔"

بچوں کے حسن خداداد کی وجہ سے دونوں بہت مطمئن تھے۔ خاص کر لڑکیوں کی طرف سے انہیں کوئی غم و فکر نہ تھا۔ ان کی شادی کو انہوں نے کبھی مسئلہ بنا کر نہیں سوچا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ لوگ ایسی نایاب قسم کی چیزیں جھپٹ کر لے جائیں گے۔

لیکن

پہلا تجربہ ہی تلخ ثابت ہوا تھا۔

تانیہ کی شادی انہوں نے عام سی شکل و صورت کے نوجوان آصف سے کر دی تھی۔ حیثیت سے بڑھ کر شادی پر خرچ بھی کیا تھا لیکن تانیہ کی قسمت پھوٹ گئی تھی۔ تانیہ پر اس نے عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔ تانیہ بیچاری نے شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہر جتن کیا۔ اس کے والدین کی خدمت میں دن رات ایک کیا۔ اس کی بہن کی خدمت گزاری کی لیکن حالات کو سدھار نہ سکی۔ والدین بھی بیٹے کے ہمنوا بن گئے۔ آصف کے ساتھ انہوں نے بھی سختیاں شروع کر دیں۔ ساس کو تو ایک ہی غم تھا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے امیر گھر کی بہو کیوں نہ لائیں۔ یہ غم غصہ بن کر تانیہ پر برستا رہا۔

تانیہ چار سال حالات کی چکی میں پستی رہی۔ اس کا کانچ ایسا نازک بدن جیسے لوہے کا بن گیا۔ اس کی رنگت سنولا گئی۔ اس کی آنکھوں کی روشنی اور چمک ماند پڑ گئی۔

اس کے بھرے بھرے ہونٹ سلوٹ زدہ ہو کر کالے پڑ گئے۔

پھر بھی

اس نے حالات سے مصالحت کرنے کی جدوجہد جاری رکھی۔ والدین کے مالی حالات کا علم تھا۔ اتنے بڑے کنبے کی مالی حالت پہلے ہی اچھی نہ تھی۔ اس پر اس کی شادی پر خرچ کیے گئے قرضے کا بوجھ۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ماں باپ پر بوجھ بن کر آن پڑے لیکن ٹوٹتی باہیں گلے کو آتی ہیں۔ سسرال والوں کی زیادتیاں اور شوہر کی سختیاں اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں سے کیسے چھپاتی۔ چغلی تو اس کی جسمانی حالت ہی کھا جاتی تھی۔

بات گھر سے نکلی

تو

سارے خاندان میں پھیل گئی۔

"لڑکی کو تباہ کر دیا ہے۔"

"ٹی بی ہو جائے گی اسے۔"

"مر جائے گی وہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر۔"

"جہاں اتنے بچوں کو پال رہے ہیں، وہاں اس کا بوجھ بھی اٹھالو۔"

"حالت دیکھی نہیں جاتی اس کی۔"

"ہائے ہائے کیسے ماں باپ ہو...... دیکھتے نہیں، اس کا کیا حال ہو چکا ہے۔"

"دن رات لعنت پھٹکار سنتی ہے۔ اب تو آصف پٹائی بھی کرنے لگا ہے۔"

"چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں۔ اس پر سارے گھر کا کام...... لعن طعن الگ۔
توبہ تانو ہی ہے بیچاری جو سب کچھ جھیل رہی ہے۔"

ماموں، چچا، خالائیں، پھوپھیاں ریاض احمد اور حامدہ کو تانو کے حالات بتا بتا کر اکساتے تھے کہ وہ اس کا کچھ کریں۔

ریاض بیچارے کیا کرتے۔ حمید کے پاس کئی دفعہ گئے، دوستی کا واسطہ دیا۔ اپنی سفید پوشی کا احساس دلایا لیکن جب دل پتھر ہو جائیں تو ان پر باتیں کیا اثر کر سکتی ہیں۔



تانیہ کے گھریلو حالات بدترین صورت اختیار کر گئے۔ آصف تو ریاض احمد کے خلاف بھی زہر اُگلنے لگا۔ بیٹی کے معاملے میں عجز و انکساری سے رحم کی درخواست کرنے کو بھی اس نے معاملات میں دخل دینے کے برابر سمجھا۔ اس کے نتیجے میں تانیہ پر اتنی سختی، اتنا ظلم اور اتنی زیادتی کی کہ سب کچھ اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ اب وہ بھی تن گئی۔ ہر بات پر رونے اور سر جھکا دینے کی بجائے ترخ کر جواب دینے لگی۔

زوردار جھگڑا ہونے لگا۔

روز لڑائی ہونے لگی۔

اور

ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ تانیہ کو گھر سے نکال دیا گیا۔ جس دن تانیہ روتی دھوتی دو بچوں کو ساتھ لیے میکے آئی، گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ ریاض احمد تو گنگ سے ہو گئے۔ اماں نے رو رو کر برا حال کر لیا۔ بھائی غصے سے پیچ و تاب کھانے لگے، بہنیں سہم گئیں۔

تانیہ کو بڑا سہارا ملا۔ اجڑنے کا دکھ تو تھا ہی، بابل کے گھر میں ہمدردی اور محبت ملی تو دکھ اتنا اذیت دہ نہ رہا...... ویسے بھی کئی دن ناز برداریاں ہوتی رہیں۔ ریاض احمد نے سینے سے لگا کر کہا۔ "جب تک میں زندہ ہوں، تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ دو کیا دس بچے بھی ہوتے تو فکر نہ تھی۔ جو کچھ بھی میسر ہے، وہ تمہارے لیے ہے...... کوئی غم نہ کرنا۔ قسمت کا لکھا ایسا ہی تھا۔"

بھائی بولے۔ "ہم تمہارے بچوں کے لیے سب کچھ کریں گے، تم فکر نہ کرنا۔"

بہنیں بچوں کو گود میں لیے لیے پھرتیں۔ اتنا پیار کرتیں کہ تانو کا ڈوبتا دل اُبھرنے لگتا۔ شادی کے بعد لڑکی کے لیے ماں باپ کا گھر بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے تانیہ جھجکی رہتی تھی لیکن پیار و محبت پا کر بیگانگی کا احساس دب گیا۔ اماں تو ہر وقت اس کے دُکھڑے سن سن کر روتی رہتی تھیں۔ بلند آواز میں آصف اور اس کے گھر والوں کو کوستی تھیں۔ جھولی پھیلا پھیلا کر بددعائیں دیتی تھیں۔ کلیجہ جلتا تھا، بددعائیں ہی نکلتی تھیں دل سے۔

دن گزرتے گئے۔

اور

تانیہ کا میکے اجڑ کر آنا سب نے ذہنی طور پر تسلیم کر لیا۔ تانیہ بھی سارے دکھ سمیٹ کر زندگی کی راہ گزر پر چل پڑی۔

لیکن

اسے جلد ہی احساس ہو گیا کہ یہ راہ گزر کسی طور ہموار نہیں ہے۔ خار دار جھاڑیوں سے اٹی پڑی ہے۔ جہاں قدم قدم پر نوکیلے کانٹے ہیں جو بنا چبھے بھی چبھ جاتے ہیں۔

اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ اس خاندان پر بڑا بار ہے۔ وہ تو خیر اس کے دو بچے بھی تھے جو روتے بھی تھے، شور بھی مچاتے تھے۔ جنہیں کھانے پینے کے لیے بھی چاہیے تھا۔ جن کے تن ڈھانپنے کے لیے کپڑے کی بھی ضرورت تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ابو کی تنخواہ محدود ہے۔ دو بڑے بھائی بھی جو کچھ کماتے ہیں، اس سے بمشکل گھر کا خرچہ چلتا ہے لیکن اس کی اپنی ضرورتیں بھی تو تھیں۔ ان کے لیے اسے ابو اور بھائیوں کا منہ تکنا پڑتا تھا۔ بچوں کے ساتھ نرمی گرمی بھی لگی تھی۔ دوا دارو کی بھی ضرورت پڑتی تھی۔ ہنستے روتے یہ خرچے گھر والوں کو ہی دینے تھے لیکن تانو بڑی حساس تھی۔ جبیں پر رینگتی شکنوں میں ناگواری کو محسوس کر لیتی تھی۔ ایسے میں اپنے بستر میں گھس کر بچوں کو لپٹا کر آنسو بہانے کے سوا اس کا اور کام ہی کیا ہوتا۔

جب وہ اُجڑ کر آئی تھی تو سب کی ہمدردی اس کے ساتھ تھی۔ وہ کوئی کام کرنے لگتی تو سب اس کے ہاتھ پکڑ لیتے لیکن اب وہ اس گھر کی جیسے خادمہ تھی۔ برتن دھونا، روٹی پکانا، کپڑے دھونا، صفائی کرنا سبھی کچھ اس کے ذمہ تھا۔ کام تو کرنا ہی پڑتا تھا اور وہ اس سے گھبراتی بھی نہ تھی۔ دل تو گھر والوں کی بے حسی پر دکھتا تھا۔ سب نے اسے جیسے نوکر ہی سمجھ لیا تھا۔

اجڑنے کا تلخ تجربہ تو پہلے تھا ہی۔ میکے میں بے سہارا ہو کر رہنے کا تجربہ اس سے بھی تلخ تھا۔ وہ اکثر پرانے لوگوں کی کہی ہوئی باتوں کو سوچتی کہ لڑکی بیاہی جائے تو اس کا جنازہ ہی سسرال سے اٹھنا چاہیے۔ یہ بات اس کے دل کو لگتی...... کتنی بڑی



سچائی تھی۔ کتنی کھری بات تھی۔

لیکن

لیکن وہاں بھی تو زندگی اجیرن تھی۔

تانیہ کپڑے دھوتے ہوئے اپنی زندگی کے نشیب و فراز کے متعلق سوچ رہی تھی۔ اسے اپنی قسمت پر رونا آ رہا تھا۔ دوسری بہنوں کی زندگیوں پر رشک آ رہا تھا۔ کاش اس کی شادی اتنی چھوٹی عمر میں نہ کی گئی ہوتی۔ ناجیہ بھی تو تھی اکیس سال کی ہونے کو تھی، بے فکری سے دن تو گزار رہی تھی۔

-------O-------

"جیہ۔"

دیوار کے پیچھے سے سرگوشی اُبھری اور رسی پر دوپٹہ پھیلاتے جیہ کے ہاتھ ہی نہیں رکے جیسے دل بھی رک گیا۔

"جیہ۔" پھر آواز آئی۔

جیہ نے اک گہری سانس لی۔ اوپر تلے ہوئے سانس کچھ ہموار ہوئے تو اس نے گردن موڑے بغیر کہا۔ "کون؟"

یوں جیسے وہ اس سرگوشی سے اس آواز سے بالکل آشنا ہی نہ ہو۔ اس بیگانگی سے دیوار کے پیچھے آواز بھرا سی گئی۔ پھر سرگوشی قدرے اونچی لے میں سنائی دی۔ "میں سب کچھ جانتا ہوں جیہ...... آج رات اوپر آنا...... چھت پر...... یہیں...... میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پلیز جیہ...... پلیز......"

جیہ کے تار اور دوپٹے پر رکے ہاتھ آہستہ آہستہ اُٹھے۔ اس نے اپنی پشت پر پڑے کھلے بالوں کو سمیٹا۔ ڈھیلے سے جوڑے کی شکل دیتے ہوئے اس نے دھیرے دھیرے مڑ کر دیکھا۔ دیوار خالی تھی، وہ کئی لمحے خالی خالی نظروں سے دیوار کو تکتی رہی۔ آواز پیغام دے کر جا چکی تھی۔ یقیناً اب وہاں کوئی نہ تھا۔

جیہ نہا دھو کر دوسری منزل کی کھلی چھت پر آئی تھی۔ نیلے رنگ کا دوپٹہ بھی دھو کر لائی تھی۔ اسے سکھانے کے لیے تار پر ڈال رہی تھی۔ شام اس کی پیاری سی دوست سائرہ کے ہاں جائے تھی۔ وہ کپڑے برابر کر کے اوپر آئی تھی۔ تانو باجی کا نیلا دوپٹہ اوڑھنا تھا جو میلا تھا۔ اس لیے دھو کر لائی تھی، گیلے بال اس کی پشت پر پھیلے تھے۔ خوبصورت سنہری مائل سیاہ بال دھوپ میں چمک رہے تھے۔ نہانے سے اس کی شہابی



رنگت بڑی نکھر آئی تھی اور آنکھوں کے گوشے گلابی ہو رہے تھے۔ اس نے کیمرک کے گلابی اور نیلے پیلے پھولوں والے دُھلے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ پاؤں میں ہوائی چپل تھے۔ بناؤ کیا تھا نہ سنگھار لیکن......

حسن خداداد کو اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی آفاقی مخلوق چپکے سے یہاں اتر آئی ہو۔

اوائل نومبر کے خنک دن تھے۔ یوں تو خاص سردی نہ تھی لیکن ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کے بعد کپکپی سی لگتی تھی۔ ناجیہ کچھ دیر دھوپ میں بیٹھنے کے ارادے سے ہی اوپر آئی تھی۔ اس کی سب بہنیں اپنے اپنے کام میں لگی تھیں۔ تانیہ باورچی خانے میں دوپہر کے کھانے کا بندوبست کر رہی تھی۔ اماں خاندان میں کسی کے ہاں تعزیت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ اس لیے آج کھانا پکانا تانیہ ہی کے ذمہ تھا۔ نہا دھو کر جیہ اوپر آئی تھی تو اس کے ضمیر نے ہلکی سی ملامت کی تھی۔

تانو باجی پر اسے بڑا ترس آیا تھا۔ ان کی رانو کو کل سے بخار تھا اور وہ ماں کی گود میں آنے کے لیے مسلسل رو رہی تھی۔ مانو اور ثانی سے مانوس تو تھی لیکن بیمار ہو کر چڑچڑی ہو گئی تھی۔ تانو بچی کو گود میں لے کر کام نہ کر سکتی تھی۔ پاس ہی پیڑھی پر بٹھا کر اس کے آگے تھالی میں چنے ڈال دیئے تھے لیکن بچی گود میں آنے پر مصر تھی۔

تانیہ نے بچی کو چمکارا تھا...... پیار کیا تھا...... ابھی اٹھاتی ہوں کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن وہ چپ نہ ہوئی تھی اور جب جیہ دوپٹہ لیے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی تو تانو نے کس کے تھپڑ بچی کو لگاتے ہوئے دکھ سے بھرائی آواز میں کہا تھا۔ "تم تو مر ہی جاؤ اللہ کر کے، جان چھوٹ جائے میری۔"

غصے اور دکھ کے امتزاج نے جیہ کا دل دہلا دیا تھا۔ تانو کی مجبوری اور اس کے دکھ کا اسے بری طرح احساس ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ تانو بچی کو کس جذبے کے تحت مار رہی ہے۔ کس مایوسی کے تحت کوس رہی ہے۔ وہ سوکھی آنکھوں میں مر جانے والے آنسوؤں کو محسوس کر کے کانپ گئی تھی۔

"کتنی مظلوم ہے تانو باجی۔" اس نے چھت پر آتے ہوئے پہلی بار سنجیدگی

سے سوچا تھا۔ صبح اماں ریحان سے کہہ گئی تھیں کہ گُڈورانی کو ڈاکٹر کو دکھا کر دوائی لے آنا لیکن وہ تو ناشتہ کر کے دوستوں کے ہمراہ نکل گیا تھا...... تانو باجی کے پاس پیسے بھی تو نہیں ہوتے تھے، انہیں تو پائی پائی کے لیے ماں باپ اور بھائیوں کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔

بہن کی بیچارگی پر جیہ کا دل کٹ گیا۔ کاش وہ اس کے لیے کچھ کر سکتی...... وہ یہی سوچ رہی تھی اور اس کی سوچیں یہاں آ کر رک گئی تھیں کہ وہ کہیں ٹیوشن کر لے۔ تانو باجی کے لیے کچھ تو پیسے وہ کما ہی سکتی تھی۔ اس کی ایک کلاس فیلو نے ٹیوشن کا ذکر بھی کیا تھا۔ اسے اپنی دو بھانجیوں کے لیے کسی استانی کی ضرورت تھی جو شام دو گھنٹے کے لیے انہیں پڑھا سکے۔ اس نے تو معاوضہ بھی معقول بتایا تھا۔ یہ ٹیوشن اگر اسے مل گئی تو تانو باجی کی کم از کم مالی پریشانیاں تو وہ سمیٹ ہی سکتی تھی۔

وہ بڑی سنجیدہ سوچوں میں گم تھی کہ دیوار کے پار سے سرگوشی نے اُبھر کر اس کے خیالات کا تانا بانا بکھیر دیا۔ اک نئی الجھن نے جو نئی تو بے شک نہ تھی، اسے گھیر لیا۔ وہ رسی کے قریب سے ہٹی۔ دوپٹہ پوری طرح پھیلائے بغیر چارپائی جو اسی دیوار کے ساتھ بچھی تھی، جس کے پار سے نوید کی سرگوشی سنائی دی تھی، بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں پر گرا لیا اور اس کے گالوں کی تپش ہتھیلیوں میں اترنے لگی۔

برابر والا مکان اس کے حقیقی تایا کا تھا۔

دادی کے مرنے کے بعد اس حویلی نما مکان کے تین حصے ہوئے تھے۔ سامنے والے دو حصے دونوں بیٹوں کو ملے تھے اور پچھواڑے کا حصہ تین بیٹیوں کو۔ اس کے تایا فیاض احمد نے بہنوں کے حصے خود خرید لیے تھے۔ یوں ان کا مکان کافی بڑا ہو گیا تھا۔ فیاض شروع ہی سے لوہے کا کاروبار کرتے تھے۔ ریاض سے بڑے تھے۔ ریاض کو بھی اکثر کاروبار کرنے کا کہا کرتے تھے لیکن وہ بی اے کر کے ملٹری اکاؤنٹس میں بطور کلرک بھرتی ہو گئے تھے اور نوکری جو شروع کی تو پھر پنشن پر ہی گھر آئے۔

دونوں بھائیوں کے مالی حالات میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ فیاض خاصے مالدار قسم کے آدمی تھے۔ بچے ان کے بھی آٹھ تھے لیکن تینوں بیٹیاں اچھی جگہ پہ بیاہی تھیں۔ چھوٹی بیٹی کی تو کوٹھی تھی، گاڑی تھی اور بہت بڑا بینک بیلنس تھا۔ بڑا بیٹا جرمنی جا



چکا تھا۔ وہیں کا ہو رہا تھا لیکن فیاض کی قسمت اچھی تھی۔ دوسرے چوتھے ماہ وہ خاصی رقم باپ کو بھیجا کرتا تھا۔ دوسرا بیٹا جب سے دوبئی گیا تھا، گھر فارن کی چیزوں سے بھر گیا تھا۔ نوید کا تیسرا نمبر تھا۔ بی ایس سی کے بعد فیاض نے اپنے ایک جگری اور حکومت میں کلیدی آسامی پر فائز دوست سے کہہ کر اسے پولیس میں بھرتی کروا دیا تھا۔ اب وہ انسپکٹر پولیس تھا۔

جب تک دادی زندہ تھیں، اس حویلی نما گھر میں دونوں بھائی اکٹھے ہی رہتے تھے۔ کھانا پینا اپنا اپنا تھا لیکن دستر خوانوں کی تمیز نہ تھی۔ گو دونوں کی بیویوں میں آئے دن کھٹ پٹ ہوتی رہتی تھی۔ پھر بھی دونوں بھائیوں کا اتفاق برادری میں مثال کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔

نوید اور ناجیہ بچپن کے ساتھی تھے۔

ساتھ پلے

ساتھ بڑھے

ساتھ رہے

اور

یوں

ساتھ کی اتنی عادت ہو گئی کہ ہمیشہ کے لیے ساتھ کی خواہش بے جا محسوس نہ ہوئی۔

شاید دونوں گھرانوں کو بھی ساتھ پر اعتراض نہ تھا اور ساتھ کو ذہنی طور پر تسلیم کیا ہوا تھا۔ اسی لیے دونوں بے تکلفی سے ملتے تھے۔ گھنٹوں اکٹھے بیٹھے کھیلتے، کتابیں پڑھتے، سکول کا کام کرتے...... کالج کے لیکچر یاد کرتے...... لڑتے جھگڑتے اور بچوں کی طرح من جاتے۔

زندگی فراز سے نشیب کی طرف بہنے والی ندی کی طرح بڑی روانی سے بہے جا رہی تھی کہ دادی فوت ہو گئیں۔

اور

پھر

حویلی کا بٹوارہ ہوا۔

درمیان میں نیچے سے دوسری منزل کی چھت تک دیوار کھنچ گئی۔

یہ دیوار جانے کیسی تھی کہ صرف مکان ہی میں نہ کھنچی دلوں میں بھی کھنچ گئی۔

فیاض کا خاندان احساس برتری سے کچھ اوچھی حرکتوں پر بھی اتر آیا۔ دولت کی دیوی مہربان تھی۔ لوہے کا کام سونے کا ثابت ہو رہا تھا۔ دنوں میں انہوں نے بہنوں کے حصے خرید کر اپنے حصے کی حویلی کو بالکل نیا بنالیا۔ کئی جگہ سے توڑا پھوڑا۔ کئی جگہ سے مرمت کی۔ پرانی طرز کی کھڑکیاں دروازے نکلوائے۔ فلش ڈورز اور جالی اور لوہے کی گرل والی کھڑکیاں لگوائیں۔ فرش اکھڑوا کر چپس کے چکنے اور خوبصورت فرش ڈلوائے۔ حویلی کا تو حلیہ ہی بدل گیا۔ سامنے لان ہی کی کمی رہ گئی تھی ورنہ گھر کوٹھی سے کیا کم تھا۔ نیا مکان بنا تو رشتے ناطے بھی اچھے اچھے ہونے لگے۔ چھوٹی بیٹی حسینہ کا رشتہ تو واقعی نئے اور آراستہ مکان کی بدولت بہت اچھی جگہ ہو گیا تھا۔

اب دونوں گھرانوں کے تعلقات ظاہرداری تک رہ گئے تھے۔ جب سے حامدہ نے سنا تھا کہ فیاض کی بیوی راشدہ خاندان میں کہتی پھرتی ہے۔ "مجھے تو بیٹوں کے لیے بڑے بڑے گھروں سے رشتے آرہے ہیں۔ خاص کر نوید کے لیے تو اتنے لوگ پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ سمجھ نہیں پاتی کہ کس کو ہاں کروں اور کس کو نہ......"

حامدہ نے خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ دکھ تو بہت ہوا تھا لیکن اپنے آپ کو ضرورت کے مطابق سمیٹ لیا تھا۔ بچیوں کو ان کے ہاں جانے سے منع کر دیا تھا۔ یہ بات انہوں نے سب بچیوں اور خصوصاً ناجیہ کو بھی بتائی تھی۔

ناجیہ کا رنگ فق ہو گیا تھا اور آنکھوں میں کرب کی کیفیت لہرا گئی تھی۔

لیکن

یہ کیفیت وقتی تھی۔

اسے نوید کے ان جذبوں کا علم تھا جو بے زبان تھے لیکن بلند آواز میں شور مچاتے تھے۔ محبت کی اس سچائی کا احساس تھا جو نوید کی آنکھوں میں تیرتی تھی۔ پیار کی



اس خوشبو کا احساس تھا جو نوید کے وجود سے پھوٹتی تھی۔

نوید ان دنوں پنڈی میں تعینات تھا اور کبھی کبھی دوسرے تیسرے ماہ گھر آتا تھا اور جب آتا تھا تو گھروں میں کھنچی دیوار کو کبھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ بے دھڑک آجایا کرتا تھا اور اپنی موجودگی سے جیہ کو اپنی خاموش محبت کا احساس دلایا کرتا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کو خاموشی سے ہی چاہے جا رہے تھے۔ کبھی نوید نے اظہار کی راہ دیکھی تھی نہ جیہ نے۔ دونوں اکیلے بھی ہوتے جب بھی کبھی لفظوں کا سہارا لے کر اپنے پیار کا اظہار نہ کیا کرتے۔ پیار تو اک سچائی تھی......اک حقیقت تھی جیسے چاند کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، سورج کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح پیار کو بھی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وقت گزر رہا تھا۔ خاندانی حالات کشیدہ ہوتے جا رہے تھے۔ راشدہ کو تو جیسے دھڑکا تھا کہ کہیں نوید کا رشتہ ناجیہ سے کرنا ہی نہ پڑ جائے۔ اسی لیے وہ ہر وہ حربہ استعمال کر رہی تھی جس سے دلوں کی کدورتیں طوفان بنتی جا رہی تھیں اور جب سے چھوٹی بیٹی حسینہ نے اپنی ایک رشتہ کی نند جو والدین کی اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے لاکھوں کی مالک تھی، کے رشتے کی بات کی تو راشدہ تو راشدہ فیاض بھی لٹو ہو گئے۔

"ہم تو نوید کی شادی وہیں کریں گے۔"

"اتنی بڑی کوٹھی ہے لڑکی کی۔"

"بی اے میں پڑھ بھی رہی ہے نادرہ۔"

"خوش شکل بھی ہے۔"

"خاندان کتنا بڑا ہے۔"

"اس کے ایک ماموں تو ایم پی اے ہیں۔"

"چچا کی ٹیکسٹائل مل ہے۔"

دن رات گھر میں یہی باتیں ہوتی تھیں۔ ریاض احمد اور ان کے گھر والوں کو سنائی جاتی تھیں۔ حامدہ اور ریاض کو برا بھی لگتا تھا کہ آخر یہ لوگ جب ایسا کرنا چاہ ہی رہے ہیں تو پھر بتلانے کی کیا ضرورت ہے۔

"ہمیں ذلیل کرتے ہیں۔" حامدہ کہتی۔ "جیسے ہم اپنی بیٹی زبردستی ان کی جھولی میں ڈال دیں گے۔" ریاض غصے کو دبانے کی کوشش کرتے۔ "ہمارا بھی اللہ مالک ہے۔"

دونوں میاں بیوی کڑھتے رہتے۔ جیہ بھی سنتی تھی لیکن نوید پر اسے بڑا اعتماد تھا، مان تھا۔ اس نے سنجیدگی سے سوچا ہی نہ تھا۔ اپنے پیار کے بندھن کی مضبوطی کی وجہ سے وہ بے فکر تھی۔

لیکن

پچھلے ماہ تائی نے ان کی بھری برادری میں بے عزتی کر دی۔ کوئی عزیز فوت ہو گیا تھا جہاں سب جمع تھے اور وہ حامدہ کو سنا سنا کر نوید کے رشتے کی باتیں کر رہی تھیں کہ چھوٹی پھوپھو بولیں۔ "نوید اور ناجیہ کا رشتہ تو ماں کی خواہش تھی۔"

"ہونہہ۔" راشدہ پھنکاری۔ "خبردار جو کسی نے ایسی بات بھی زبان سے نکالی۔ ہمیں ایسی لڑکیاں نہیں چاہئیں بی بی۔ گھر اجاڑو، تباہ کرنے والی تھوڑا ہی ہیں یہ...... تانیہ کو دیکھ لو...... دوسری بھی ویسی ہی ہو گی۔"

حامدہ سے نہ رہا گیا...... جگر چھلنی تھا...... طوفان کلبلا رہے تھے۔ تیر لگے تو برداشت نہ ہو سکا۔ دونوں میں وہ لڑائی ہوئی، وہ لڑائی ہوئی کہ بیچ بچاؤ کرانے والے بھی ہار گئے۔ راشدہ نے تو ناجیہ پر تہمت لگانے سے بھی گریز نہ کیا۔ "میرے بیٹے کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ میرے جیتے جی اس کا خواب پورا نہ ہو گا۔"

یہ واقعہ معمولی نہ تھا۔

غیرت پر تازیانہ تھا۔ غریبوں کے پاس عزت نفس کے سوا ہوتا ہی کیا ہے۔ دونوں گھرانے کٹ گئے۔ ریاض احمد اور حامدہ نے قسم کھالی کہ راشدہ سے کوئی تعلق واسطہ نہ رکھیں گے۔ رشتہ کرنے کا تو اب سوال ہی نہ تھا۔ ناجیہ کے بھائیوں نے تو سینے پر ہاتھ مار کر عہد کیا تھا کہ اب ان کی بہن کا کسی نے بھی نام لیا تو خون کر دیں گے۔

جیہ نے چہرہ اوپر اٹھایا۔ اک دکھ بھری گہری سانس لی۔ گردن موڑ کر اس دیوار کی طرف دیکھا جو صرف اینٹوں اور گارے کی بنی ہوئی تھی۔

لیکن



اب

سنگلاخ چٹان بن چکی تھی۔ آہنی ہو چکی تھی۔ آگ اور خون کا جلتا ہوا الاؤ تھی۔ اس کے پار...... جانا تو کیا، دیکھنا بھی کسی قیامت کو دعوت دینے سے کم نہ تھا...... نوید اس پار تھا۔ جیہ نے دکھ اور کرب کے طوفانوں سے ٹکرا کر اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ چچی کے برتاؤ سے اس کے جوان خون میں بھی طیش آیا تھا۔ غم اور غصے سے وہ کئی دن جھلتی رہی تھی، کڑھتی رہی تھی۔ پیچ و تاب کھاتی رہی تھی لیکن آخر کار مجبوری اور مایوسی کو قبول کر کے عزت نفس بچالی تھی۔ اس نے نوید کا خیال دل سے نکال دینے کا عزم کر لیا تھا۔ سلگتے جذبوں کو دل میں دبا لیا تھا۔

نوید کل ہی پنڈی سے آیا تھا۔ اس نے گلی میں اسے دیکھا بھی تھا لیکن بڑی مضبوطی سے اپنے سلگتے جذبوں کو تھامے رہی تھی۔ رات بھر اس کی آنکھوں میں ریتلے ذرے چبھتے رہے تھے لیکن اس نے کسی پر اپنے دکھ کا اظہار نہیں کیا تھا۔

اب

اب

نوید نے اسے آواز دی تھی۔ اسے پکارا تھا...... بلایا تھا، اس کے قدم ڈولنے لگے تھے۔ اس کے ارادے لرزنے لگے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ نوید کا تو کوئی قصور نہیں۔ کیوں نہ رات چھت پر آ کر اس سے مل ہی لے۔

وہ بے دلی سے اٹھی اور بوجھل قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ رانو ابھی تک ریں ریں کر رہی تھی۔ تانیہ کے چہرے پر آزار تھا لیکن وہ ہانڈی روٹی پکانے میں مصروف تھی...... ناجیہ نے تانیہ کو دیکھا...... پھر رانو کو گود میں اٹھا لیا۔

"تانو باجی، آپ رانو کو لے کر بستر میں بیٹھ جائیں...... میں کام کر لیتی ہوں۔"

تانیہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ "تو...... تم کھانا بناؤ گی......؟"

وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بچی کو تانیہ کی گود میں دے کر باورچی خانے میں گھس گئی۔

پورا دن ناجیہ نے اپنے آپ کو مصروف رکھا۔ سائرہ کے ہاں بھی گئی اور

رات بہنوں، بھائیوں کو پارٹی کے قصے بھی سناتی رہی...... لیکن ساری مصروفیات اور ساری باتوں کے پس پردہ اس کا ذہن اپنی سوچوں میں گم تھا۔ رات نوید سے مل لینے کا فیصلہ ڈانواں ڈول تھا۔ وہ ہاں اور ناں کے بین بین بھٹک رہی تھی۔ دل و دماغ برسرِ پیکار تھے۔ عزت نفس کے علاوہ گھر والوں کی آبرو کا بھی خیال آ رہا تھا...... جذبے بھی بلک رہے تھے۔

جب وہ بستر پر لیٹی تو اس کا دماغ تھک چکا تھا۔

وہ کئی دفعہ اوپر جانے کے ارادے سے اٹھی لیکن صحن میں گھوم پھر کر واپس آ گئی۔ دو دفعہ تو چند سیڑھیاں بھی چڑھی...... لیکن الٹے پاؤں لوٹ آئی۔

"نہیں نہیں۔" اس نے سر جھٹک دیا...... نوید اور اس کے درمیان سنگلاخ چٹانیں، آہنی دیواریں اور آگ و خون کے الاؤ آ چکے تھے...... وہ انہیں پار نہیں کر سکتی تھی۔ نہیں کر سکتی تھی۔

اوپر نہ جانے کا فیصلہ کر کے وہ بستر میں اوندھے منہ گر پڑی اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ وہ اتنا روئی کہ اس کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔ اس کا تکیہ بھیگ گیا۔ اس کے پپوٹے سرخ ہو گئے۔

-------O-------



مسز فوزیہ رفیق نے برتن ڈش واشر میں ڈالے اور کچن کی دوسری چیزیں جگہ جگہ پر رکھنے لگی۔ دوپہر اور رات کا کھانا اس نے بنا دیا تھا۔ ایک بجے رفیق اور بچوں نے لنچ کے لیے آنا تھا۔ وہ ساڑھے گیارہ بجے ہی سب کاموں سے فارغ ہو گئی تھی۔ آج اس کا پروگرام مسز تابش کے ہاں جانے کا تھا۔ مسز جیکسن سے بھی ملنا تھا اور ڈورتھی روجر سے بھی ملاقات کرنا تھی۔ یہ سب لوگ مسز تابش کے ہاں ہی مل سکتے تھے۔ مسز جیکسن ان کی ہمسائی تھی اور ڈورتھی راجر بھی قریب والے بلاک میں رہتی تھی۔

کیلیفورنیا کی خوبصورت سٹیٹ کے ایک چھوٹے سے شہر میں مسز فوزیہ رفیق رہتی تھی۔ یہ شہر لاس اینجلس سے کوئی ستر میل دور تھا۔ جدید ترین شہر تھا۔ زندگی کی ساری سہولتیں لاس اینجلس ہی کی طرح یہاں بھی میسر تھیں۔ مسز رفیق کو یہ جگہ بے حد پسند تھی۔ گو رفیق کو یہاں سے تیس میل کے فاصلے پر کام کے لیے جانا پڑتا تھا۔ پھر بھی اپنی خوبصورتی اور قدرتی مناظر کی وجہ سے انہیں یہ جگہ پسند تھی۔ یہاں ایک اور بھی فائدہ تھا۔ تقریباً پانچ پاکستانی خاندان یہاں اور بھی تھے۔ ایک ہندوستانی گھرانہ بھی آباد تھا۔ یوں وطن سے ہزاروں میل کی دوری پر ان لوگوں سے مل جل کر رہنے سے اپنے پن کا احساس ہوتا تھا۔ اپنوں سے کٹ کر جینے کا دکھ شدت اختیار نہیں کرتا تھا۔

مسز تابش سے تو خاصے مراسم تھے۔ منصور اور شوالی بھی اچھے دوست تھے۔ نینا اور جگو سے مل کر بھی لطف آتا تھا۔ نیتو اور پران بھی اچھے دوست تھے۔ مشتاق جلالی بھی سب کا مشترکہ دوست تھا...... ان کے علاوہ کچھ امریکی، کچھ انگریز اور دو عربی خاندان بھی یہاں تھے جن سے اچھے تعلقات تھے۔ پردیس میں ان تعلقات ہی کے سہارے تو دن اچھے کٹ رہے تھے۔

مسز فوزیہ رفیق ہاتھ ٹاول سے پونچھتے ہوئے کچن سے باہر آ رہی تھی کہ باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔

اس وقت کسی کا بھی آنا اسے اچھا نہ لگا۔ سارا پروگرام الٹ پلٹ ہو جائے گا۔ بس اسے اپنے پاکستانی دوستوں کی یہی عادت اچھی نہ لگتی تھی۔ یہاں رہتے ہوئے بھی وہ آپس میں ایٹی کیٹس کا خیال نہ رکھتے تھے۔

تولیہ ٹاول سٹینڈ پر رکھا اور لیونگ روم میں آئی۔ شیشے کے دروازے سے باہر دیکھا۔ اورنج موٹر کھڑی تھی۔ اسے اندازہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ یہ شوالی تھی۔

"ہیلو۔" شوالی دوسرے دروازے سے اندر آتے ہی خوشدلی سے بولی۔ پھر لمبا سا سلام دے مارا۔

فوزیہ نے شیشے کے دروازے کا پردہ ٹھیک کرتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور شوالی کی طرف آتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔ اٹھائیس انتیس سالہ شوالی نے نیلی جینز پر سرخ جیکٹ پہن رکھی تھی۔ بال کندھوں تک کٹے ہوئے تھے۔ بڑی سمارٹ لگ رہی تھی۔

"بیٹھو۔" فوزیہ نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ مسز تابش کے ہاں جانا ہے۔"

"خیریت؟"

"بالکل بھی نہیں۔"

"کیوں؟"

"ایک بہت بڑی خبر ہے، اس کی تصدیق ان سے کرنا ہے۔"

"کیا خبر ہے...... کہاں سے سنی...... کس کے متعلق...... کچھ بتاؤ بھی سہی......"

"تم تک نہیں پہنچی؟"



"نہیں...... تم ہی بتاؤ۔"

"مشتاق جلالی نے فیئری لینڈ میں گھر خریدا ہے۔"

"سچ۔"

"جھوٹ سچ کا صحیح پتہ نہیں۔ میں ہارے سٹور میں گئی تھی۔ وہاں لوگ باتیں کر رہے تھے۔"

"فیئری لینڈ میں گھر خریدنا کوئی معمولی بات تو نہیں۔"

"مسز تابش کو صحیح پتہ ہوگا۔"

"جلالی کئی دنوں سے نہیں ملے، شاید اسی چکر میں ہوں۔ بھئی ان کے پاس پیسے کی کمی تو ہے نہیں۔ ضرور خریدا ہوگا...... اف کتنی خوبصورت جگہ ہے...... تم گئیں کبھی......"

شوالی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر جلالی نے گھر خریدا ہے تو پھر فیئری لینڈ ہی اپنا ہو گیا...... جاتے ہی رہیں گے...... دعوت پہ دعوت دیں گے جلالی میاں۔"

"بیچارہ۔"

"ہاں ہے تو بے چارہ......"

"لیکن کتنا اچھا ہے۔ اخلاق و کردار کا تو جواب ہی نہیں۔"

شوالی ہنس کر بولی۔ "اور دولت کا حساب نہیں۔"

فوزیہ بھی مسکرانے لگی۔

"تم بیٹھو تو سہی...... مجھے بھی مسز تابش کے ہاں جانا تھا۔ اچھا ہوا تم آ گئیں، اکٹھے ہی چلتے ہیں۔"

شوالی ہنستے ہوئے بولی۔ "میں تو سٹور پر چیزیں لینے آئی تھی لیکن یہ بات سن کر رہا نہ گیا۔ جب تک ساری تفصیلات نہ جان لوں گی، قرار نہیں آئے گا۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں نے واپس آ کر کھانا بھی بنانا ہے۔" فوزیہ ہنس کر بولی۔ "آج منصور فاقہ ہی کریں گے...... تم باتوں میں جت جاؤ تو وقت کا احساس تھوڑا ہی رہتا ہے۔"

"کیا کروں مسز رفیق...... باتیں نہ کروں تو وقت نہیں گزرتا۔ میں تو سوچ

رہی ہوں، کہیں ملازمت کرلوں۔"

"تلاش کرلو، شاید کسی کو باتونی عورت کو ملازم رکھنے کی ضرورت ہی ہو۔"

دونوں ہنس پڑیں۔

"بس جلدی سے تیار ہو جاؤ...... میں یہ میگزین دیکھتی ہوں۔" شوالی نے چھوٹے سے آراستہ ڈرائنگ روم پر اک نظر ڈالی اور پھر کونے میں پڑے سٹینڈ پر سے ایک میگزین اٹھالیا۔

فوزیہ پانچ منٹ کی مہلت لے کر تیار ہونے چلی گئی۔

فرنچ شیفون کی سادہ آسمانی رنگ کی ساڑھی پہنے فوزیہ جلد ہی واپس آگئی۔ اس نے معمولی سا میک اپ کیا اور کٹے بالوں کو برش کر کے ہیئر بینڈ سے باندھ دیا تھا۔

"مسز تابش میری منتظر ہوں گی۔" وہ بولی۔ "میں نے انہیں فون کیا تھا۔"

شوالی ہنس کر کہنے لگی۔ "میں نے بھی سٹور سے فون کر دیا تھا۔ تمہارا ابھی کہہ دیا تھا کہ میرے ساتھ آئیں گی۔"

"اگر میں نہ جاسکتی تو......؟"

"تو کیا...... میں زبردستی لے جاتی۔"

دونوں باتیں کرتی باہر نکل آئیں۔ فوزیہ نے گھر لاک کیا اور لان میں آگئی۔ شوالی اس کے چھوٹے سے لان کی خوبصورتی کو آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے تعریف کرنے لگی۔ "بہت لکی ہو فوزیہ، یہ فلیٹ مل گیا ہے۔ اپنا اپارٹمنٹ تو مجھے بالکل پسند نہیں۔ قید خانہ لگتا ہے۔"

"قید خانہ اتنا سہولت بخش اور آراستہ نہیں ہوتا میڈم۔ سوائے لان کے وہاں ہر چیز ہے۔"

"کھلی ہوا تو ایسے ہی فلیٹس میں ملتی ہے۔ یہ چھوٹا سا لان بھی کتنا خوبصورت لگتا ہے۔ میں تو منصور کے پیچھے لگی رہتی ہوں لیکن وہ ابھی افورڈ نہیں کر سکتے فلیٹ لینا۔"

"ابھی تمہیں اس کی ضرورت بھی نہیں۔ تم دو آدمی ہو کل۔ جب بچے ہو جائیں گے تو پھر ضرورت پڑے گی کھلی جگہ کی۔"



شوالی ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "منصور ابھی بچے بھی افورڈ نہیں کر سکتے نا۔"

فوزیہ بھی ہنس دی۔ "اچھا بھئی نکالو اپنی گاڑی تاکہ میں بھی نکال سکوں۔"

"میرے ساتھ ہی چلی چلو۔"

"نہیں بھئی۔ تمہارا کیا پتہ وہاں سے کہیں اور جانے کا پروگرام بنالو۔ مجھے ٹھیک پونے ایک بجے بچوں کے سکول پہنچنا ہے اور بچوں کو لے کر رفیق کو لینا ہے۔"

شوالی او کے کہتے ہوئے اپنی گاڑی میں آبیٹھی۔ ریورس کرتے ہوئے گاڑی باہر سڑک پر لے آئی۔ فوزیہ نے بھی اپنی گاڑی نکالی اور دونوں مسز تابش کے ہاں چل دیں۔

مسز تابش کا گھر لین پارلو کے گنجان آباد علاقے میں تھا۔ لین نمبر فائیو کے پہلے کونے پر دو بیڈروم کا خوبصورت گھر انہوں نے پچھلے سال خریدا تھا۔ گھر کو سجانے بنانے کا میاں بیوی کو بے حد شوق تھا۔ مسٹر اور مسز جیکسن ان کے برابر والے گھر میں رہتے تھے۔ دونوں گھروں کے درمیان گارڈینیا کی باڑ تھی۔ اس باڑ کو ایک جگہ سے کاٹ کر آنے جانے کے لیے راستہ بنالیا گیا تھا۔

شوالی اور فوزیہ نے آگے پیچھے گاڑیاں روک دیں۔ مسز تابش برآمدے ہی میں بیٹھی دونوں کا انتظار کر رہی تھیں۔ کین کی فوم لگی کرسیاں گول میز کے ارد گرد پڑی تھیں۔ برآمدے کے دروں سے لپٹی اور چھجوں سے جھولتی پھولدار بیلیں بڑی نفیس لگ رہی تھیں۔ برآمدے کی سلور ریلنگ پر بھی پھولوں سے لدی بیلیں بہار دکھا رہی تھیں۔

مسز تابش دونوں سے بڑے تپاک سے ملی۔ اس نے پاکستانی لباس پہن رکھا تھا۔ کشمیری شال کندھوں پر تھی۔

"یہاں بیٹھنا پسند کریں گی یا اندر؟" اس نے ازراہ اخلاق پوچھا۔

"یہاں ہی ٹھیک ہے۔" شوالی بولی۔ "میں تو کھلی فضا کو ترس جاتی ہوں۔ اپارٹمنٹ میں تو گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔"

"سارا دن تو باہر گھومتی پھرتی ہو۔" مسز تابش ہنس کر بولیں۔ "گھٹن کیسی......"

"دراصل مسز تابش بہاول نگر میں ہمارا گھر بہت بڑا ہے۔ مجھے تو کھلے صحن کی عادت سی ہے۔ خیر یہاں بھی ٹھیک ہے، عادی ہو ہی جاؤں گی۔"

تینوں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ فوزیہ اپنی نیٹنگ کا بیگ ساتھ ہی لے آئی تھی۔ وہ اون سلائیاں نکالتے ہوئے بولی۔ "مسز جیکسن سے بھی مجھے ملنا ہے۔"

"ابھی آجائیں گی۔" مسز تابش نے جواب دیا۔ "میں نے انہیں تمہارا میسج دے دیا تھا۔"

تینوں باتیں کرنے لگیں۔ "شوالی کو تو مشتاق جلالی کے گھر خریدنے کی خبر نے متجسس کیا ہوا تھا۔" رسمی سی باتوں سے اکتاتے ہوئے اس نے مسز تابش کو سٹور میں سنی ہوئی خبر سنائی۔

"ہاں انہوں نے فیری لینڈ میں گھر خریدا ہے۔" مسز تابش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لاکھوں ڈالر کا ہوگا؟" شوالی بے صبری سے بولی۔

"ظاہر ہے۔ فیری لینڈ میں گھر خریدنا معمولی بات نہیں۔" مسز تابش نے کہا۔ "خوابوں کی دنیا ہے وہ تو...... میں نے اک دنیا دیکھی ہے۔ یورپ، مڈل ایسٹ فار ایسٹ۔ کیلیفورنیا کی بھی بہت سی جگہیں دیکھی ہیں لیکن فیری لینڈ واقعی فیری لینڈ ہے۔"

"میں بھی گئی تھی۔" فوزیہ رفیق نے تیزی سے سلائیاں بنتے ہوئے کہا۔ "واقعی تصوراتی حسن ہے وہاں۔"

"جلالی کا گھر بھی بے انتہا خوبصورت ہے۔ ایسا خوبصورت گھر بھی میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔"

"تو آپ گھر دیکھ بھی آئی ہیں؟"

"ہاں۔ جلالی خریدنے سے پہلے دکھانے کو لے گئے تھے۔"

"کتنے بیڈ رومز ہیں؟"



"شاید تین...... دیکھ لینا تم بھی۔ بس وہ صرف دیکھنے کی چیز ہے، بیان کرنے کی نہیں۔ ایک کمرے کی چھت ٹرانسپرنٹ ہے۔"

"کیا؟" فوزیہ اور شوالی حیرت سے بولیں۔

"بھئی ایک کمرے کی چھت ٹرانسپرنٹ ہے۔ رات کو چاند ستارے نظر آتے ہیں۔ وہاں سو کر احساس ہوگا کہ کھلی چھت تلے سوئے ہوئے ہیں حالانکہ کمرہ ایئر کنڈیشنڈ ہے۔"

"بہت خوب۔"

"جلالی بہت خوش ہوں گے؟" شوالی نے پوچھا تو مسز تابش نے اک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "خوشی بیچارے کے نصیب میں شاید ہے ہی نہیں۔ یہ سب کچھ تو وہ دل بہلاوے کے لیے کرتا رہتا ہے۔"

"ہائے ہائے، خدا بھی کیسا بے نیاز ہے۔ اتنی ڈھیروں دولت دے دی، اخلاق دیا۔ کیا تھا جو ذرا صورت بھی اچھی بنا دیتا۔" شوالی بولی۔

"بہت زیادہ کمپلیکس ہے جلالی کو اپنی شکل وصورت کا۔" فوزیہ نے کہا۔

"کیسے نہ ہو...... توبہ توبہ کرنی چاہیے۔ ویسے میں نے پہلی بار انہیں دیکھا تو خوف سے کپکپی آگئی تھی۔" شوالی نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"تم غلط نہیں کہہ رہیں۔ میں نے بھی پہلی بار ایسے ہی محسوس کیا تھا۔" فوزیہ بولی۔ "بس چہرہ ہی خوفناک ہے۔ رنگ ہی کچھ ہوتا تب بھی......"

"لیکن اخلاق کتنا اچھا ہے۔ عادتیں کتنی پیاری ہیں۔" مسز تابش بولی۔ "ان کا ظاہر جتنا بدصورت ہے باطن اتنا ہی خوبصورت۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

"لیکن زیادہ تر تو لوگ ظاہر ہی دیکھتے ہیں۔"

"بالکل۔ اسی لیے تو جلالی کی آج تک شادی نہیں ہو سکی۔ حالانکہ وہ بتیس تینتیس سال کا ہو چکا ہے۔"

"پچھلے دنوں سنا تو تھا کوئی گوری ان کے ساتھ گھومتی پھرتی ہے۔"

"وہ جلالی کی بے پناہ دولت کے طلسم میں جکڑی ہوئی تھی۔ جلالی یہ بھی تو نہیں چاہتا۔"

شوالی نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "انہیں چاہنے یا نہ چاہنے کی حد سے نکل جانا چاہیے۔ جو کوئی بھی ان سے شادی پر آمادہ ہوگا، دولت کے چارم ہی سے ہوگا ورنہ ان سے شادی، توبہ کون لڑکی انہیں قبول کرے گی۔"

"شاید۔ کوئی ان کے حسین من میں جھانک کر ہی دیکھ لے۔" فوزیہ بولی۔

مسز تابش اور شوالی نے مایوسی سے سر نفی میں ہلا دیا۔

کچھ دیر تینوں مشتاق جلالی کی ہی باتیں کرتی رہیں۔ مشتاق جلالی جو سب کا مشترکہ دوست تھا۔ جس کے دو سٹور بڑی کامیابی سے چل رہے تھے اور جس کے کئی بڑی بڑی کمپنیوں میں شیئرز تھے۔ لاکھوں ڈالرز کی آمدنی تھی۔ وہ بے حد امیر تھا لیکن اتنا بدصورت تھا کہ اس کی شکل دیکھ کر خوف آجاتا تھا۔ اس کا رنگ سانولا تھا۔ ہونٹ گہرے جامنی تھے۔ دہانہ چوڑا اور موٹے موٹے ہونٹ لٹکے ہوئے تھے۔ اس کی ناک موٹی اور پھیلی ہوئی تھی۔ آنکھیں موٹی موٹی بے جان اور خوفناک سی سرخ تھیں جو اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ موٹے موٹے ابروان کو تقریباً ڈھانپے رہتے...... پیشانی تنگ تھی...... بال گھنے اور سیاہ تھے جو گردن پر پڑے رہتے۔ یہی وجہ تھی کہ پشت سے دیکھنے پر احساس نہ ہوتا تھا کہ وہ اتنا بدصورت آدمی ہے۔ قد اونچا لمبا تھا اور شانے چوڑے تھے۔ یہ سب لوگ اس کے دوست تھے، ان مخصوص لوگوں ہی سے وہ ملتا جلتا تھا۔ دوستی کرنے میں پہل اس نے کبھی نہ کی تھی۔ اس بات کا اس میں حوصلہ ہی نہ تھا۔

تینوں باتوں میں مشغول تھیں۔ مسز تابش نے انہیں کافی بنا کر پلائی۔ پاکستان سے آیا ہوا ڈرائی فروٹ بھی پیش کیا۔ مسز جیکسن بھی آگئی تھیں۔ سرخ بالوں اور یاقوتی ہونٹوں والی لمبی سی مسز جیکسن نے بڑے کلر فل کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ وہ بھی ان سب کی دوست تھیں۔ جلالی کے گھر خریدنے کا اسے بھی پتہ چل چکا تھا۔

سب جلالی ہی کی باتیں کر رہی تھیں۔ مسز جیکسن بھی بڑھ چڑھ کر ان باتوں میں حصہ لے رہی تھی۔ وہ پورے خلوص سے چاہتی تھی کہ جلالی کی شادی ہو جائے......



اسے جلالی کے دکھ کا پورا پورا احساس تھا۔

"لیکن کوئی لڑکی آمادہ بھی ہو۔" مسز تابش نے کہا۔ "ہمارے لیے اس سے زیادہ خوشی کی کیا بات ہوگی......"

"کبھی کبھار کوئی لڑکی آمادہ بھی ہوتی ہے تو جلالی پسند نہیں کرتے۔"

مسز جیکسن نے مسز تابش کو یاد دلاتے ہوئے کہا۔ "آپ کو یاد ہے نا دو سال پہلے بھی ایک لڑکی تیار ہوئی تھی شادی کے لیے؟"

"ہاں مسز جیکسن......" مسز تابش نے کہا۔ "لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ جلالی ایسی لڑکی سے شادی کرنا نہیں چاہتے جو ان کی بجائے ان کی دولت کی خواہش مند ہو۔"

"یہ بات تو ہے۔" وہ بولی۔

"یہ بات تو ہوگی۔" فوزیہ نے کہا۔ "بھئی ظاہر ہے کہ کوئی لڑکی ان کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہو سکتی۔"

"انہیں چاہیے شادی کر لیں......" شوالی نے کہا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بھئی ہم بھی تو ان سے مل کر گھبرا گئے تھے۔ اب عادی ہو ہی گئے ہیں ناں۔ مجھے تو سچی اب کبھی محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ اتنے بدصورت ہیں۔ کیوں فوزیہ تمہی بتاؤ، کبھی احساس ہوا ہے ان کی بدصورتی کا اب؟"

فوزیہ نے سر ہلا کر اس کی بات کی تائید کی۔

"جلالی یہ تجربہ کرنے کو تیار ہی نہیں۔" مسز تابش نے کہا۔ "میں نے بھی یہی بات کہی تھی۔ بے چارے ڈرتے ہیں۔"

"اچھا یہ بات میں ان سے کہوں گی اور انہیں منا کر ہی دم لوں گی۔" شوالی نے پُر عزم لہجے میں کہا۔ "ہم سب ان کے دوست ہیں، ہمیں ان کے لیے خلوص سے سوچنا چاہیے۔"

"بالکل...... بالکل......" فوزیہ نے کہا۔ "جلالی کے پاس دنیا کی ہر آسائش موجود ہے لیکن وہ خوش نہیں ہیں۔ جب تک انہیں زندگی کا ساتھی نہ ملے، ان کی خوشیاں مرتی رہیں گی۔"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو مسز رفیق۔" مسز جیکسن نے کہا۔

"ہم دونوں بلکہ ہم سب مل کر کوشش کریں تو جلالی کو آمادہ کر سکتے ہیں۔" شوالی نے کہا۔

"وہ اپنے نئے گھر میں آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔" مسز تابش نے کہا۔

"اچھا موقع ہے، کوشش کر دیکھنا۔"

شوالی اور فوزیہ نے ہاتھ ملاتے ہوئے سب سے مسکرا کر کہا۔ "بس ٹھیک ہے جلالی کا گھر آباد کر کے ہی رہیں گے ہم...... بے چارہ جلالی......"

سب جلالی پر ترس کھاتے ہوئے اس کا گھر آباد کرنے کے متعلق باتیں کرنے لگیں......

-------O-------

redroses@pakistanipoint.com



"جیہ پہلے امتحان دے لو۔ پھر نوکری کے چکر میں بھی پڑ جانا، ابھی تو تمہیں دن رات محنت کرنا ہے......امتحان کی تیاری ضروری ہے۔"

"ہوتی رہے گی۔ تانو باجی میں یہ ٹیوشن ضرور کروں گی۔"

"کون منع کرتا ہے ٹیوشن کرنے سے۔ کچھ آئے گا ہی، کچھ جائے گا تو نہیں لیکن تمہارا بی۔ اے کا امتحان ہے، سوچ لو۔"

"امتحان بھی دے لوں گی۔"

"جیہ تمہیں امتحان کے متعلق سوچنا چاہیے سنجیدگی کے ساتھ۔ ٹیوشن کی میں مخالفت نہیں کرتی لیکن پڑھائی مقدم ہے۔ پہلے بھی پورے دو سال ضائع ہو چکے ہیں۔ میٹرک کے بعد ہی داخلہ لے لیتیں تو اب ایم اے فائنل میں ہوتیں۔"

"ہونہہ۔"

"کسی نہ کسی طرح پڑھ ہی لیتیں۔ اب تو خیر سے ریحان اور امجد بھی کمانے لگے ہیں، خرچہ برداشت ہو ہی جاتا۔"

"کمائی کا کچھ پتہ تو چلتا نہیں۔ ریحان اور امجد بھی جو کچھ لاتے ہیں، کھانا پینا ہی پورا ہوتا ہے۔"

"یہ تو نہ کہو، کپڑا لتا بھی چل رہا ہے۔ پھر آیا گیا بھی رہتا ہے۔ ہم تین آدمی بھی آگئے ہیں۔"

"تین آدمی؟"

"تو اور۔ کھانے پینے کا حساب لگاؤ تو کافی خرچہ ہو جاتا ہے۔ جیہ مجھے تو بعض اوقات اپنا بار اتنا زیادہ لگتا ہے کہ......"

"تانو باجی میں صرف آپ کا بار اٹھانے کے لیے ٹیوشن کرنا چاہتی ہوں۔"

"جیہ۔"

"ہاں باجی، مجھ سے نہیں دیکھا جاتا کہ آپ پیسے پیسے کے لیے کسی کا منہ دیکھیں۔ آپ کی مجبوری دیکھ کر یقین مانیں میرا کلیجہ کٹتا ہے۔ پچھلے دنوں رانو بیمار تھی تو آپ کس قدر مجبور و لاچار تھیں۔ آپ کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ رانو کو کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے جاتیں......"

"جیہ۔"

تانو کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔ اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے آنسو پینے کی کوشش کرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "جیہ میں کسی سے گلہ نہیں کرتی۔ کسی کو دوش نہیں دیتی۔ میری تقدیر ہی خراب تھی۔ سکون قسمت میں ہے ہی نہیں۔ کبھی کبھی تو سوچتی ہوں یہاں آنے سے اچھا تھا کسی کنویں میں چھلانگ لگا لیتی۔"

"ہائے باجی، آپ کو ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔"

"جیہ میں نے کہا ہے نا کہ مجھے کسی سے گلہ نہیں لیکن یہ بتادوں کہ اجڑ کر میکے آنے کا تجربہ بھی تلخ ترین ہے۔ بڑے بوڑھوں نے سچ ہی کہا ہے کہ لڑکی بیاہی جائے تو اس کی لاش ہی شوہر کے گھر سے نکلنی چاہیے۔"

"تانو باجی، آپ بہت دکھی ہیں لیکن ہمارے گھر کے حالات ہی ایسے ہیں۔ کوئی جان بوجھ کر تو آپ کو اذیت نہیں دیتا۔ امی ابو کی طرف دیکھیں، کیا کریں بے چارے۔ آپ اجڑ کر آگئیں۔ میرا......"

وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہوگئی۔ ہونٹ کپکپائے اور آنکھوں میں ویرانی پھیل گئی۔

تانیہ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ اک گہری سانس لی اور پھر بڑے پیار سے بولیں۔ "میں جانتی ہوں تم نوید کو پسند کرتی تھیں لیکن......"

"ہم جیسے لوگوں کو پسند و سند کا کوئی حق نہیں ہوتا تانو باجی۔" وہ بڑے تلخ لہجے میں بولی۔ "ویسے مجھے امی ابو کا خیال آتا ہے۔ پہلی بیٹی کا یوں دکھ اٹھایا، دوسری کا یوں اور ابھی تو ابتداء ہے۔ باقی بے چاری بیٹیوں کا جانے کیا حشر ہوگا۔ ابھی تو ابو کچھ کما



ہی لیتے ہیں، چند سال بعد کیا ہوگا تانو باجی۔ ان کی شادیاں کیسے ہوں گی۔ میں تو یہی سوچتی رہتی ہوں۔"

"اللہ مالک ہے۔" تانو نے گہری آہ بھری۔

"اللہ تو سب کا مالک ہے۔" جیہ بولی۔

دونوں بہنیں چارپائی پر بیٹھی تھیں۔ جیہ کے ہاتھوں میں کوئی کتاب تھی اور تانو فرصت پاکر رانو کے فراک کی مرمت کر رہی تھی۔ امی سامنے والے ہمسایوں کے ہاں گئی تھیں۔ ان کے بیٹے کی ترقی ہوئی تھی۔ لڈو بھجوائے تھے۔ اب مبارکباد دینے جانا ضروری تھا۔ ثانو، مانو اور عقیقہ اور ربیعہ چھت پر رانو اور صفی کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ بھائی گھر پر نہیں تھے۔ ابا بھی بازار گئے ہوئے تھے۔

کبھی کبھی تانو اور جیہ دکھ سکھ کی باتیں کر لیا کرتی تھیں۔ تانو تو حالات کے سامنے ڈھال پھینک کر بے بس ہو چکی تھی۔ جیہ میں دم خم تھا، مقابلے کی ہمت رکھتی تھی۔ نوید سے کٹ کر بھی اس نے کسی گہرے دکھ کا اظہار نہیں کیا تھا۔ حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ ان دنوں اسے تانو کی مالی مدد کرنے کا جنون تھا۔ ٹیوشن کر کے وہ بخوبی اپنا اور تانو کا خرچ چلا سکتی تھی۔ ٹیوشن بھی مل رہی تھی۔ وہ بضد تھی لیکن تانو نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنی پڑھائی کی قربانی دے کر یہ ٹیوشن کرے۔ جیہ نے بار بار کہا کہ وہ صرف اور صرف تانو کے لیے ٹیوشن کرنا چاہتی ہے۔ تانو کی آنکھیں اس خلوص پر بھر آئیں۔ جیہ تلملا کر بولی۔ "حالات کا مقابلہ کرنا سیکھیں باجی۔ میں تو ٹیوشن ضرور کروں گی۔ اتنا معقول معاوضہ ملے گا۔ کم از کم آپ کو پیسے پیسے کے لیے کسی کا منہ تو نہ دیکھنا پڑے گا۔ رانو اور صفی کے کپڑے بنیں گے، کھلونے آئیں گے، دودھ کا خرچہ چلے گا۔"

تانیہ نے آنکھیں پونچھیں اور گھٹی ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھے تو لگتا ہے تو نے ٹیوشن کی تو امتحان رہ جائے گا۔ میری مان لو جیہ...... جہاں اتنی گزری ہے کچھ ماہ اور سہی...... میں نہیں چاہوں گی کہ تم اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکو......"

"کر لوں گی۔"

"میری طرف دیکھ جیہ...... میں نے بھی ایف اے، بی اے کیا ہوتا تو کوئی نہ

کوئی نوکری مل ہی جاتی۔ ہمارے طبقے کی تو ہر لڑکی کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ ہنر ضرور ہونا چاہیے...... زیادہ الجھنیں اور مسائل ہم جیسے لوگوں ہی کے لیے ہوتے ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں باجی...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹیوشن کی ابو اور امی نے بھی رضامندی دے دی ہے...... بس کل سے ہی شروع کر دوں گی...... صرف دو بچوں کو پڑھانا ہے...... زیادہ دور بھی نہیں جانا پڑے گا......"

"کس جگہ ہے ان کا گھر؟"

"سڑک پار کر کے دائیں ہاتھ چلتے جائیں تو ایک چوڑی سی سڑک آجاتی ہے نا۔"

"ہاں......"

"بس اسی پر پہلی نہیں، دوسری کوٹھی ہے۔"

"ہوں۔"

"دو گھنٹے کی ڈیوٹی ہے تانو باجی۔ ایک ساڑھے سات سال کی بچی ہے، دوسری گیارہ سال کی......"

"ہیں کون لوگ؟"

"کیوں کوئی رشتہ ناطہ جوڑنا ہے کیا؟"

جیہ ہنس پڑی۔ تانو سنجیدگی سے بولی۔ "کسی کے گھر یونہی نہیں جانا چاہیے۔ پہلے ان لوگوں کا پتہ ضرور کروالینا چاہیے......"

"فکر نہ کرو تانو باجی۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔ میری دوست کی بڑی بہن ہیں۔ گھر میں صرف ایک بوڑھا سسر اور بوڑھی ساس ہیں...... شوہر دوبئی میں ہوتے ہیں۔ دو بچیاں ہیں اور بس یعنی خطرے وطرے کی کوئی بات نہیں...... سمجھیں...... تانو باجی...... تسلی ہو گئی۔"

تانو کچھ نہیں بولی۔

جیہ کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا...... مسکراتے ہوئے بولی۔ "ان کے گھر میں جوان مرد بھی ہوتا تو ڈرنے کی کوئی بات نہ تھی...... سچ پوچھیں نا باجی تو مجھے کسی مرد میں کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی......"



تانو نے دکھ بھری نظروں سے جیہ کو دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ رندھی رندھی نظر آئی۔ یقیناً نوید سے بچھڑنے کا اسے دکھ تھا۔

جیہ نے ٹیوشن کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ رات ایک بار پھر امی اور ابو سے پوچھا اور ساتھ ہی صاف صاف کہہ دیا کہ تانو باجی کی کسمپرسی دیکھی نہیں جاتی۔ وہ صرف ان کے بچوں کے لیے یہ ٹیوشن کرے گی۔

ماں باپ کو کیا اعتراض ہوتا۔ ٹھنڈی آہیں بھرنا تو ان کا مقدر بن چکا تھا۔ بیٹی کو اجازت دے ہی دی۔

جیہ خوش ہو گئی...... دوسرے دن کالج تو گئی لیکن جلد ہی لوٹ آئی۔ اسے ٹیوشن کے لیے جانا تھا اور جانے کے لیے تیاری کرنا تھی۔

چار ساڑھے چار بجے اسے جانا تھا۔ وہ بڑی متجسس تھی۔ چھوٹی بہنیں بھی جیہ کے اس نئے تجربے میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ ربیعہ نے اس کے کپڑے استری کر دیے۔ تانو نے بھی اپنی سینڈل پہننے کو دے دی۔ عتیقہ کے پاس چھوٹا سا بیگ تھا، وہ نکال لائی۔

"پہلی تنخواہ میں سے بیس روپے میں لوں گی۔" اس نے بیگ دینے سے پہلے شرط لگائی۔

"میں نے کپڑے استری کیے ہیں جیہ باجی۔" ربیعہ نے خوبصورت سیاہ آنکھوں سے اس کو دیکھا۔

"اور مجھے کیا ملے گا بجیا......" مانو بولی۔

"تم سب پہلے حصے بخرے کر لو......" جیہ جھلا کر بولی۔ "جیسے تمہارے لیے تو کام شروع کر رہی ہوں۔"

"دل نہ توڑو ان کا جیہ۔" تانو باجی نے اپنی سوکھی انگلیوں سے جیہ کے چمکتے سرخ گالوں کو چھوا۔

"آپ تیار ہیں تانو باجی؟" جیہ نے ان کو سر تاپا دیکھا۔

"ہاں مجھے کیا کرنا ہے۔ کپڑے پہن لیے ہیں۔"

"ذرا سی لپ اسٹک ہی لگا لیں۔ کتنے بے رنگ ہونٹ ہیں۔"

"ٹھیک ہیں...... جیہ...... لپ اسٹک لگا کر لوگوں سے باتیں کروانی ہیں۔ گلی محلے کے لوگ تو انگلی اٹھانے کے موقعے ڈھونڈتے ہیں۔"

"ہونہہ۔ اس طرح میں آپ کو ساتھ لے کر نہیں جاؤں گی۔ ان لوگوں پر کچھ تو امپریشن پڑنا چاہیے۔ کچھ ایسے فقیر بھی تو نہیں ہیں ہم...... ثانو باجی کا دوپٹہ ٹھیک طرح سے استری کر دو، ساری سلوٹیں پڑی ہیں۔"

جیہ نے کہا۔ وہ اپنے سیاہ لمبے اور چمکیلے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔

ثانیہ نے تانو کے شانوں سے دوپٹہ اچک لیا اور جلدی جلدی استری کرنے لگی۔ ربیعہ پرانی سی لپ اسٹک لے آئی اور جیہ نے باجی کے ہونٹوں پر اس کا زبردستی ہلکا سا لیپ کر دیا۔

"اچھی بھلی صورت بگاڑ رکھی ہے۔" جیہ نے اس کے گالوں پر لپ اسٹک کے ننھے دھبے لگاتے ہوئے کہا۔ تانو نہ نہ کر رہی تھی اور وہ ہتھیلیوں سے سرخی گالوں پر پھیلاتے ہوئے تنقیدی نظروں سے تانو کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ثانو دوپٹہ ہاتھوں پر پھیلائے ہوئے آگئی۔ جیہ نے احتیاط سے دوپٹہ تانو کے کندھوں پر ڈال دیا۔

وہ تانو کو ساتھ لے جا رہی تھی۔ مسز ارشد سے متعارف کروانا تھا۔ ٹیوشن فیس اور پڑھانے کے وقت کا تعین بھی اسی سے کروانا تھا۔ گو اس کی سہیلی نے ساری بات خود ہی طے کر لی تھی۔ پھر بھی جیہ تانو کو ساتھ لے جا رہی تھی۔

جیہ نے باجی کو تیار کرنے کے بعد اپنے بالوں کو ڈھیلی سی چٹیا کی صورت گوندھا اور پشت پر ڈالتے ہوئے کنگھی سے بال نکالے۔ بالوں کو انگلی کے گرد لپیٹتے ہوئے کنگھی میز پر رکھ دی۔ بالوں کی گولی سی بنا کر میز کے دراز میں پڑے پلاسٹک کے لفافے میں ڈال دیے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنے سراپا پر نظر ڈالی۔ اس کی پشت پر عقیقہ کھڑی تھی۔ آئینے میں اس کا عکس بھی نظر آ رہا تھا۔

"ہم بہنیں کتنی خوبصورت ہیں۔" جیہ نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر مڑ کر ربیعہ، ثانو اور مانو پر بھی نگاہ ڈالی۔ سرخ و سفید چمکتی رنگتیں، سیاہ چمکیلے بالوں، بڑی بڑی



خوبصورت آنکھوں والی یہ سب لڑکیاں حسین کہلائی جا سکتی تھیں۔

لیکن

قسمت

کاش صورتوں کی طرح نصیب بھی خوبصورت ہوتے۔

بڑے دکھ سے جیہ نے سوچا۔

"چلو بھی اب۔" تانو باجی نے کہا۔

"چلیے۔" جیہ نے آخری بار مڑ کر آئینے میں اپنی صورت دیکھی اور پھر جانے کے لیے قدم اٹھایا۔

امی صحن میں تھیں۔

جیہ نے شوخی سے کہا...... "آشیرواد دیجیے ناں ماں جی......"

امی کو کون سا اس کے کام کرنے سے خوشی ہو رہی تھی۔ اپنی کم مائیگی کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا لیکن پیشتر اس کے کہ امی چپکے چپکے آنسو بہانے لگتیں جیہ تانو کو لے کر گھر سے باہر آگئی۔

دونوں باتیں کرتے ہوئے بڑی سڑک پر آئیں۔ سڑک پر بے تحاشہ رش تھا۔ کچھ دیر رکنا پڑا۔ پھر سڑک عبور کی اور چند منٹ بعد وہ مسز ارشد کے گھر تھیں۔

اٹھائیس انتیس سالہ صوفیہ ارشد بڑی سمارٹ خاتون تھیں۔ گھر کو بڑے سلیقے اور نفاست سے سجایا ہوا تھا۔ بہت سی چیزیں فارن کی آئٹم تھیں۔ دیکھتے ہی پتہ چل جاتا تھا کہ گھر کا کوئی نہ کوئی فرد بیرون ملک ضرور رہتا ہے۔

وہ دونوں سے بڑے تپاک سے ملی۔ ڈرائینگ روم میں بٹھایا...... اچھی سی چائے پلائی۔ ماحول جلد ہی دوستانہ ہو گیا۔ تانو اور وہ دونوں گھل مل کر باتیں کرنے لگیں۔

چائے کے بعد مسز ارشد نے دونوں بچیوں کو بلایا...... دونوں نے خوبصورت فراک پہن رکھے تھے۔ امبر اور چیکو دونوں بہت پیاری بچیاں تھیں۔

جیہ نے دونوں بچیوں کو اپنی کتابیں لانے کے لیے کہا۔ دونوں اپنے اپنے بستے اٹھا لائیں۔ جیہ ان کی کتابیں دیکھنے لگی۔ دونوں کو اس نے اپنے دائیں بائیں بٹھا لیا۔

"شریر بہت ہیں۔ ان پر رعب رکھیے گا۔" تانو کے پاس بیٹھی مسز ارشد نے جیہ سے کہا۔

جیہ مسکرا دی

اور

جب تک وہ بچیوں سے سوال و جواب کرتی رہی۔ تانو مسز ارشد کے ساتھ باتوں میں مصروف رہی۔ دونوں اچھی خاصی دوست بن گئیں اور جب دو گھنٹے بچیوں کو پڑھانے کے بعد جیہ گھر جانے کے لیے اٹھی تو مسز ارشد تانو سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔ "کبھی کبھی آجایا کریں، میں اکیلی بور ہوتی رہتی ہوں۔"

پھر اس نے جیہ سے بھی کہا۔ "انہیں کبھی کبھی ساتھ لے آیا کریں نا...... مجھے ان کی عادت بہت اچھی لگی ہے۔"

پھر ملنے کی حامی بھر کے تانو نے مسز ارشد سے ہاتھ ملایا۔ جیہ نے بھی ہاتھ ملایا۔ دونوں بچیاں ایک ساتھ بولیں۔ "آنٹی بائے بائے۔"

جیہ اور تانیہ مسز ارشد کے گھر بار اور حسن اخلاق کی باتیں کرتے واپس آگئیں۔

-------O-------



نیند میں اس نے دائیں کروٹ بدلی۔ چند لمحے پڑا رہا۔ پھر بائیں طرف کروٹ بدلی، جسم کو سکیڑا، سمیٹا اور اوندھا ہو کر سر تکیے میں گھساتے ہوئے رضائی کندھوں تک کھینچ لی۔ اس کے ہلنے جلنے سے رضائی بھی سکڑی سمٹی، اکٹھی ہوئی، پھیلی اور اونچی نیچی ہوئی۔ نیلی پروں کی پھولی پھولی رضائی کی حرکت سے یوں لگا جیسے اُجلے اُجلے شفاف شفاف نیلے نیلے بادل بیڈ پر اکٹھے ہو گئے ہوں یا سمندری لہریں موج میں آگئی ہوں۔

یہ جلالی کے نئے خریدے ہوئے پینٹ ہاؤس کا شاندار بیڈ روم تھا جس کی خوابناک فضا میں نیند نہ بھی آنا ہو تو آجائے۔ کمرے کی دونوں بیرونی دیواریں شیشے کی تھیں جن کے آگے چھت سے لے کر فرش تک نیلے ریشمی پردے لہرا رہے تھے۔ فرش گہرے نیلے کارپٹ سے ڈھکا تھا۔ بیڈ کا سائیڈ بورڈ بے حد خوبصورت تھا۔ ہلکا نیلا ریشمی بستر شنیل کا تھا۔ پروں کے تکیے تھے۔ بیڈ کے ایک طرف چھت کے ساتھ انڈونیشی فانوس لٹک رہا تھا جس میں جلنے والے قمقمے ہلکی ہلکی نیلی روشنی بکھیر رہے تھے۔ ایک کونے میں راکنگ چیئر تھی جس کی لچکیلی گدی بھی نیلی تھی۔ میز پر پڑے ہوئے کانچ کے گلاس اور جگ بھی نیلاہٹ لیے ہوئے تھے۔ ہلکے اور گہرے نیلے رنگ کا امتزاج بڑا ہی دلکش تھا۔

اس گھر میں شفٹ ہوئے جلالی کو تیسرا دن تھا۔ گھر جتنا خوبصورت اور آرام دہ تھا، جلالی کی ذہنی اذیت اتنی ہی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ گھر اور اس کے گرد و پیش حسن ہی حسن تھا۔ پہاڑی کو کاٹ کر یہ گھر بنایا گیا تھا۔ دائیں طرف کی اونچائی سے مصنوعی چشمہ گرایا گیا تھا جو ہموار سطح پر آکر چھوٹی سی جھیل میں گرتا تھا۔ جھیل کے چاروں طرف گھنے، سرسبز درختوں اور خوش رنگ پھولوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ یہ پس منظر پینٹ ہاؤس کی

خوبصورتی میں بہت بڑا اضافہ تھا۔ پینٹ ہاؤس خوبصورت ترین جگہ پر سبزے اور پھولوں سے گھرا ہوا خوبصورت ترین گھر تھا جس کے اندر دنیا بھر کی آسائشیں تھیں۔ جدید طرز کے سارے لوازمات تھے۔ پرانی پرانی نادر اشیاء تھیں جن میں سیمپس اور پینٹنگز تو واقعی ستائش کے قابل تھیں۔ گھر کے اندر ہر چیز کا ریموٹ کنٹرول تھا جو گھر کو جادو نگری کے مماثل بناتا تھا۔ ایک سن روم ریوالونگ تھا، وہ بھی ریموٹ کنٹرول۔

جلالی کو اس آسائشوں سے بھرے گھر میں اپنی بدصورتی کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا۔ گھر کے اندر ساز و سامان کا حسن اور گھر کے گرد پھیلا ہوا قدرتی حسن اسے یوں لگتا تھا جیسے اس کی بدصورتی کا مذاق اڑا رہا ہو۔

جلالی شروع ہی سے اچھے گھروں میں رہا تھا۔ خوبصورت آراستہ گھر اس کی کمزوری تھے لیکن یہ گھر تو جادو کا محل تھا۔ ہر چیز کا ریموٹ کنٹرول بیٹھے بیٹھے بٹن دبایا۔ دروازے کھل گئے۔ پردے سمٹ گئے۔ کچن باہر آ گیا۔ موسیقی فضا میں لہریں لینے لگی۔ سن روم گھومنے لگا۔ شیشے کی دیواروں کا رخ اپنی مرضی کے مطابق پھر گیا۔ لیونگ روم میں پہاڑی سلسلوں کے نظارے کی طلب ہوئی تو شیشے کی دیواریں ادھر گھوم گئیں۔ جھیل دیکھنے کو جی چاہا تو سمت ادھر پھیر لی۔ پھولوں، پودوں اور سبزے سے بھرے میدان کی طرف رخ کر دیا تو نظارے ہی اور ہو گئے۔ فیئری لینڈ میں ایسے ہی دلکش و دلفریب پینٹ ہاؤسز تھے اور یہاں اس سٹیٹ کے امیر ترین آدمیوں کی رہائش تھی۔ یہ گھر انسان کی ذہنی اپچ اور صلاحیتوں کے نوادرات تھے۔

لیکن

اس قدرتی رعنائی سے بھرپور گھر میں جلالی بھٹکتا پھرتا تھا۔ کبھی تو اس کا جی چاہتا کہ اس گھر کی ہر چیز توڑ پھوڑ ڈالے۔ باتھ روم کا خوبصورت، شفاف اور سچ اگلنے والا آئینہ تو اس نے اسی جنون خیزی میں توڑ بھی دیا تھا۔ اس آئینے کو بدلنے کے لیے اسے کئی سو ڈالر خرچ کرنا پڑے تھے لیکن کبھی کبھی اس کا جی اس گھر میں قہقہے بکھیرنے کو چاہتا۔ اپنی بدصورتی کو تسلیم کرتے ہوئے وہ اس طلسماتی گھر میں اپنے آپ کو بچپن کی جنوں پریوں کی سنی ہوئی کہانیوں میں خوبصورت پری پر قابض دیو سمجھنے لگتا۔ دیو جو



کسی ملک کی حسین شہزادی کو اٹھا کر اپنے محل میں قید کر لیتا ہے۔ اپنے قبضے میں رکھتا ہے۔ اپنی جناتی طاقت کے بل بوتے پر اسے دم مارنے نہیں دیتا۔

وہ اپنے آپ کو دیو سمجھنے لگتا۔ پھر بے اختیار اس کا جی پریوں کی شہزادی کو اپنے قبضے میں کرنے کے لیے مچلنے لگتا۔

پریوں کی شہزادی۔

حسین، نازک، کانچ کی گڑیا سی۔ جو آنکھیں کھولے تو پوری کائنات میں اس کی آنکھوں کی چمک پھیل جائے جو بات کرے تو ساری فضا میں نغموں کی گنگناہٹ گھل جائے جو حرکت کرے تو دنیا کا دل تھم جائے۔ جو چلے تو باد صبا اپنی سبک خرامی بھول جائے۔

جلالی ایسی شہزادی کے تصور میں کھو جاتا۔

لیکن

جب وہ ہوش کی دنیا میں آتا تو اپنے خیالوں کی مضحکہ خیزی اسے چڑ کے لگاتی۔ وہ اداس ہو جاتا۔ وہ بے اختیار ہو کر دل ہی دل میں چیخ اٹھتا۔ جھلا جاتا۔ غم اور غصے سے اپنے آپ کو کوسنے لگتا۔ اپنی شکل و صورت کا احساس اتنی شدت سے ہوتا کہ یہ سارے حسین تصور چکنا چور ہو کر بکھر جاتے۔

اپنی بدصورتی کا احساس اسے بچپن ہی سے تھا۔ اس کے سگے بہن بھائی اس کو بھوت کہتے تھے۔ ماں باپ کا سلوک بھی بے جا سا تھا۔ اسے یاد تھا کہ جب بھی وہ روتا یا مچلتا تھا، اسے جھڑک کر یہی کہا جاتا تھا۔ ”صورت دیکھو اپنی۔“ اس کے ساتھی بھی اسے اس کی بدصورتی کا احساس دلاتے رہتے تھے۔ جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا، احساس کمتری اور احساس محرومی کی چھاپ اس کے چہرے پر گہری ہوتی گئی اور اس گہری چھاپ نے اس کے بدنما نقش و نگار کو اچھا خاصا بھیانک بنا دیا۔

ملک سے فرار بھی اس نے انہی جذبوں کے تحت کیا تھا۔ تعلیم ادھوری چھوڑ کر وہ نوکری کے لیے ملک سے باہر گیا تھا۔ چند سال انگلینڈ میں گزارے تھے۔ اپنی ساری صلاحیتیں اس نے پیسہ کمانے پر صرف کر دی تھیں۔ شکل و صورت کی کمی دولت

سے پوری کرنے کا لاشعوری جذبہ تھا اور وہ دن رات مشین کی طرح کام کرتا تھا۔

پھر

وہ امریکہ چلا آیا۔ انگلینڈ میں اس کے ہم وطنوں کی بہتات تھی اور وہ اپنوں میں گھر کر تنہا ہونے کا احساس بڑی قوت سے اپنے اوپر مسلط پانے لگا تھا۔ کچھ دوستوں نے دل آزاری کی تھی۔ دولت کی چکاچوند انہیں اس کے قریب لے آئی تھی لیکن خلوص اور محبت کے اظہار کا جب بھی کوئی موقع آیا، اس نے ان کی طرف سے کچھ بھی نہ پایا۔

دیار غیر میں آ کر وہ کئی جگہ گھوما پھرا۔ وہ جہاں بھی گیا دولت کی دیوی اس پر مہربان رہی۔ اس نے مٹی کو چھوا تو سونا بنی والی بات ہوئی۔ محنت اور لگن سے اس نے بہت جلد اپنا ایک مقام بنا لیا۔ اس نے لوگوں سے زیادہ ناطہ کبھی نہ جوڑا تھا۔ لاشعور میں دھتکارے جانے کا خوف سدا سے چھپا تھا۔ ان دنوں اس کی چند پاکستانی خاندانوں سے دوستی تھی۔ ایک دو امریکن فیملیز بھی تھیں۔ نائیجیریا کا ایک جوڑا بھی تھا۔ یہ سب لوگ اس کے دوست تھے۔ ان کی دوستی کو اس نے کئی مواقع پر پرکھا بھی تھا، مایوسی نہ ہوئی تھی۔ اس لیے وہ صرف ان گنے چنے لوگوں ہی سے بے تکلفی سے ملتا تھا۔ یہ لوگ سچے تھے، حقیقت سے انحراف نہیں کرتے تھے۔ اس کی بدصورتی کو انہوں نے کبھی خوشامدی لہجے میں خوبصورتی کے مماثل قرار نہیں دیا تھا۔ سچائی کو سچائی سے بیان کرنا ہی ان لوگوں کی خوبی تھی اور یہی خوبی جلالی کو بھائی تھی۔ کترانے اور خوفزدہ ہونے کی بجائے وہ ان لوگوں سے خاصا بے تکلف ہو گیا تھا۔ اس میں جرأت پیدا ہو گئی تھی اور اپنی شکل و صورت کا مذاق اڑانے اور اڑوانے کا اس میں حوصلہ پیدا ہو گیا تھا۔

یہ سب کچھ تھا۔ پھر بھی کمتری کا احساس اس کے ذہن میں جاگزیں تھا۔ ان دوستوں کے علاوہ اس نے کسی سے مراسم نہ بڑھائے تھے۔ کاروباری تعلق کو اس نے کبھی ذاتی نہ ہونے دیا تھا۔

یوں اس کی زندگی اک لگے بندھے ڈھنگ سے گزر رہی تھی کہ اس نے فیئری لینڈ میں یہ پینٹ ہاؤس خرید کر اپنی سوچوں میں کرب و اذیت کا نیا اضافہ کر لیا۔



جلالی نے پھر کروٹ بدلی۔ اس کی آنکھ کھل چکی تھی۔ شروع ہی سے اس کی اس وقت اٹھنے کی عادت تھی۔ یہاں کی مصروف اور لمحے لمحے سے رس نچوڑنے والی زندگی کا عادی ہونے کے باوجود اس کی یہ عادت نہ بدلی تھی۔

اس نے اپنا وجود قدرے کھینچ کر اونچا کیا۔ شاندار بیڈ بورڈ کے ساتھ آسمانی نرم نرم تکیوں کے سہارے ہو کر رضائی سینے تک کرتے ہوئے سگریٹ سلگایا۔

اس کے جاگ جانے کی خبر مسز ہیرلڈ جو پچپن سالہ فربہ سی خاتون ہاؤس کیپر تھی، کو ہوئی تو وہ چائے لے کر حاضر ہو گئی۔

"صبح بخیر۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جلالی نے بھی جواباً صبح بخیر کہا اور شیشے کے خوبصورت کپ میں چائے پیتے ہوئے بولا۔ "مسز ہیرلڈ آج دعوت کا پروگرام ہے، بھولا تو نہیں؟"

"نہیں صاحب۔ میں سارا انتظام کر لوں گی۔"

"میرے قریبی دوست آ رہے ہیں۔ ان لوگوں کی پسند و ناپسند سے آپ واقف ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"تو پھر دعوت ٹھیک ٹھاک رہے۔"

"بالکل صاحب۔"

"وہ لوگ شام ذرا جلدی ہی آ جائیں گے، اس لیے ان کی تفریح کا پورا بندوبست ہو۔"

"بے فکر رہیں صاحب۔"

"اچھا مسٹر ہڈسن آ جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ میں تیار ہو جاؤں۔ ناشتہ ہم تینوں کریں گے۔"

فربہ سی مسز ہیرلڈ عقیدت سے مسکرائی۔ سر کو قدرے خم کیا اور کمرے سے نکل گئی۔ جلالی کو اس کی عقیدت نما مسکراہٹ سے ذرہ بھر ذہنی آسودگی نہ ملی۔

تیار ہو کر جلالی لیونگ روم میں آ گیا۔ مسٹر ہڈسن اس کا منیجر تھا اور کاروباری

امور میں اس نے اسے کچھ مشورے دینے تھے۔ اس کی تجاویز پر خیالات کا اظہار کرنا تھا۔

اس گھر کے دائیں طرف جھیل کے شمالی رخ پر چھوٹے چھوٹے ہٹ بنے ہوئے تھے۔ وہ بھی جلالی کی ملکیت تھے۔ یہ ہٹ اس نے اپنے ملازموں کو دے دیئے تھے۔ مسز ہیرلڈ تو جلالی کے آنے سے پہلے ہی یہاں شفٹ ہو گئی تھی۔ وہ اکیلی تھی، اس کا بیٹا ویت نام میں مارا گیا تھا۔ شوہر چند سال ہوئے فوت ہو گیا تھا۔ تب سے وہ جلالی کی ملازمہ تھی۔ گھر کی دیکھ بھال بہت اچھی طرح کرتی تھی۔ کھانا بھی جلالی کی مرضی کا پکاتی تھی۔ اس نے جلالی اور اس کے پاکستانی دوستوں سے مشرقی کھانے بھی سیکھ لیے تھے۔ خاصی ماہر ہو چکی تھی۔

مسٹر ہڈسن ابھی شفٹ نہیں ہوا تھا۔ اس کی بیوی اس سے طلاق لے رہی تھی۔ وہ انہی چکروں میں تھا لیکن ہٹ میں آنے کی اس نے منظوری دے دی تھی۔

مسز ہیرلڈ نے دعوت کا اہتمام کر لیا تھا۔ جلالی کو کام کے سلسلے میں شام تک باہر رہنا پڑا تھا۔ اس کے واپس آنے سے پہلے مسٹر و مسز جیکسن، تابش اور ان کی بیگم پہنچ گئے تھے۔

دعوت خوب شاندار تھی۔ فوزیہ، شوالی نینا، جگو، نیتو، پران، منصور، رفیق، کلارے اور ان کی حبشن بیوی۔ جلالی کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ سب کو جلالی کا یہ نیا گھر بہت پسند آیا۔ سب نے گھوم پھر کر گھر دیکھا۔ ریموٹ کنٹرول کے کمالات کو آزمایا اور خوب خوب تعریفیں کیں۔

"مجھے تو ریوالونگ سن روم بہت ہی پسند آیا۔ جلالی بھائی کسی دن آؤں گی، اسے دن کی روشنی میں دیکھنے۔" فوزیہ بولی۔

"ضرور فوزیہ بھابی۔" جلالی نے کہا۔

"اور مجھے تو یہ یونانی طرز کا بھاری بھر کم فرنیچر والا ڈرائنگ روم اتنا اچھا لگا ہے، اتنا اچھا کہ تعریف کے لیے الفاظ نہیں مل رہے۔" جگو بولی۔ "بیڈ روم سب سے اچھے ہیں۔" منصور نے کہا۔ اس کی شوخی اور آنکھوں کی شریر گردش پر سب نے قہقہہ لگایا۔



"سب ہی چیزیں لاجواب ہیں۔ تمہارے ذوق کی داد دیتے ہیں جلالی۔" رفیق نے کہا۔

"جادو نگری لگتی ہے۔" نیتو بولی۔

"واقعی جادو کا محل ہے۔" کلارے بولا۔

"مع جادوگر کے۔" جلالی نے ہنس کر کہا۔ اس کا ساتھ دینے کو سب مسکرانے لگے۔

بڑے بڑے منقش ستونوں والے ڈرائنگ روم میں اونچی بیک والے شاندار صوفوں پر سب بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ پرانے نادر قسم کے لیمپ کونوں میں روشن تھے جن سے بڑی خوابناک روشنی ہال نما ڈرائنگ روم میں پھیل رہی تھی۔ خواتین کے چمکیلے ملبوسات اور ڈائمنڈ چمک رہے تھے۔ طلائی زیورات بھی جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ سب جلالی کے اس خوبصورت گھر کی تعریفیں کر رہے تھے۔

"جلالی بھائی۔" شوالی نہ رہ سکی۔

"جی۔"

"ایک بات کہوں؟"

"اب آپ فوراً شادی کر لیں۔"

"بالکل بالکل۔" سبھی نے یک زبان کہا۔

"سوچتا میں بھی ہوں۔" جلالی نقرئی پیالی چمکیلی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے مسکرایا۔

"ہرا۔" منصور چیخا۔

"کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔" تابش نے کہا، پھر سب نے شور مچا دیا۔ "واہ واہ۔ واہ واہ۔"

"بھئی بات تو سنو۔" جلالی نے ہاتھ اونچے کرتے ہوئے سب کو چپ کرایا۔

سب متوجہ ہو گئے۔

"فرمائیے؟" جیکسن بولا۔

"اس گھر کو آپ سب نے بہت پسند کیا ہے۔" جلالی ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

"بالکل۔" سب بولے۔

"جادو کا محل کہا ہے۔" جلالی نے کہا۔ سب نے سر اثبات میں ہلایا۔

"جادو کے محل میں کالا دیو بھی تو ہوتا ہے۔" جلالی اپنا تمسخر اڑاتے ہوئے بولا۔

"وہ تو ہے ہی۔" رفیق نے بے تکلفی برتی۔

"اس حوالے سے تو یہاں پریوں کی شہزادی آنی چاہیے۔" مسز تابش نے جلالی کی ہمت بڑھائی۔

"بالکل۔" جلالی نے جھٹ سے کہہ دیا۔

"تو پھر لے آئیں نا۔" شوالی، نیتو اور جگو خوش ہو کر بولیں۔

"یہی تو ناممکن بات ہے۔" جلالی نے جیسے سارے حوصلے ڈھا دیئے۔

"سمجھ نہیں آئی کچھ بھی۔" کلارے بولا۔

"وضاحت کریں۔" تابش نے کہا۔

سب نے ہاں ہاں کہہ کر ان کی تائید کی تو جلالی سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"جادو کا محل بھی ہے۔ کالا دیو بھی...... لیکن کوئی شہزادی اس میں نہیں آئے گی۔"

"اگر آ جائے تو......" شوالی اور فوزیہ نے ایک دم کہا۔ "تم لوگ ہمت کرو، شاید آ ہی جائے۔" منصور نے دونوں سے کہا۔

"جلالی بھائی...... ہو جائے پھر......" شوالی نے ہنس کر کہا۔

"ہو جائے۔" جلالی بھی ہنس دیا۔

بات مذاق میں ہو رہی تھی لیکن شوالی، فوزیہ اور مسز تابش اس مذاق کو عملی جامہ پہنانے کا سوچ رہی تھیں۔ تینوں قریب قریب بیٹھی تھیں۔ مسکرا مسکرا کر کھسر پھسر کرتی رہیں۔

رات کافی بھیگ چکی تھی۔ جب یہ بے تکلف سی محفل ختم ہوئی۔ اپنے اپنے گھروں کو جانے سے پہلے شوالی، فوزیہ اور مسز تابش نے جلالی کی شادی کروانے کا گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔

جاتے جاتے شوالی نے کہا۔ "جلالی بھائی، بس اب ہم آپ کا گھر آباد کر کے ہی دم لیں گے۔"



"ضرور۔ ضرور۔" فوزیہ نے کہا۔

"جلالی بھائی نے اجازت دے دی ہے۔" پران بولا۔

"جادو کا محل۔ کالا دیو اور پریوں کی شہزادی۔" جلالی نے قہقہہ لگایا۔ قہقہہ لگاتے ہوئے وہ کتنا خوفناک لگتا تھا، سب ہی نے محسوس کیا لیکن اس کے قہقہے میں سبھی شریک ہو گئے۔

-------O-------

redroses@pakistanipoint.com

"ناجیہ۔"

"جی۔"

"تمہیں کوئی بلانے آیا ہے۔"

"مجھے؟"

"ہاں۔"

"کون ہے؟"

"پتہ نہیں۔ گھر سے شاید کوئی آیا ہے۔ گیٹ سے باہر ہی گاڑی کھڑی ہے۔"

"گاڑی؟"

"ہاں لال سی گاڑی ہے۔ رحمو بابا نے تو انہیں اندر گاڑی لانے کا کہا ہے لیکن وہ جلدی میں ہیں، تمہیں بلا رہے ہیں۔"

جیہ حیران حیران نظروں سے صوفیہ ارشد کو دیکھتے ہوئے کرسی سے اٹھی۔ وہ اس وقت امبر اور چیکو کو پڑھا رہی تھی۔ دونوں بچیاں میز کے دوسری طرف کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ کتابیں اور کاپیاں میز پر بکھری ہوئی تھیں۔ چیکو باتونی تھی۔ پڑھنے سے زیادہ جیہ آنٹی کو باتوں میں لگائے رکھنے میں اسے خوب مزہ آتا تھا۔ امبر سنجیدگی سے پڑھ رہی تھی اور وہ آنٹی کو اپنے کمرے میں سجائی گڑیوں اور کھلونوں کے متعلق بتا رہی تھی۔

صوفیہ جیہ کو پیغام دے کر چلی گئی۔ وہ اس وقت کچن میں کام کر رہی تھی۔ چند مہمان رات کے کھانے پر مدعو تھے، اس لیے جیہ کی حیرانی پر غور کیے بغیر پیام دے کر چلی گئی۔

"کون ہو سکتا ہے؟" جیہ نے دل ہی دل میں سوچا۔ بھائیوں میں سے تو کوئی



ہو نہیں سکتا تھا۔ ابھی ابھی تو وہ گھر سے آئی تھی۔ سلیمان، امجد اور ریحان تو فلم پر گئے ہوئے تھے۔ اسد گھر پہ تھا لیکن اس کے پاس لال گاڑی؟

وہ سوچتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔

"کتابیں بند کر دیں آنٹی؟" چیکو نے جلدی سے کہا۔

"نہیں...... سبق دیکھو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" جیہ نے کہا۔

"آنٹی لال گاڑی آپ کو لینے آئی ہے؟" چیکو نے پوچھا۔

"تم چپ نہیں رہ سکتیں۔" امبر نے جیہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی چیکو کو ٹہوکا دیا۔

"میں آتی ہوں۔" جیہ اپنا دوپٹہ شانوں پر پھیلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ برآمدے سے اندرونی سڑک پر اترتے ہی سلاخوں والے گیٹ کے باہر کھڑی لال موٹر پر نظر پڑی۔ اسے اپنی دوست سائرہ کا خیال آگیا لیکن سائرہ یہاں کیوں آنے لگی۔

دل ہی دل میں سوال و جواب کرتے وہ گیٹ کی طرف آئی۔

"آپ کے گھر سے کوئی صاحب بلانے آئے ہیں۔" رحمو بابا کیاریوں کے قریب پودوں کو پانی دے رہا تھا، اسے دیکھ کر بولا۔

"نام نہیں بتایا؟" اس نے پوچھا۔

"نوید صاحب۔" رحمو نے بتایا۔

"نوید!" جیہ کا دل تھم گیا۔ اس کے قدم وہیں جیسے فرش پر گڑ گئے۔

"نوید کیوں آیا ہے......؟؟؟

کیوں آیا ہے......؟؟

کیوں آیا ہے......؟"

اس کے ذہن میں کھلبلی سی مچ گئی۔

نوید نے شاید اسے رحمو کے پاس کھڑے دیکھ لیا تھا۔ اس نے گاڑی کا ہارن بجایا۔

جیہ چونکی...... سر اٹھا کر اس نے گیٹ کی طرف دیکھا۔ گاڑی میں نوید ہی تھا۔

مجھے جانا چاہیے یا نہیں؟

ذہن میں ابھرنے والے اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ وہ کھڑی رہی، ہارن پھر ہوا۔

"کیا بات ہے بی بی؟" رحمو فوارہ رکھ کر کمر سیدھی کرتے ہوئے بولا تو جیہ گھبرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "کچھ نہیں۔"

اور

پھر

اس کے قدم آپوں آپ گیٹ کی طرف اٹھ گئے۔

نوید نے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر پریشانی اور تفکر کے سائے تھے۔ گہری گہری نیلگوں آنکھوں میں اداسی کی تاریکی گھلی ہوئی تھی۔

وہ دکھ بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "آؤ۔" جیہ نے اس پر اک بھرپور نگاہ ڈالی۔ وہ گاڑی کے کھلے دروازے کے قریب کھڑی تھی۔ پیازی کپڑوں کے باوجود اس کا رنگ بے رنگ ہو گیا تھا۔ اس کا دل بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس کے سارے وجود میں جیسے چیونٹیاں رینگنے لگی تھیں۔

"آؤ بھی۔" نوید کے دکھی لہجے میں منت تھی۔

"کیوں؟" جیہ کے لبوں سے نکلا۔

نوید نے اک ٹھنڈی گہری سانس لی۔ زخمی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے جیہ سے کہا۔ "اس کیوں کا کوئی جواز ہے؟"

"بالکل۔" جیہ سنبھل چکی تھی۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"کہنے کو اب رہا ہی کیا ہے۔ کہنے والوں نے تو سب کچھ کہہ ہی دیا ہے۔"

"جیہ خدا کے لیے۔" وہ کرب کی بھٹیوں میں جلتے ہوئے بولا۔ "میری بات بھی تو سنو۔"

"تم کیا کہو گے اور تمہارے کہنے کی وقعت کیا ہو گی؟" جیہ نے جی کڑا کر کے



کہا۔ "جبکہ تم جانتے ہو کہ ہمارے حالات کچھ کہنے کے قابل رہے ہی نہیں۔"

"اوہ خدایا۔ ہم دونوں مل کر کوئی ترکیب تو نکال سکتے ہیں۔ ہمارے والدین سگے رشتے دار ہیں۔ خون کے رشتے ہیں۔ یہ ٹوٹ بھی جائیں تو قائم رہتے ہیں۔ ہم دونوں کچھ سوچیں تو......"

وہ بڑے طنز سے ہنسی۔

"جیہ تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ چلو۔"

"کہاں؟"

"کہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"کہیں بھی بیٹھ کر ہم دلجمعی سے سوچ سکتے ہیں۔ کوئی ترکیب نکال سکتے ہیں۔"

"یہ کام تم اکیلے بھی کر سکتے ہو۔"

"نہیں جیہ...... میرا دماغ ماؤف ہو چکا ہے۔ مجھے کچھ نہیں سوجھتا۔ امی اور بہنیں میرا رشتہ طے کر رہی ہیں۔"

جیہ نے تند نظروں سے اسے دیکھا اور تمسخر سے بولی۔ "رشتہ طے کر رہی ہیں اور تم یہ رشتہ قبول کرنے پر مجبور ہو۔"

"اوہ......" اس نے سٹیرنگ کو سختی سے ہاتھوں میں پکڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔

"نوید تم چلے جاؤ۔" جیہ نے کار کا دروازہ چھوڑ دیا۔

"جیہ پلیز۔"

"میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔"

"خدا کے لیے اتنی کٹھور نہ بنو۔ یہ ہماری زندگی کی خوشیوں کا معاملہ ہے۔"

"میں ایسی کوئی خوشی نہیں بٹوروں گی جس کے لیے مجھے خاندان اور رسم و رواج کی حد بندیوں کو توڑنے کی ترغیب ملے۔"

"جیہ...... تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہیں۔ میں

تمہیں بھگا کر نہیں لے جا رہا...... اغوا نہیں کر رہا۔ صرف دلجمعی اور سکون سے بیٹھ کر سوچنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ شاید ہم کوئی راستہ نکال سکیں۔ حالات کا رخ موڑ سکیں۔"

"یہ کام تم اکیلے ہی سرانجام دے سکتے ہو۔"

"کیونکر......"

"اپنی خواہش، اپنی خوشی اور اپنی مرضی کا اظہار کر دو اپنے والدین اور بہنوں کے سامنے، پھر اس اظہار پر سنگلاخ چٹان کی طرح ڈٹے رہو۔" وہ بولی۔

نوید ٹکر ٹکر جیہ کا منہ تکنے لگا۔

جیہ تلخی سے مسکرائی۔ "نہیں کر سکتے نا یہ کام؟"

"جیہ۔"

"بے چارگی کا لبادہ اوڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ نہیں جاؤں گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ محبت کیا ہوتی ہے اور اس کے آداب کیا ہوتے ہیں لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ والدین کی کیا عزت ہوتی ہے اور اسے جان سے زیادہ عزیز رکھنے کے آداب کیا ہوتے ہیں۔ اگر تم یہ توقع لے کر آئے ہو کہ میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔ والدین کی عزت اور وقار پر ضرب لگاتے ہوئے تمہارے والدین سے پیار کی بھیک مانگوں گی تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔"

"جیہ۔"

"تم بزدل ہو۔ والدین اور بہن بھائیوں کے سامنے مرد ہو کر زبان ہلانے کی جرأت تمہیں نہیں۔ اپنی خواہش کے اظہار کی ہمت نہیں تو پھر یہاں کس لیے آئے ہو؟"

"تم بے رحم ہو۔"

"میرا رویہ نامناسب نہیں۔"

"نہیں چلو گی میرے ساتھ؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تم تقدیر پر نامرادی کی مہر خود ہی لگا رہی ہو جیہ۔"



"میں ایسا نہیں سوچتی۔ ہاں مجھے تمہاری ذہنیت سے کوفت ضرور ہوئی ہے۔"

نوید کو جیہ پر غصہ آ گیا۔ وہ تو کتنی امیدیں لے کر اس کے پاس آیا تھا۔ اس دن دیوار کے پار سے بھی اس نے جیہ کو آواز دی۔ رات کو چھت پر آنے کا بھی اسی لیے کہا تھا کہ دونوں ذہن مل کر کوئی صورت وضع کر سکتے تھے لیکن اس رات بھی وہ چھت پر نہ آئی تھی۔ آج وہ اپنے دوست کی گاڑی مانگ کر لایا تھا۔ جیہ کو شہر سے دور کسی سنسان گوشے میں لے جانا چاہتا تھا جہاں پوری یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ حالات کا جائزہ لینا تھا لیکن جیہ نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ صرف انکار ہی نہیں، جلی کٹی بھی سنا رہی تھی۔

اسے جیہ بے انتہا عزیز نہ ہوتی تو شاید وہ کب کا یہاں سے چلا گیا ہوتا لیکن وہ جا نہ سکا۔ گیٹ کے قریب گاڑی روکے وہ جیہ سے التجا بھرے لہجے میں ساتھ چلنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

سڑک پر اتنی آمدورفت نہ تھی۔ بڑی سڑک سے کٹ کر نکلنے والی یہ سڑک چالیس پچاس فٹ کی چوڑی سڑک تھی جس کے دونوں طرف نئی طرز کے خوبصورت بنگلے بنے ہوئے تھے۔ بنگلوں کے اندر پھولوں سے بھرے لانوں میں بچے کھیل رہے تھے۔ کہیں عورتیں بیٹھی تھیں۔ کہیں نوکر گھوم پھر رہے تھے۔ سڑک پر اِکا دُکا ہی لوگ تھے۔ زیادہ لوگ ہوتے تو شاید جیہ جو بڑی محتاط تھی، چند لمحے بھی یہاں کھڑی نہ رہتی۔

گھروں میں حالات جس طرح پک رہے تھے۔ لاوا ایک نہ ایک دن بہہ نکلنا تھا۔ جیہ نے تو اپنے آپ کو ذہنی طور پر نوید سے جدا کر لیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ چچی بے حد ضدی ہیں اور ان کی بیٹیاں دولت مند گھروں سے بھابیاں لانے کو بے تاب ہیں۔ دولت نے تفاوت پیدا کر دی ہے اور اب دونوں گھرانوں کے ملنے کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ اس کے والدین کے پاس دولت نہ تھی۔ انا تو تھی اور وہ جانتی تھی کہ سب گھر والے انا کے معاملے میں بے حد حساس ہیں۔

"نہیں چلو گی۔" کئی لمحوں کے بعد نوید نے جھنجلاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

جیہ نے نفی میں سر ہلا دیا اور اس کی آنکھوں میں دھندسی اتر آئی۔ "ہم کوئی غیر نہیں، چچا زاد بھی ہیں۔" نوید نے اسے راغب کرنے کو بڑے دکھ سے کہا۔

"نوید غیرت کی دیواریں بہت اونچی اٹھ چکی ہیں۔ میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی جس کے لیے مجھے یا میرے گھر والوں کو نادم ہونا پڑے۔"

"تو گویا تم نے حالات کے سامنے سپر ڈال دی ہے۔"

"اس کے سوا......" اس کی آواز گھٹ گئی لیکن گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ "میں کچھ کر بھی تو نہیں سکتی۔ تمہارے ساتھ جانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔"

"تو پھر...... پھر کیا ہوگا؟"

"وہی جو تمہارے گھر والے چاہیں گے۔ اس لیے کہ تم ان سے ٹکرانے کی ہمت نہیں رکھتے۔ ویسے ہمت کر بھی لو، جب بھی کچھ نہیں ہوگا۔"

"تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتیں۔ شاید میں نے تمہیں سمجھنے کی غلطی کی تھی۔"

"ممکن ہے۔" اس نے بڑے تحمل سے کہا۔ نوید اس کی دھندلائی سیاہ آنکھوں کو دیکھ کر بے چین ہو گیا۔

"تم بے وقوف لڑکی ہو۔" وہ جھلا کر بولا۔

جیہ دھندلائی آنکھوں سے نوید کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دی۔

"جیہ۔ تم ضد نہ کرو۔ اس سے نقصان ہم دونوں کو پہنچے گا۔"

جیہ نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے اسے دیکھا۔ "کیا تم اب تک پر امید ہو۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ دونوں گھرانوں کے درمیان آہنی دیواریں اٹھ چکی ہیں۔ زبانوں کے گھاؤ اتنے گہرے لگائے جا چکے ہیں کہ ان کے مندمل ہونے کی صورت نہیں رہی۔ فیصلے ہو چکے ہیں اور تم نہیں جانتے کہ یہ فیصلے کتنے سنگین ہیں۔"

"پھر...... پھر ہم کیا کریں جیہ......"

"تقدیر پر شاکر ہو جاؤ۔"

"تم ہو چکی ہو؟"

"ہاں۔"



"میں نے تمہیں شاید ہمیشہ سے غلط ہی سمجھا تھا۔"

"سمجھنے نہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے نوید۔"

"نہیں چلو گی میرے ساتھ؟"

"نہیں۔"

"فیصلہ اٹل ہے؟"

"چٹان کی طرح۔"

"تم مجھے کھو دینے پر تلی ہو۔ ذرہ بھر متاسف نہیں ہو۔"

وہ نوید کی بات سن کر ہنس پڑی لیکن یوں کہ آنکھوں کے گوشے بھی گیلے ہو گئے۔

"میں چلا جاؤں۔"

"جاؤ۔"

"سوچ لو، جانا ہمیشہ کا جانا ہوگا۔"

جیہ نے گھبرا کر نوید کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر سختی تھی۔ آنکھوں میں غصے کی جھلک تھی۔

وہ تلخی سے بولا۔ "مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔ خیر...... اس ہٹ دھرمی اور ضد کا مجھے تو......"

وہ چند ثانیے رکا۔ پھر گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو پڑھی لکھی، اچھی لڑکی مل ہی جائے گی، تمہیں......" جیہ کو اکسانے کے لیے اس نے آخری داؤ استعمال کیا۔

لیکن جیہ کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو گیا۔ کار کا کھلا دروازہ اس نے اتنے زور سے دے مارا کہ اس کے بند ہونے کی آواز دور تک گئی۔ غصے سے کپکپاتی آواز میں بولی۔ "تم بھی اپنے گھر والوں سے مختلف نہیں ہو۔ پڑھی لکھی اچھی سی لڑکی مبارک ہو۔ میری فکر نہ کرو۔" وہ پلٹی۔

"جیہ۔" نوید نے اس کے غصے سے مرعوب ہو کر ندامت آمیز لہجے میں پکارا۔

لیکن

اس نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔

تیز تیز قدم اٹھاتی اندر چلی گئی۔ ہاں کئی بار اس کے ہاتھ اٹھے۔ وہ شاید اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھی۔

-------O-------



"ہائے کتنی خوش قسمت ہو فوزیہ جو اس سال بھی پاکستان جا رہی ہو۔"

مسز تابش نے کرسی گھسیٹ کر شیشے کی کھڑکی سے در آنے والی دھوپ کی زد میں کرتے ہوئے کہا۔

"واقعی۔" شوالی بولی۔ "یہاں آکر ہر سال گھر جانے کا موقع مل جائے تو انسان واقعی خوش نصیب ہے۔"

"یہاں دنیا کی ہر مسرت مل جاتی ہے، ہر آسائش، ہر سہولت۔" نیتو نے کہا۔

"لیکن گھر والوں کی یاد بہت بے چین کرتی ہے۔ کبھی کبھی تو جی ایسا اچاٹ ہوتا ہے کہ اڑ کر واپس اپنے دیس، اپنے گھر والوں کے پاس پہنچنے کو چاہتا ہے۔"

"کب جا رہی ہیں فوزیہ؟" جگو نے پوچھا۔ فوزیہ جو خوشی سے کسی تتلی کی طرح اٹھلاتی پھر رہی تھی، جگو کی کرسی کی پشت پر جھکتے ہوئے اس کی گردن میں بازو حمائل کرتے ہوئے بولی۔ "چوبیس کو۔"

"یعنی اسی ہفتے۔" جگو نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے گردن موڑ کر پوچھا۔

"ہاں۔" فوزیہ اس کی گردن سے ہاتھ نکالتے ہوئے شوالی کے پاس والی خالی کرسی پر آ بیٹھی۔

آج فوزیہ رفیق کے ہاں کافی پارٹی تھی۔ ساری خواتین اپنے کام جلدی جلدی نپٹا کر آن پہنچی تھیں۔ کافی پارٹیاں ان لوگوں کا معمول تھا۔ وقت گزاری کا اس سے بہتر طریق اور کوئی نہ تھا۔ ہفتے میں دو ایک بار مل بیٹھنے سے بڑا سکون ملتا تھا۔ فوزیہ کو اپنی بہن اور نند کی شادیوں کے سلسلے میں پاکستان جانا تھا۔ پچھلے سال وہ اپنی ساس کی فوتیدگی پر

گئی تھی۔ ہر سال کسی نہ کسی طرح وہ چلی جاتی تھی۔ میاں کی آمدن اتنی تھی کہ وہ اسے بھیج سکتا تھا۔ یوں بھی سلجھی ہوئی عورت تھی۔ ہر سال اتنا پس انداز کر لیا کرتی کہ اپنا آنے جانے کا ٹکٹ خریدنا اس کے لیے مشکل نہ ہوتا تھا۔ باقی عورتیں اس پر رشک کر رہی تھیں۔ مسز تابش تو پندرہ سال سے یہاں مقیم تھیں اور صرف تین چار دفعہ پاکستان جا سکی تھیں۔ ویسے اس کے ماں باپ تھے نہ کوئی بہن بھائی، اس لیے اسے پاکستان جانے کی کچھ ایسی لگن بھی نہ تھی۔ شوالی کا جی چاہتا تھا لیکن ان کے پاس اس عیاشی کے لیے پیسے نہ تھے۔ یہی حال جگو اور نیتو کا تھا۔ پر ان تو ابھی تعلیم بھی حاصل کر رہا تھا۔ نیتو کو پیسہ کمانے کے لیے ایک سٹور کی شام کی شفٹ میں کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ دونوں کا بمشکل گزارہ ہو رہا تھا اور ابھی دو سال انہوں نے ایسے حالات سے دوچار رہنا تھا۔

فوزیہ کافی بنا لائی۔ ساتھ اپنے ہاتھوں کا بنایا ہوا گاجر کا حلوہ...... شامی کباب بھی تھے اور رس گلے بھی۔

باتوں کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کا شغل بھی چلنے لگا۔

”ہاں تو فوزیہ یاد آیا۔“ شوالی شامی کباب پر ٹماٹو کیچپ ڈالتے ہوئے بولی۔

”کیا؟“

”وہ جلالی والی بات۔“

”ٹھیک ہے، کوشش پوری پوری کروں گی۔ شکر ہے جلالی مان گئے۔“

”تھوڑا سر پٹکا میں نے اور تابش نے۔“ مسز تابش نے کہا۔

”میرا حصہ بھی تو ہے انہیں منانے میں۔“ شوالی چہکی۔

”اب خدا کرے کام بن جائے۔“ فوزیہ نے دعائیہ انداز میں کہا۔

”کیوں نہ بنے گا......“ شوالی کافی کی نازک سی پیالی اٹھانے کو جھکی۔ ”پاکستانی لڑکیوں کو امریکہ آنے کا کریز ہے۔ آپ وہاں جا کر دیکھیں تو سہی۔ ایک کیا دس لڑکیاں اس شادی پر آمادہ ہوں گی۔“

”واقعی شوالی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔“ جگو نے کہا۔ ”پچھلے سال جب میں پاکستان گئی تھی نا تو میری تین کزنز امریکہ آنے کو کوشاں تھیں۔ وہ تو کہتی تھیں، باجی



ہمیں نوکرانی بھرتی کر کے لے جائیں۔“

”ان کا پتہ بھی دے دو۔“ فوزیہ نے کہا۔ ”ممکن ہے کوئی جلالی سے شادی پر آمادہ ہو ہی جائے۔“

”خوب یاد دلایا آپ نے، ضرور ملیے گا ان سے فیصل آباد جانا پڑے گا آپ کو۔“

”میری نند کی شادی فیصل آباد ہی ہو رہی ہے۔“

”پھر تو بات بن ہی گئی......“

”لیکن؟“

”کیا؟“

”ایک بات پوچھتی ہوں۔ سب رائے دیں۔“ فوزیہ نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔ مسز تابش نے پیالی میز پر رکھ دی۔ شوالی بھی متوجہ ہوئی۔ نیتو اپنے کٹے ہوئے بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ جگو اس کے قریب والے خالی سٹول پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”کہیے۔“

”جلالی کو شادی پر آمادہ کر کے ہم نے بہت بڑی ذمہ داری لی ہے۔“ فوزیہ نے کہا۔

”بالکل۔“

”جلالی نے مجھ سے کہا ہے کہ ان کے متعلق پوری سچائی اور ایمانداری سے سب کچھ لڑکی اور ان کے گھر والوں کو بتا دوں۔ وہ نہیں چاہتے کہ شادی کے معاملے میں ان کی کوئی بات چھپائی جائے۔“

”سوائے شکل و صورت کے چھپانے کے بات ہی کیا ہے۔“ شوالی نے کہا۔

”وہ چاہتے ہیں، یہ بات بھی میں لڑکی والوں پر واضح کر دوں۔“ فوزیہ بولی۔

”ہاں، ہمیں بھی جلالی نے یہی کہا تھا بلکہ آمادہ ہی وہ یہ اقرار لینے کے بعد ہوئے تھے۔“

”اور یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔“ شوالی سوچتے ہوئے بولی۔ ”میرے خیال میں اگر آپ نے جلالی کی تصویر کسی کو دکھا دی تو......“

شوالی مایوسی کے عالم میں سر ہلانے لگی۔

"لڑکیوں کے تو ویسے بھی آئیڈیلز ہوتے ہیں۔" جگو بولی۔ "خاص کر پاکستانی لڑکیوں کے تو آئیڈیلز حسین ترین، مالدار نوابزادے ہی ہوتے ہیں، ہیرو بس۔"

"یہی تو مشکل ہے۔" فوزیہ نے نئی پیالی میں کافی انڈیلتے ہوئے سر ہلایا۔

"بھئی واقعی کام کٹھن ہے۔" مسز تابش بولیں۔

سب اپنی اپنی فکر و سوچ کے مطابق رائے دینے لگیں۔ کافی کا دور چلتا رہا اور باتیں ہوتی رہیں لیکن صحیح اور قابل قبول رائے نہ مل سکی۔ سب کا خیال تھا کہ اگر جلالی کی بدصورتی کا پوری سچائی سے اعتراف کر لیا گیا تو کوئی لڑکی ان کو اپنا شریک زندگی بنانے پر آمادہ نہ ہو گی۔ "تو پھر......" فوزیہ سوچتے ہوئے بولی۔

"آپ تصویر ساتھ نہ لے جائیں۔" مسز تابش نے کہا۔

"لڑکی والے اندھا اعتقاد کیسے کریں گے، تصویر تو دکھانا ہی پڑے گی۔" فوزیہ بولی۔

"کسی حکمت عملی سے کام لیں نا۔"

"تم ہی بتاؤ شوالی۔"

"بس گول مول لفظوں میں کہہ دیں کہ لڑکا خوبصورت نہیں ہے۔"

"دولت کا چارم بہت ہے اور پھر جلالی کے پاس کس چیز کی کمی ہے۔"

"یہ بات تو ہم لوگ ہی جانتے ہیں نا۔"

"بھئی ان کا اخلاق اور کردار بھی تو دیکھیں۔"

"جواب نہیں۔"

"بس آپ سارا زورِ بیان ان کی دولت، ان کے حسن اخلاق اور ان کے بہترین کردار پر صرف کر دیں۔ کوئی نہ کوئی راضی ہو جائے گا۔ پھر شکل و صورت تو اللہ نے بنائی ہے۔ آپ ذرا اس پہلو پر بھی زور دیجیے۔"

شوالی کی رائے پر سب ہنس پڑیں لیکن بالآخر معقول تھی۔ سب کو اس بات پر متفق ہونا پڑا۔



"ایک بات اور میرے ذہن میں آئی ہے۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد شوالی نے اچھلتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" سب نے پوچھا۔

"فوزیہ آپ یوں کریں۔" شوالی اپنی جیکٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے بولی۔ "کوئی تصویر ساتھ لے جائیں۔"

"کیا مطلب؟"

"کسی عام سی شکل و صورت کے آدمی کی تصویر ساتھ لے جائیں۔"

"اس کا کیا کروں گی؟"

"اگر لڑکی والے تصویر پر اصرار کریں تو کہہ دینا تصویر سامان میں ادھر ادھر ہو گئی ہے۔ پھر وہ تصویر جو ساتھ لے جائیں گی، دکھا کر کہیے گا، بس ایسی ہی ہے شکل و صورت اس کی۔"

"نہیں بھئی۔ یہ تو دھوکہ دینے والی بات ہوئی۔"

"دھوکہ ہرگز نہیں۔"

"تو اور کیا ہے؟"

"آپ نے یہ تھوڑا ہی کہنا ہے کہ یہ جلالی ہے۔ آپ تو کہیں گی بس اس سے اس کی شکل ملتی جلتی ہے۔ یہ دھوکہ کیسے ہوا۔ تصویر آپ کو میں دے دوں گی۔ منصور کے البم میں اس کے ایک بدصورت سے دوست کی تصویر ہے۔"

"بدصورت......" سب نے قہقہہ لگایا۔

"بھئی جلالی سے زیادہ بدصورت نہیں۔" شوالی بولی۔ "آپ نے لڑکی والوں کو بس اندازہ ہی تو کروانا ہے۔ ویسے سائیڈ پوز کچھ کچھ جلالی سے ملتا بھی ہے اس کا۔"

سب شوالی کی تجویز پر اپنی رائے کا اظہار کرنے لگیں۔ پہلے تو سب نے کہا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے لیکن جب شوالی نے ایک لمبی چوڑی تقریر اس بات کے حق میں کرتے ہوئے کہا۔ "اگر یوں نہیں ہو سکتا تو پھر جلالی کی شادی بھی نہیں ہو سکتی۔ بہتر ہے معاملہ یہیں ڈراپ کر دیں۔"

"جلالی کب مانیں گے؟" مسز تابش نے کہا۔

"انہیں بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ مقصد تو ان کی شادی کروانا ہے۔ شادی ہو جائے، لڑکی یہاں آجائے بس...... یہاں جلالی کا گھر بار، دولت اور اخلاق دیکھے گی تو اپنی قسمت پر رشک کرے گی۔"

"کہتی تو تم ٹھیک ہو۔"

"کبھی غلط بھی کہی ماہ دولت نے؟" شوالی اپنی ریڈ پینٹ اونچی کرتے ہوئے کھڑی ہوئی۔

سب ہنسنے لگیں۔

یہ بات طے پا گئی۔ شوالی نے تصویر فوزیہ کو دینے کا وعدہ کر لیا۔ ساری خواتین پورے خلوص سے جلالی کا گھر آباد کرنے پر خوشی کا اظہار کرنے لگیں۔ دوسری شام سب جلالی کے ہاں جمع تھے۔ آج جیکسن اور مسز جیکسن بھی آئے تھے۔ جلالی کی شادی کا سارا معاملہ طے کرنا تھا۔ فوزیہ کے پاکستان جانے میں صرف تین دن باقی تھے۔

"اگر رشتہ مل جائے تو پھر کیا کروں؟" فوزیہ نے باتوں کے دوران پوچھا۔

جلالی کی حالت عجیب تھی، ہچکچا رہا تھا۔ کبھی مسکرانے لگتا اور کبھی بالکل سنجیدہ ہو جاتا۔

"فون کر دیں۔" شوالی نے جھٹ سے کہا۔

"وہ تو کروں گی، میرا مطلب ہے اس کے بعد؟" فوزیہ نے کہا۔

"فون پر نکاح۔" منصور بولے۔

جلالی نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلا۔

"اس کے بعد؟" فوزیہ نے کہا۔

"اس کے بعد جلالی جانیں...... ویزا بھیجیں، ٹکٹ بھیجیں اور دلہن کو بلا لیں۔" تابش نے ہنس کر کہا۔

جلالی عالم اضطراب میں اٹھ کر ٹہلنے لگا...... ہاتھ مسلتے ہوئے بولا۔ "کیوں کسی غریب کا نصیبہ پھوڑنے کا تہیہ کر لیا تم لوگوں نے؟"



"حد ہو گئی۔" شوالی نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور پھر بڑی دلیری سے بولی۔ "جلالی بھائی آخر آپ کو اس قدر کمپلیکس کیوں ہے؟ اگر آپ کی شکل وصورت اچھی نہیں تو کیا ہوا؟ آپ کے پاس بے انتہا دولت ہے۔"

جلالی نے اک گہری سانس لیتے ہوئے کرب زدہ نظروں سے شوالی کو دیکھا۔

"ہاں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ایک چیز کی کمی ہے تو دوسری چیز کی افراط بھی تو ہے۔ بیلنس برابر ہو جاتا ہے۔"

جلالی نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا تو منصور، تابش اور جیکسن شوالی کی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے دلائل دینے لگے۔

گھنٹہ بھر مغزماری کی جاتی رہی۔ جلالی کو سب نے قائل تو کیا کیا، گھیر گھار کر ہامی بھروالی۔

دوسرے دن اس نے بیس ہزار ڈالر کی مالیت کے ایئررنگ، انگوٹھی اور لاکٹ خریدے۔ اس کے علاوہ وہاں شادی کے سلسلے میں خرچ کرنے کے لیے بھی ایک بڑی رقم فوزیہ کو دی۔ باقی سب کچھ فوزیہ پر چھوڑ دیا۔

فوزیہ پر کیا۔

تقدیر پر چھوڑ دیا۔

-------O-------

تانیہ مسز ارشد سے ملنے آئی تھی۔ ویسے بھی جیہ نے دو دن کی چھٹی کرنا تھی۔ تانیہ کو مسز ارشد کے پاس اس نے ہی بھیجا تھا تاکہ انہیں چھٹی کا بتا آئے۔ صوفیہ ارشد کی تانیہ سے اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ تانیہ کو بھی دکھ سکھ کے لیے ایک ہمدرد دوست کی ضرورت تھی۔ جب بھی موقع ملتا، وہ یہاں آ کر دل کی بھڑاس نکال لیتی۔

آج تانیہ آئی تو مسز صوفیہ ارشد کے ہاں کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔

"صوفیہ گھر پر ہیں؟" تانیہ نے برآمدے میں کھڑے کھڑے رحمو بابا سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" رحمو بولا۔

"کچھ لوگ آئے ہوئے لگتے ہیں؟" تانیہ نے اندر سے آنے والی آوازوں سے اندازہ لگایا۔

"جی۔ بیگم صاحبہ کی بہن امریکہ سے آئی ہیں، دوسری بہن کراچی سے۔ بچے وغیرہ بھی ہیں۔"

"پھر تو وہ مصروف ہوں گی؟" تانیہ نے کہا۔

"آپ ان سے مل لیں۔" رحمو بابا نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا۔ تانیہ نے واپس جانے کا سوچا لیکن اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی بغلی دروازے سے مسز ارشد نکل آئیں۔ اس کے ہاتھ میں گلدان تھا اور وہ شاید ڈرائنگ روم میں ہی رکھنے جا رہی تھی۔

"ہیلو تانیہ...... کیا حال ہے۔ بہت دنوں بعد آئیں؟" اس نے بڑے تپاک سے کہا۔

"فرصت ملی تو چلی آئی۔ ویسے میں واپس جانے کا سوچ رہی تھی۔ آپ کے



مہمان آئے ہوئے ہیں، بہتر ہے میں واپس چلی جاؤں۔"

"دماغ ٹھیک ہے۔"

تانیہ ہنس پڑی۔

"چلو آؤ اندر۔ ایک تو اتنے دنوں بعد آئیں۔ اس پر واپس جانے کا سوچنے لگیں۔ کیا دوستی کے یہی تقاضے ہیں۔ چلو آؤ، میری باجی امریکہ سے آئی ہوئی ہیں۔ ان سے ملواؤں تمہیں، چھوٹی بہن بھی آئی ہوئی ہے۔" وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ ہاتھوں میں پکڑا ہوا گلدان ایک کونے میں رکھا اور تانیہ کو لے کر ٹی وی لاؤنج میں آ گئی جہاں فوزیہ رفیق بیٹھی تھی اور رافیہ اپنی چھ ماہ کی سرخ و سپید گول مٹول سی بچی کو فیڈر سے دودھ پلا رہی تھی۔

"میری دوست تانیہ۔" صوفیہ نے دونوں بہنوں سے کہا۔ پھر تانیہ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "ان سے ملو تانیہ۔ یہ میری باجی ہیں فوزیہ رفیق، امریکہ سے آئی ہیں۔"

تانیہ نے سر کو قدرے خم کر کے انہیں سلام کیا۔

"اور یہ میری چھوٹی بہن ہیں رافیہ احمد۔ کراچی سے آئی ہیں۔"

رافیہ نے تانیہ کو سلام کیا۔

تانیہ درمیانی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"چائے لاؤں یا کافی؟" صوفیہ نے سب سے پوچھا۔

"کافی؟" رافیہ نے کہا اور پھر تانیہ اور فوزیہ سے پوچھا۔ "آپ کافی پینا پسند کریں گی۔"

دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

صوفیہ نے تانیہ کے قریب بیٹھتے ہوئے کچن میں کام کرنے والے ملازم اکرم کو آواز دی۔

"جی صاحب۔" وہ صافی سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کچن کے دروازے میں آ گیا۔

"کافی بنا لاؤ۔" صوفیہ نے کہا۔

"اچھا صاحب۔" اس نے جواب دیا۔

"جلدی۔" صوفیہ نے کہا۔

"ابھی لایا صاحب۔" اس نے جواب دیا اور کچن میں چلا گیا۔ وہ سب باتیں کرنے لگیں۔

"کیا ٹھاٹھ ہیں تم لوگوں کے۔" فوزیہ نے مسکرا کر کہا۔ "بیٹھے بیٹھے حکم چلایا اور کام ہو گیا۔"

"وہاں آپ کو سارے کام خود ہی کرنے پڑتے ہیں؟" تانیہ نے پوچھا۔ "جی ہاں، سارے کام۔" فوزیہ بولی۔

"سہولتیں بھی تو وہاں جو آپ کو ہیں، یہاں تو نہیں۔ ہر کام آٹومیٹک۔" رافیہ بولی۔

"پھر بھی کام تو کرنا پڑتا ہے۔ صفائی، برتن دھونے، کپڑے دھونے، کھانا بنانا۔ سب کچھ خود ہی کرنا پڑتا ہے۔"

"صفائی کے لیے ویکیوم کلینر، برتن دھونے کے لیے ڈش واشر، کپڑے دھونے کے لیے واشنگ مشین اور کھانا...... ہر چیز بنی بنائی۔ بس اون میں رکھی...... اور بس۔" صوفیہ نے ہنس کر کہا۔

"ہمارے کام ہی اور نوعیت کے ہوتے ہیں۔" رافیہ بولی۔ "برتن دھونا ہی اتنا بڑا مسئلہ ہے۔ ملازم نہ ہو تو سارا دن برتن ہی دھوتے رہو۔"

"کاموں کی نوعیت میں فرق سہی لیکن تم لوگ ملازموں پر بہت ہی انحصار کرتی ہو۔ کام ان پر ڈال دیا اور خود بیکار وقت ضائع کرتی رہتی ہو۔ کوئی تعمیری کام ہی کیا کرو۔" فوزیہ نے کہا۔

"وقت ملتا ہی کہاں ہے باجی۔ گھر کے کام ہی ختم نہیں ہوتے۔ جب سے روبی پیدا ہوئی ہے۔ مجھے تو اپنا ہوش نہیں رہتا۔ دو بچے اس پر گھر کا کام۔" رافیہ شاکی لہجے میں بولی۔

"نوکر نہیں ہے تمہارے پاس؟" فوزیہ نے پوچھا۔



"ہے۔"

"کتنے ہیں؟"

"ڈیڑھ۔" رافیہ نے قہقہہ لگایا۔ تانیہ مسکرانے لگی اور فوزیہ ہنس پڑی۔

"کیا مطلب؟"

"ایک پورا ملازم ہے۔" رافیہ ہنستے ہوئے بولی۔ "دوسری چھوٹی سی لڑکی ہے۔ روبی کے لیے رکھی ہے۔ اس کی نیپی وغیرہ بدل لیتی ہے، دودھ بنا دیتی ہے۔ اسے اٹھا لیتی ہے بس۔"

"حد ہو گئی۔" فوزیہ بولی۔ "تم لوگ بہت سہل پسند ہو گئی ہو۔ وہاں ہمیں سارے کام خود ہی کرنے پڑتے ہیں۔ اب تو مجھے اتنی عادت ہو گئی ہے کہ بیکار بیٹھنا دشوار ہے۔ جب سے یہاں آئی ہوں، بیکار بیٹھنے سے الجھن ہوتی رہتی ہے۔"

فوزیہ وہاں کی زندگی کے متعلق باتیں کرنے لگی۔ سب بڑے شوق سے اس کی باتیں سنتی رہیں۔ اکرم کافی لے آیا۔ صوفیہ نے ٹرالی اپنے سامنے کر لی اور سب کے لیے کافی بنانے لگی۔

خوب دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔ باتوں ہی باتوں میں جلالی کے نئے گھر کا بھی ذکر آ گیا۔ اس گھر کی آسائشوں اور جدید ترین طرز کی مشینی سہولتوں کے متعلق سن سن کر سب ہی حیران ہوتی رہیں۔ ریموٹ کنٹرول تو واقعی اک عجوبہ تھا۔

"اس گھر میں وہ اکیلا ہی رہتا ہے؟" رافیہ نے حیرانگی اور رشک سے پوچھا۔

"ہاں فی الحال تو اکیلا ہی ہے۔ اس کی شادی کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے۔"

"آپ کو؟"

"ہاں بھئی، میں پاکستان آ رہی تھی۔ سب نے کہا، کوئی اچھی سی لڑکی ان کے لیے تلاش کروں۔"

"کر لی؟"

"ابھی کہاں۔ دو تین پتے وہاں سے لائی تھی۔ فیصل آباد میں ایک لڑکی دیکھنے جانا ہے۔ ایک پنڈی میں ہے۔"

"اتنا امیر کبیر آدمی تو اپنے سٹیٹس کی لڑکی ہی چاہے گا؟"

"یہ قید نہیں۔" فوزیہ بولی۔ "لڑکی اچھی ہو۔ پڑھی لکھی ہو۔"

"پھر تو آپ کو بہت لڑکیاں مل جائیں گی۔ کسی کالج میں چلی جایئے۔ ان میرڈ لیکچرارز بیسیوں کی تعداد میں ہوں گی جو اس رشتے کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گی۔ ویسے یہاں بی اے / ایم اے لڑکیوں کی کمی نہیں۔" رافیہ نے کہا۔ اور پھر اک خیال آتے ہی بولی۔ "باجی احمد کی ایک کزن ہے۔ اس کا رشتہ کروا دیں۔ بڑی اچھی لڑکی ہے۔"

"کراچی میں ہے؟"

"نہیں، یہاں ہی ہے۔ کہیں تو آپ کو لے چلوں ان کے گھر؟"

"چلیں گے۔"

تینوں بہنیں اسی کے متعلق باتیں کرنے لگیں۔ جلالی کے اخلاق، کردار اور دولت سے متعلق فوزیہ نے انہیں پوری تفصیل سے بتایا۔ تانیہ چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی۔ بے اختیار اس کا جی چاہا کہ جیہ کے متعلق فوزیہ سے بات کرے لیکن بات زبان پر نہ آسکی۔ اس نے دل ہی دل میں جیہ کو کوسا جس نے آج خواہ مخواہ چھٹی کر لی تھی۔ آج وہ ساتھ آئی ہوتی تو شاید فوزیہ اسے دیکھ کر جلالی کے لیے پسند کر ہی لیتی۔

تانو اور اس کی امی ان دنوں جیہ کے رشتے کے لیے بے حد متفکر تھیں۔ نوید کی منگنی دو ماہ پہلے بڑی دھوم دھام سے اس کی چھوٹی بہن حسینہ کی رشتہ کی نند نادرہ سے ہو چکی تھی۔ جیہ کے لیے گھر والوں کی آس نوید سے تھی۔ آپس میں جھگڑے ہونے کے باوجود سب کو یقین سا تھا کہ یہ رشتہ گھر ہی میں ہو گا لیکن نوید نے مایوس ہو کر ہتھیار ڈال دیئے تھے اور ماں باپ، بہن بھائیوں نے اپنی من مانی کر لی تھی۔ لڑکی خوش شکل تھی۔ بی اے میں پڑھ رہی تھی اور ماں باپ کی لاکھوں کی جائیداد کی اکلوتی وارث تھی۔ نوید خوش تھا یا ناخوش، یہ الگ بات تھی۔

ہاں گھر والے بے حد خوش تھے۔ منگنی پر اتنا کچھ پایا تھا کہ توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ شادی پر تو سامان دیکھنے والا ہو گا۔ سب کو یہی امید تھی، یہ بات معمولی نہ تھی لیکن دلوں کی کدورتیں دور نہ ہوئی تھیں اور تانو اور نوید اور جیہ کے دل بھی ایک دوسرے کی



کدورت اور نفرت سے بھر گئے تھے۔ یہ شاید محبت کی انتہا تھی جس نے ناکام ہو کر یہ روپ بدل لیا تھا۔ بہر حال نوید نے بھی جیہ کو جی بھر کے جلایا تھا۔ منگنی کے دن اس کے سامنے اتنے قہقہے لگائے تھے۔ اتنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اسی طرح چہکتا پھرا تھا کہ جیہ تو جیہ تانو اور دوسری بہنوں کے جی جل گئے تھے۔ ان کی امی تو تقریب ختم ہونے سے پہلے ہی اُٹھ کر گھر آ گئی تھیں۔ نوید کی ماں سنا سنا کر باتیں جو کر رہی تھیں۔ دل فگار پرچے کے لگا رہی تھیں۔ اتنی بیٹیوں کی ماں ہونا اسے دنیا کا بدترین جرم لگ رہا تھا۔

ماں بیٹیاں اکثر نوید اور اس کے گھر والوں کے رویے کا گلہ شکوہ کیا کرتی تھیں۔ جلے دل کے پھپھولے پھوڑا کرتی تھیں۔ اپنی تقدیر کو کوسا کرتی تھیں اور دعا کرتی تھیں کہ جیہ کا رشتہ نوید سے بھی اچھی جگہ ہو جائے تاکہ یہ بھی سر اٹھا کر ان لوگوں سے کہہ سکیں کہ تم نے ٹھکرایا تھا، اب دیکھو لیکن یہ صرف دعا ہی تھی۔ اس دعا کے مستجاب ہونے کی انہیں کبھی امید نہ ہوئی تھی۔ یقین کا تو سوال ہی نہ تھا۔

لیکن

آج

تانیہ کے دل میں امید کے ننھے ننھے چراغ لو دے اٹھے تھے۔

شاید

شاید

فوزیہ رفیق جیہ کو دیکھے تو جلالی کے لیے پسند کر ہی لے۔

وہ کافی کے تلخ گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے بڑی شیریں باتیں سوچنے لگی۔

اس نے صوفیہ ارشد سے اس سلسلے میں بات کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔

اور

گھنٹہ بھر بعد جب وہ اٹھی تو صوفیہ نے پوچھا۔ "جیہ دو دن نہیں آئیں گی کیا؟"

"مجھے تو کچھ ٹھیک پتہ نہیں۔ میں ابھی جا کر اسے بھیج دیتی ہوں۔ جو کچھ کہنا ہو گا، خود کہہ لے گی۔ آپ ابھی کہیں جا تو نہیں رہی ناں؟"

"نہیں، کہیں گئے بھی تو کھانے کے بعد ہی جائیں گے۔" صوفیہ نے کہا۔

تانیہ، فوزیہ اور رافیہ سے ہاتھ ملا کر خدا حافظ کہتے ہوئے باہر آ گئی۔ صوفیہ اسے باہر چھوڑنے آئی۔ تانیہ نے جیہ کے رشتہ کی بات کرنا چاہی لیکن جھجک گئی۔

"پھر کب آؤ گی؟" صوفیہ نے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں تو کل ہی آؤں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو گی۔"

"اچھا خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

"ابھی جیہ کو بھیجتی ہوں۔"

"ویسے چھٹی کر لے، کوئی بات نہیں۔"

"نہیں نہیں، وہ ابھی آ کر آپ کو بتا دے گی۔ شاید، شاید بچیوں کو کوئی کام دینا ہو۔"

تانیہ جلدی سے گیٹ کی جانب چل دی۔

اس کے ذہن میں جیہ کے لیے اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کے سوا اور کوئی خیال نہ تھا۔

صوفیہ اسے رخصت کر کے لاؤنج میں آئی تو فوزیہ نے پوچھا۔ "یہ کون تھیں؟"

"میری ایک دوست۔"

"بیمار ہیں کچھ۔"

"اوہ باجی۔ بد نصیب عورت ہے بے چاری۔ ہائے کبھی اس بے چاری کے حالات سنیں تو رونا آتا ہے۔ کتنی پیاری شکل ہے لیکن کیا حال ہو گیا ہے۔"

"بیوہ ہے؟" رافیہ نے پوچھا۔

نفی میں سر ہلاتے ہوئے صوفیہ انہیں تانیہ کے متعلق بتانے لگی۔ فوزیہ اور رافیہ بڑی متاثر ہوئیں۔

"اس کی چھوٹی بہن چیکو اور امبر کو پڑھانے آتی ہے۔ اسی کے حوالے سے



تانیہ سے میری علیک سلیک ہوئی۔"

"اس کی شادی ہو چکی ہے؟" رافیہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس کے ساتھ بھی ٹریجڈی ہوئی ہے۔" صوفیہ نے کہا۔

"کیا ہوا؟" رافیہ دلچسپی لیتے ہوئے بولی۔

صوفیہ کو تانیہ کی زبانی نوید اور جیہ کے متعلق جو علم ہوا تھا، بتا دیا۔

"سگے چچا نے رشتہ نہیں لیا؟" فوزیہ بولی۔

"ہاں...... یہ بے چارے سفید پوش اور ان کے پاس مال و دولت۔ سنا ہے کسی امیر کبیر لڑکی سے رشتہ کر لیا ہے انہوں نے۔"

"لڑکے نے بھی احتجاج نہیں کیا؟"

"ہونہہ۔ آج کل کے لڑکے مادہ پرست ہو گئے ہیں۔ راتوں رات امیر ہونے کے خواب دیکھتے ہیں اور یہ خواب امیر لڑکیوں سے شادی کر کے ہی پورا ہوتے ہیں۔" صوفیہ نے کہا۔

فوزیہ سر تاسف سے ہلاتے ہوئے بولی۔ "جیہ کیسی لڑکی ہے؟"

"بہت اچھی۔ بڑی ہی پیاری لیکن غریب ماں باپ کی بیٹی ہے جو سفید پوشی کا بھرم بمشکل رکھے ہوئے ہیں...... شاید ابھی آ جائے۔ آپ دیکھئے گا، ملیے گا۔ مجھے تو بہت اچھی لگتی ہیں یہ سب بہنیں۔"

"کتنی بہنیں ہیں؟"

"چھ......"

"اُف۔"

"ابھی ایک کی شادی ہوئی تھی، وہ بھی برباد ہو کے گھر آ بیٹھی۔"

"قابلِ رحم ہیں۔"

"بڑے شریف لوگ ہیں...... بس پیسے نے ہار دے رکھی ہے۔"

صوفیہ کچھ دیر ان لوگوں کے خلوص، محبت، شرافت اور سفید پوشی کی باتیں کرتی رہی۔

پھر فوزیہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ ”اس لڑکی کا رشتہ کیوں نہ کروادیں جلالی کے ساتھ؟“

”ہائے باجی...... بہت خوب سوچا آپ نے۔ ایمان سے لڑکی کا جواب نہیں۔ ابھی آئے گی، آپ خود دیکھ لیجئے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“

”اور وہ احمد کی کزن؟“ رافیہ نے شاکی لہجے میں فوزیہ سے کہا۔

”بھی ان سے بھی مل لیں گے۔ پہلے جیہ کو تو دیکھ لیں۔ فیصلہ تو بعد میں کریں گے۔ ویسے صوفیہ نے ان کے جو حالات بتائے ہیں نا، میرے خیال میں یہ رشتہ موزوں رہے گا۔“

فوزیہ اٹھتے ہوئے بولی۔

صوفیہ نے اکرم کو برتن اٹھانے کے لیے کہااور رافیہ بچی کو سلانے کمرے میں چلی گئی۔

-------O-------



”بھئی رافیہ مجھے تو جیہ بہت اچھی لگی ہے۔ اخلاق کی بھی اچھی ہے اور شکل وصورت توماشاءاللہ۔“

”جیسے آپ کی مرضی۔“

”احمد کی کزن۔ کیانام ہے اس کا؟“

”ثمینہ۔“

”اچھی لڑکی ہے لیکن کچھ خودسر سی لگتی ہے۔“

”بہت لاڈلی ہے۔“

”ایسی لڑکی جلالی کے حالات سے مطابقت نہ کرسکے گی۔“

”یہ تو آپ بہتر سمجھ سکتی ہیں۔“

دونوں بہنیں باتیں کررہی تھیں۔ فوزیہ آئرن بورڈ پر اپنی ساڑھی پھیلائے استری کررہی تھی اور رافیہ اپنے بیٹے کے کپڑے بدل رہی تھی۔

”صوفیہ۔“ فوزیہ نے کوریڈور میں کھڑی صوفیہ کو پکارا۔

”جی باجی۔“

”بھئی چلوگی آج؟“

”کہاں باجی؟“

”بھول گیا۔ جیہ کے ہاں نہیں جانا۔“

”آپ نے فیصلہ کرلیا؟“

”بہت اچھی لڑکی ہے اور پھران لوگوں کے گھریلو حالات، بہت موزوں ہے۔“

”موزوں ترین کہیے۔“ صوفیہ بولی۔

redroses@pakistanipoint.com

"جلالی بھی لاکھوں میں ایک ہے۔ صرف ایک ہی کمی ہے اس میں۔" فوزیہ ہاتھ روک کر بولی۔

"کیا؟" رافیہ اور صوفیہ نے چونک کر فوزیہ کی طرف دیکھا۔ فوزیہ استری ساڑھی پر پھیرتے ہوئے بولی۔ "شکل وصورت اچھی نہیں۔"

"بدصورت ہے؟"

"ہاں۔"

"تو کیا ہوا۔" رافیہ ایک دم بولی۔

"کیا بہت ہی بدشکل ہے؟" صوفیہ نے پوچھا۔

"بس...... ہے ہی۔ اور صرف یہی کمی ہے ورنہ اتنے اچھے اخلاق کا مالک ہے کہ کیا بتاؤں۔ عورت کی قدر تو بے حد کرتا ہے۔ اس کے خیالات بہت بلند اور پاکیزہ ہیں اور ان چیزوں کے علاوہ اس کے پاس جتنی دولت ہے، اس کا حساب ہی نہیں۔ فیئری لینڈ میں گھر خریدنا معمولی بات نہیں۔ تم لوگ اس گھر کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتیں کہ کتنا خوبصورت ہے۔"

"ہوں۔"

"اس بدصورتی کے باوجود کئی لڑکیوں نے اسے پھانسنے کی کوشش کی۔ ایک مصری لڑکی تو شادی پر مصر تھی۔ مس ڈگلس ایک برطانوی حسینہ تھی جس نے اس سے شادی کرنے کی پیشکش کی تھی۔"

"پھر کیوں نہ کرلی شادی؟"

"کیا وہ پاکستانی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟"

"نہیں۔" فوزیہ نے دونوں بہنوں کی طرف دیکھا۔ "جلالی نے ان لڑکیوں سے شادی نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب لڑکیاں اس سے نہیں، اس کی دولت سے شادی کر رہی ہیں۔ وہ خلوص اور محبت کا طالب ہے۔"

تینوں بہنیں اسی کی باتیں کرنے لگیں۔ رافیہ بڑے تجسس سے اس کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ ہاں صوفیہ کچھ فکرمند نظر آنے لگی تھی۔



"کیوں؟" فوزیہ نے پوچھا۔

"جیہ اچھی خاصی خوبصورت لڑکی ہے باجی۔" صوفیہ نے کہا۔

"ہاں ہے تو۔"

"کیا وہ ایک بدصورت آدمی کو قبول کرلے گی؟"

"یہ تو ان لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے۔"

"آپ انہیں بتادیں گی؟"

"بتانا تو ہوگا۔"

"انکار نہ کردیں۔"

"ہونہہ۔" رافیہ نے کہا۔ "ان کے حالات تو دیکھیں۔ انکار کریں گے تو بے وقوف ہوں گے۔"

کچھ سوچتے ہوئے صوفیہ نے کہا۔ "یہ بات تو ہے۔"

"چلو۔ بات تو کرلیں پہلے۔" فوزیہ نے کہا۔ "ہوگئی بات تو ٹھیک نہیں تو کوئی اور لڑکی دیکھ لیں گے۔ جبین کی شادی پر کئی لڑکیاں جمع ہوں گی۔"

"ہوں۔"

"آج ان کے ہاں چلیں گے ضرور۔"

"چلیں۔"

"تم تیار ہو جاؤ نا۔"

"کھانے کے بعد۔"

"ابھی تو کافی وقت ہے۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک آجائیں گے۔"

"اچھا آپ تیار ہوں۔ میں اکرم کو کھانے کے لیے بتا آؤں۔ رافیہ تم بھی چلو گی؟"

"ضرور چلوں گی۔" وہ بچے کو جرابیں پہناتے ہوئے بولی۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" صوفیہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ فوزیہ نے ساڑھی استری کرلی تھی۔ اس نے رافیہ سے بھی کپڑے نکالنے کا کہا۔ "لاؤ میں استری کردوں۔"

"ہائے نہیں باجی۔ چاہیے تو تھا کہ ہم آپ کے کپڑے استری کرتے۔ اتنی دور سے مہمان آئی ہیں۔"

فوزیہ مسکرانے لگی۔

"اچھا تم اپنے کپڑے استری کرو اور میں رفیق کو خط لکھ لوں۔ رات لکھنا شروع کیا تھا۔ بتی بند ہو گئی، تھوڑا سا باقی ہے۔" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنے بیگ سے قلم اور پیڈ نکالنے لگی۔

"بچے تو آپ کو یاد کرتے ہوں گے؟" رافیہ نے پوچھا۔ "انہیں بھی ساتھ لے آتیں۔"

"ان کے سکول کے ٹرم شروع تھے۔ ساتھ لاتی تو کلاس میں پیچھے رہ جاتے۔"

"بیٹی تو بڑی پیاری نکل رہی ہو گی۔ جازی کیسا ہے؟"

"بس دونوں ٹھیک ٹھاک ہی ہیں۔" فوزیہ نے ہنس کر کہا اور خط لکھنے لگی۔ رافیہ نے بچے کو جوتے پہنا دیئے۔ "کپڑے گندے نہیں کرنے۔" کہتے ہوئے بچے کو صوفے سے اتارا اور خود الماری سے اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

تینوں بہنیں تیار ہو کر باہر نکل آئیں۔ گھر تو قریب ہی تھا لیکن صوفیہ نے گاڑی نکلوالی تھی۔

گاڑی سڑک کے ایک کنارے پر گلی کے سرے کے قریب ہی روک دی گئی۔ گلی میں گاڑی جا تو سکتی تھی لیکن ریورس کرنا مشکل تھا۔ تینوں پیدل ہی جیہ کے گھر تک آئیں۔ گلی میں اجنبی لوگوں کا آنا ہمیشہ سے گلی والوں کے لیے تجسس اور دلچسپی کا باعث بنا کرتا تھا۔ کام کرتی عورتیں ایک بار تو ضرور دروازے کی اوٹ سے آدھا دھڑ نکال کر آنے والوں کو تکا کرتی تھیں۔ کھڑکیوں سے جھانک جھانک کر قیاس آرائیاں کیا کرتی تھیں۔ گلیوں میں کھیلنے والے بچے بھی ایسے لوگوں کو دیکھ دیکھ کر کھیل بھول جایا کرتے تھے۔

آج گلی میں اکٹھی تین عورتیں آگئی تھیں جن کے چہروں سے امارت کی جھلک چھلکتی تھی۔ جن کے لباس خوبصورت تھے۔ جن کے پاؤں میں اونچی ایڑھیوں



کے امپورٹڈ جوتے تھے اور جن کے ہاتھوں میں فرانس کے بنے ہوئے چرمی بیگ تھے۔ طلائی چوڑیاں کلائیوں میں کھنک رہی تھیں اور ناک کی ہیرے کی کیلیں دور ہی سے چمکتی دکھائی دیتی تھیں۔ ایک ہی انگلی میں تین تین ڈائمنڈ کی رنگز بھی ان کی امارت کی چھاپ تھیں۔

ایسی گلیوں میں رہنے والے لوگ لاکھ مالدار سہی۔ سونے چاندی کے مالک سہی۔ پیراہن، رہن سہن اور دولت کے مصرف سے جو بات بنگلوں اور کوٹھیوں کے رہنے والوں کے انداز اور طور طریق میں تھی، وہ ان میں کہاں۔ اسی لیے جب تینوں بہنیں گلی میں داخل ہوئیں تو گھروں میں کام کرنے والی عورتوں کی نظر پڑتے ہی بیرونی دروازوں تک دوڑ شروع ہوئی۔ کوئی بیٹھی برتن مانجھ رہی تھی۔ راکھ میں لت پت ہاتھ لیے دروازے کی اوٹ میں آ کھڑی ہوئی۔ کوئی جھاڑو لگا رہی تھی تو جھاڑو پکڑے پکڑے باہر آ کر دیکھنے لگی۔ کسی نے کھڑکی سے جھانکا۔ کسی نے منڈیر سے۔ اللہ جانے ان لوگوں کو خبر کیسے ہو جاتی تھی کہ گلی میں کوئی اجنبی لوگ، کوئی نئے چہرے آ رہے ہیں۔ بچے بھی ان کو دیکھنے لگے تھے۔ کچھ بچے تو سوچے سمجھے بنا ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

فوزیہ کو گلی اور بچوں کو دیکھ کر امریکن بچوں اور ان کے گرد و پیش کا خیال آ رہا تھا۔ گندی نالیوں اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں پر ایسے بچے پل کر جوان ہو جاتے ہیں۔ گلی میں اچھے صاف ستھرے لوگوں کے بھی گھر تھے۔ اس وقت ان گھروں کے بچے یقیناً سکولوں میں تھے۔ اسی لیے کوئی صاف ستھرا اور تہذیب یافتہ بچہ گلی میں نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے جا رہی تھیں۔ عورتوں کی متجسس نگاہیں ان کا تعاقب کر رہی تھیں۔ دیکھنا بھی تو تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہیں۔

اور جب صوفیہ نے آگے بڑھ کر جیہ کے دروازے پر دستک دی تو متجسس نگاہیں قیاس آرائیاں کرنے لگیں۔

دروازوں کی اوٹ سے عورتیں باہر نکل آئیں اور ایک دوسرے سے آنکھوں آنکھوں میں پوچھنے لگیں۔

"یہ کون ہیں؟"

"کہاں سے آئی ہیں؟"

"کوئی بات ہے ضرور۔"

"بڑی امیر ہیں۔"

"جانی بتا رہا تھا کہ گاڑی میں آئی ہیں۔ گاڑی سڑک پر کھڑی ہے۔"

"ہوں گی کوئی ملنے والی۔"

"رشتہ دار تو نہیں لگتیں۔"

عورتیں آپس میں باتیں کر رہی تھیں اور وہ تینوں جیہ کے گھر میں داخل ہو گئیں۔

آج چھٹی تھی۔ ثانیہ، مانو، ربیعہ اور عقیقہ نہانے، سر دھونے اور کپڑے ٹھیک ٹھاک کرنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ ربیعہ نے تو سر میں خوب تیل ڈلوایا ہوا تھا۔ بال بکھرائے ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ جیہ کو آج گھر کی صفائی کا جنون چڑھا تھا۔ سارے کمرے الٹ پلٹ کر دیئے تھے۔ تھوڑی دیر سلیمان اور امجد کو بھی ساتھ لگایا تھا اور ابھی تک بمشکل بیٹھک ہی ٹھیک کر پائی تھی۔ امی حسب معمول صحن کے تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھی اور تانو باورچی خانے میں ناشتے کے برتن دھو کر نمک مرچ کے ڈبے صاف کر رہی تھی۔ ریحان امجد اور ابو باہر چلے گئے تھے۔ ریحان کا اپنی فیکٹری کے مالک سے کچھ جھگڑا چل رہا تھا۔ ابو بے چارے مصالحت کروانے کی فکر میں تھے۔ کچھ نہ کچھ تو تنخواہ کی صورت میں گھر آ ہی جاتا تھا۔ نوکری چھٹ گئی تو بیکاری کا ایک دن بھی اس گھرانے پر بار تھا۔

دروازہ ثانو نے کھولا تھا۔ صوفیہ کو تو دو ایک بار دیکھا ہوا تھا لیکن دوسری دونوں عورتیں اجنبی تھیں۔ اتنی سجی بنی عورتوں کو دیکھ کر وہ گھبرا ہی گئی۔ مارے گھبراہٹ کے سیدھی صحن کی طرف بھاگی۔

"تانو باجی...... امی...... جیہ باجی......" اس کا سانس جیسے پھول گیا تھا۔

"کیا ہے؟" اماں نے تیز لہجے میں کہا تو ثانو نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ڈیوڑھی کی طرف اشارہ کیا۔



"کون ہے؟" تانو ہاتھ میں ڈبے پکڑے باہر نکل آئی۔

"وہ...... وہ صوفیہ باجی اور ان کے ساتھ دو عورتیں......" ثانو نے کہا اور تانو کے کچھ کہنے سے پہلے ہی صوفیہ صحن میں آ گئی۔

علیک سلیک کے بعد بولی۔ "میری باجی فوزیہ اور چھوٹی بہن رافیہ آئی ہیں۔"

"ابھی آئی۔" تانیہ پلٹی۔ ڈبے پھینکے۔ نل تلے جلدی جلدی ہاتھ دھوئے اور دوپٹے کے پلو سے پونچھتے صحن میں آ گئی۔ صوفیہ اماں سے کھڑی باتیں کر رہی تھی۔

"آیئے۔" تانیہ بیٹھک کی طرف لپکی اور پھر ڈیوڑھی میں کھلنے والا بیٹھک کا دروازہ کھول کر بڑی خوشدلی سے فوزیہ اور رافیہ کو بلایا۔

"بے وقت آ کر زحمت دی ہے آپ کو۔" فوزیہ نے کہا۔ "میں نے صوفیہ سے کہا بھی تھا کہ اطلاع دے دے۔"

"کوئی بات نہیں۔" صوفیہ بولی۔

"تشریف رکھیے۔" تانیہ نے معزز خواتین سے قدرے شرمسار لہجے میں کہا۔ بوسیدہ صوفے اور کئی جگہ سے پھٹی دری والی بیٹھک جیہ نے آج صاف تو بہت کی ہوئی تھی لیکن ان عالیشان ڈرائنگ رومز میں بیٹھنے والی خواتین کے لیے کہاں ٹھیک تھی۔

فوزیہ اور رافیہ درمیانی اور صوفیہ سائیڈ والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"جیہ کہاں ہے؟" صوفیہ نے پوچھا۔

"چھٹی کے دن ذرا صفائی کرنے کا موڈ بن جاتا ہے اس کا۔" تانیہ نے کہا۔

"آپ کی امی؟" فوزیہ نے پوچھا۔

"بلاتی ہوں۔" تانیہ دروازے کی طرف لپکی۔

جانے کیوں اس کا دل جان گیا تھا کہ فوزیہ جیہ کے رشتے کے لیے آئی ہے۔ اس رشتے کا تو اس نے پرسوں گھر آتے ہی اماں سے ذکر کیا تھا۔ اماں نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا تھا۔ "ایسے نصیب کہاں؟"

تانیہ نے اماں سے کہا۔ "چھوڑیئے سبزی کو۔ اندر آیئے۔"

اماں نے سبزی کی ٹوکری لگن اور چھری ایک طرف رکھ دی۔

"اماں کپڑے تو بدل لو۔" ربیعہ بولی۔ سارے گھر میں جیسے ہلچل مچ گئی تھی۔ چاروں بہنیں بکھری ہوئی چیزیں اٹھانے میں لگی تھیں۔ افراتفری میں صحن میں بکھرا ہوا سامان کمرے میں پھینک رہی تھیں۔ نادم نادم خفیف خفیف بھاگ دوڑ رہی تھیں۔

"ہاں اماں۔ ربو نے ٹھیک کہا ہے۔ شلوار بہت میلی ہو رہی ہے اور قمیض بھی ادھڑی ہوئی ہے۔ جیہ کہاں ہے، اسے تو بلاؤ۔"

"یہاں ہوں باجی، کیا بات ہے؟" جیہ کمرے میں تھی، آواز سن کر بولی۔

"کیوں بھگدڑ مچی ہے؟"

"بھئی باہر آؤ نا۔" تانیہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"کیوں؟" اندر ہی سے اس نے پوچھا۔

"صوفیہ اور ان کی باجی آئی ہیں۔ بلا رہی ہیں تمہیں۔"

جیہ دوڑ کر صحن میں آئی۔ "ہائے اللہ میرا حلیہ کیا بنا ہوا ہے۔ میں تو نہا دھو کر ہی ان کے سامنے آؤں گی۔ دھول سے سر منہ ایک ہو گیا ہے اور کپڑے دیکھو۔ ہائے ہائے توبہ۔"

تانو آہستگی سے مسکراتے ہوئے بولی۔ "حلیہ تو سب کا دیکھو کیا بنا ہوا ہے۔ کیا کہتی ہوں گی وہ...... ہائے شکر ہے بیٹھک صاف تھی۔ چارپائیاں اور بستر وہاں نہیں پڑے تھے......" ساری بہنیں خفت سے ہنس پڑیں۔

"آپ جائیں ان کے پاس میں کپڑے بدل کر آؤں گی۔ اماں آپ بھی جلدی سے بدل لیں کپڑے۔"

"چائے وائے......" تانیہ نے پوچھا۔ اماں سامنے والے کمرے میں چلی گئیں۔ "بھئی چائے وغیرہ۔"

"وہ ہم کرتے ہیں باجی، آپ ان کے پاس بیٹھیں۔" ثانو نے انہیں بیٹھک کی طرف دھکیلا۔

"ذرا رانو کا فراک بھی بدل دینا...... منے کا بھی ہاتھ منہ دھو کر کپڑے پہنا



دینا۔ یونہی میلے کچیلے نہ گھس آئیں کمرے میں۔" تانیہ جاتے جاتے بولی۔

"اچھا باجی! اب جائیے بھی۔ ہم اماں سے پیسے لے لیں گے۔ چائے کے ساتھ بھی تو کچھ منگوانا ہے۔"

"سلیمان اندر ہی ہے۔ دو تین چیزیں منگوا لو۔ چائے ذرا سلیقے سے لانا، سمجھیں۔"

"سمجھ گئے جناب۔ فکر نہ کریں...... پہلے کیا ہم سلیقے سے چائے نہیں لاتے؟"

"آج اور بات ہے۔" تانیہ مسکرائی۔

"مہمان بڑے لوگ ہیں اس لیے۔" عقیقہ نے آنکھیں گھما کر شوخی سے کہا۔

"یہی سمجھ لو......" تانیہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

ربیعہ اور ثانو بے ساختہ ہنس پڑیں اور تانیہ بیٹھک میں چلی گئی۔

-------O-------

redroses@pakistanipoint.com

تانیہ نے دل میں سچی سچی سرگوشی کی تھی۔

وہ لوگ رشتہ ہی کے لیے آئے تھے۔

اماں منہ ہاتھ دھو کر سفید شلوار کے ساتھ بادامی پرنٹڈ قمیض پر چوڑا سفید فیتہ لگا دوپٹہ اوڑھے اندر آگئیں تو تینوں بہنوں نے بڑی تعظیم سے انہیں سلام کیا۔ منہ ہاتھ دھو کر اماں جب صاف ستھرے سنجیدہ قسم کے کپڑے پہنتی تھیں تو بہت پروقار نظر آیا کرتی تھیں۔ رنگت ان کی سرخ وسپید تھی ہی اس میں چمک ایسی تھی کہ اس عمر میں پہنچنے اور ہزاروں تفکرات کا بوجھ دل ودماغ پر لادنے کے باوجود دھندلائی نہ تھی۔ حامدہ بیگم کی رنگت اور حسین آنکھیں بچوں نے انہی سے ورثے میں پائی تھیں۔

ادھر ادھر کی رسمی باتوں اور تعارف کے بعد کچھ دیر موسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر موضوع مہنگائی بنی اور اس کے ساتھ ہی باتوں باتوں میں شادی بیاہ کے سلسلے اور جہیز کے لین دین کی باتیں ہونے لگیں۔

"ہم جیسے سفید پوشوں کی بھی کوئی زندگی ہے اور ایسی صورت میں جب کہ بیٹیوں سے گھر بھرا ہو...... اللہ ہی ہے ورنہ ہمارے پاس تو کوئی امید بھی نہیں۔"

"مایوس نہ ہوں آنٹی۔" صوفیہ ان کی دھندلائی آنکھوں سے متاثر ہوتے ہوئے بولی۔ تانیہ سر جھکائے اداس اداس بیٹھی ٹھنڈی آہیں بھر رہی تھی۔

"مایوسی کی بات ہے بھی اور نہیں بھی بیٹی۔" انہوں نے بڑی شفقت سے کہا۔ "تانیہ کا تو غیروں میں رشتہ کیا تھا۔ جو کچھ اپنوں نے کیا، صبر شکر کر لیا۔ جیہ کا تو اپنوں نے چرکہ لگایا ہے۔"

"کون سی منگنی کی ہوئی تھی اماں۔" تانیہ نے ماں کو ٹوکا۔



"گھروں میں بات ہی کی جاتی ہے۔ اشارہ ہی ہوتا ہے۔" وہ بولیں۔

"اتنی اچھی اور پیاری بچی کو ٹھکرانے کی حماقت ہی کی ہے ان لوگوں نے۔" صوفیہ بولی۔

"حماقت؟ وہ تو سمجھ رہے ہیں، یہاں رشتہ کرتے تو حماقت ہوتی کھلے بندوں کہتے ہیں...... سگا تایا...... سگی تائی...... کوئی غیر ہوں تو بات بھی ہو۔"

"چلو چھوڑیں اماں۔ جہنم میں جائیں۔ امیر گھر میں نسبت ٹھہرا لی ہے انہوں نے۔ اپنی جیہ کا بھی اللہ مالک ہے۔ کہیں نہ کہیں ہو ہی جائے گا۔" تانیہ بولی۔

"جیہ کو بھی تو دکھ ہوگا یہ رشتہ چھوٹ جانے کا؟" رافیہ نے دھیمی آواز میں تانیہ سے پوچھا۔

"ہاں......" تانیہ قدرے تذبذب کے بعد بولی۔ "ایک ہی جگہ پلے بڑھے اور جوان ہوئے تھے لیکن نوید نے کچھ ایسی اوچھی حرکتیں اب کی ہیں کہ جیہ کو تو اس کے نام تک سے جیسے نفرت ہو گئی ہے۔"

رافیہ دلچسپی سے کرید کر تانیہ سے پوچھتی رہی۔ تانیہ نے کئی واقعے اسے بتائے۔ صوفیہ، فوزیہ اور اس کی اماں آپس میں باتیں کرنے لگیں۔

اور

انہی باتوں میں فوزیہ نے جلالی کا ذکر کر دیا۔

اماں تو اس غیر متوقع سی بات پر گنگ سی ہو گئیں۔

"کیوں تانیہ؟" صوفیہ نے اس سے پوچھا۔

"جی کیا بات؟"

"تم نے نہیں سنی؟"

"نہیں۔ میں اور رافیہ باتیں کر رہے تھے۔"

"بھئی اس دن فوزیہ باجی نے جلالی صاحب کے متعلق بتایا تھا نا؟"

"کیا؟"

"کہ ان کی شادی کی ذمہ داری ان کے سر ہے۔ اپنے دوران قیام باجی نے ان

کے لیے لڑکی تلاش کرنا ہے۔"

"تو؟" تانیہ کے سوکھے ہونٹوں سے بڑی بھیگی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"فوزیہ باجی کو جیہ بہت پسند آئی ہیں۔ اگر آپ لوگ رضامندی ظاہر کریں تو یہ رشتے کی بات......"

"اماں سے پوچھئے۔" تانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور

اماں گھبرا کر ایک دم سے بولیں۔ "بھئی بیٹیو ہم لوگ تو یہاں شادی کرنے کے متحمل نہیں۔ امریکہ میں رشتہ؟...... کیسے کریں گے، کہاں سے کریں گے؟"

"آپ شاید جہیز کے متعلق سوچ رہی ہیں؟" جلدی سے فوزیہ بولی۔ اماں نے مایوسی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"جہیز کی کوئی ضرورت نہیں آنٹی۔" صوفیہ بولی۔ "بس اچھی تعلیم یافتہ لڑکی ہونی چاہیے۔ دولت تو ان کے پاس اتنی ہے کہ بیان سے باہر۔ ہم تو باجی سے قصے سن سن کر حیران ہو رہی ہیں۔"

اماں چپ ہو گئیں۔ تانیہ کے من میں جیسے خوشی سے لڈو پھوٹنے لگے تھے۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

فوزیہ انہیں جلالی کے متعلق تفصیل سے بتانے لگی۔ دبے لفظوں میں اس کی شکل و صورت کا بھی کہہ دیا۔

اماں مرعوب سی نظر آنے لگیں۔ فیری لینڈ والے گھر کے طلسماتی قصے سن سن کر تو ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ لڑکا خوبصورت نہیں تو کیا ہوا، انہوں نے سوچا۔

"آپ لوگ سوچ کر صلاح مشورہ کر لیں۔ رشتہ میرے ہاتھ میں ہے۔ میں ابھی پاکستان میں ہی ہوں۔ تین چار دن صوفیہ کے پاس ابھی اور رہوں گی۔ آپ اپنی رائے سے مجھے مطلع کر دیں۔"

چائے جیہ اور ربیعہ لے کر آئیں۔ خاصی پر تکلف چائے تھی۔ جیہ کو فوزیہ نے اپنے قریب بٹھا لیا۔ اس کے ذہن میں دیو اور پری کی کہانی گھومنے لگی لیکن اس نے



سر کو جھٹک دیا۔ جیہ اور اس کے گھر والوں کے جو حالات تھے، ان کے پیش نظر تو یہ رشتہ خدا کی رحمت تھا۔

دوسرے دن پھر آنے کا کہہ کر تینوں بہنیں اٹھ گئیں اور ان کے جاتے ہی تانیہ بولی۔

"ہائے یہ رشتہ ہو جائے تو ہم بھی سر اٹھا کر اپنے تایا، تائی کو بتا سکتے ہیں۔"

اماں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ اپنے نصیب بھی اتنے یاور ہو سکتے ہیں۔"

جیہ چپ چاپ سنتی رہی۔ اس دن تانیہ نے صوفیہ کے گھر سے آ کر جلالی کے رشتے کی بات کی تھی۔ جیہ کو چھیڑا بھی تھا اور جب جیہ اس چھیڑ سے چڑ گئی تھی تو اس نے تلخی سے کہا تھا۔ "جیہ خیالوں کی دنیا سے باہر آؤ۔ ذہن میں کوئی عکس ابھی تک باقی ہے تو اسے کھرچ ڈالو۔ خدا کا شکر کرو کہ خود غرض لوگوں سے بچ گئی ہو۔"

جیہ چپ ہو گئی تھی۔ تانیہ کی باتیں چبھتی ہوئی حقیقتیں تھیں۔ اس کے پاس ان حقیقتوں کو ٹھکرانے کا کیا جواز تھا۔

چپ وہ اب بھی تھی۔

رات ابا میاں، تانو، ریحان، امجد اور امی کمرے میں سر جوڑے باتیں کر رہے تھے۔

تانو اس رشتے کی زبردست حامی تھی لیکن ابا سمجھ نہ پا رہے تھے۔ امریکہ میں رہنے والے لڑکے کے متعلق چھان بین کیسے کرتے۔

"کیا خبر لڑکا کیسا ہے؟ کون پتہ چلائے گا اس کے متعلق؟"

انہوں نے سوچتے ہوئے کہا تو اماں کے پہلو میں چارپائی پر بیٹھی تانیہ دکھ اور کرب سے بولی۔ "ابا جی۔ فوزیہ کی باتوں پر ہمیں یقین کرنا چاہیے۔ وہ بہت سلجھی ہوئی خاتون ہیں۔ وہی ساری ذمہ داری اپنے سر لے رہی ہیں اور پھر بیٹیوں کو تو تقدیر کے حوالے ہی کیا جاتا ہے۔ میری طرف دیکھیں۔ کیا کم چھان بین کی تھی آپ نے۔ برسوں سے جانتے تھے آپ ان لوگوں کو۔"

ریحان بھی تانو کا حامی تھا۔ فوزیہ جیسی عورت پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ باتیں ہوتی رہیں۔

"یہ موقع کسی صورت نہیں کھونا......" اماں بولیں۔ "آخر صوفیہ سے اتنے دنوں سے ملنا ملانا ہے۔ اتنے اچھے لوگ ہیں۔ فوزیہ تو بہت ہی ٹھہری ہوئی خاتون ہے۔ باقی قسمت کی بات ہے۔"

"ان کے پاس اور بھی رشتے ہیں اباجی۔" تانیہ نے کہا۔

"ضرور ہوں گے۔ امریکہ کے لیے تو لوگ دیوانے ہیں۔ پچھلے ہی دنوں ہمارے باس کی بہن کا رشتہ ہوا ہے۔ نکاح فون پر ہوا اور لڑکی کو اکیلے یہاں سے جہاز پر سوار کرا دیا۔ امیر لوگ ہیں۔ لڑکی ایم اے پاس تھی۔ رشتہ آیا اور ہاں کر دی۔"

"صوفیہ بتا رہی تھیں کہ فوزیہ کا رشتہ بھی ایک ہفتے کے اندر ہوا تھا۔ فون پر نکاح ہوا اور اکیلی امریکہ بھیج دی گئیں۔ کتنی عیش ہے ان کی۔ ہر سال پاکستان کا چکر بھی لگا جاتی ہیں۔"

رات گئے تک بحث ہوتی رہی۔ ابا جی بے چارے تانو کے رشتے سے بہت ڈرے ہوئے تھے۔ اس لیے وسوسے میں پڑے رہے۔

دوسری شام فوزیہ اور صوفیہ پھر آ گئیں۔

آج چائے میں خاص اہتمام تھا۔ فوزیہ نے صوفیہ کو آنکھوں آنکھوں میں مسکراتے ہوئے اشارہ کر کے کہا۔ "لگتا ہے بات بن گئی۔"

"ضرور بنے گی۔" وہ ان کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔

آج ابا جی اور ریحان بھی گھر پہ تھے۔ ابا جی جلالی کے بزنس کے متعلق تفصیلات پوچھتے رہے۔ دل ہی دل میں حیران بھی ہوتے رہے۔ یقین بھی متزلزل رہا کہ اتنا امیر کبیر اور اتنے اچھے اخلاق و کردار کا مالک ان کی بیٹی کا شریک زندگی بن سکتا ہے۔

"بھائی صاحب۔" فوزیہ نے باتوں کے دوران کہا۔ "جلالی شریف لڑکی کے خواہاں ہیں ورنہ انہیں رشتوں کی کمی نہ تھی۔ غیر ملکی لڑکیوں سے وہ شادی کرنے کے حق میں نہیں ورنہ کئی لڑکیاں ان کی دولت پر مکھیوں کی طرح منڈلاتی ہیں۔ وہ ایسی مخلص



لڑکی چاہتے ہیں جو ان سے نباہ کر سکے۔ انہیں اعتماد دے سکے، پیار و محبت چاہیے انہیں۔ خدا نے انہیں شکل و صورت حسین نہیں دی تو کردار اتنا خوبصورت اور اخلاق اتنا اعلیٰ دیا ہے کہ یہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔"

"ویسے آپ کے پاس ان کی کوئی تصویر تو ہو گی......؟" تانیہ نے پوچھا۔

فوزیہ چند لمحے تذبذب میں پڑی۔ پھر بٹوے سے شوالی کی دی ہوئی تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ان کی تصویر تو سامان ہی میں کہیں ہو گی۔ بس یہ تصویر دیکھ لو۔ کچھ ان سے ملتے جلتے ہی ہیں۔"

تانیہ تصویر دیکھنے لگی۔ موٹے موٹے ہونٹ، چوڑی ناک اور درمیانی آنکھوں والے آدمی کی تصویر تھی۔ دیکھنے میں کچھ اتنا برا بھی نہ لگتا تھا۔ گوارا سی صورت تھی۔

اماں ہنس کر بولیں۔ "کہیں لنگڑا لولا تو نہیں۔ کانا بھینگا ہے کیا؟"

"جی نہیں۔"

فوزیہ جلدی سے بولی۔ "ایسی کوئی بات نہیں آنٹی۔ بس خوبصورت نہیں ہے۔ یہ بات میں نے آپ سے کہہ دی ہے۔ حسین آدمی چاہیے تو پھر بے شک نہ کریں اس رشتہ کی۔ اگر شرافت اور دولت چاہیے تو آنکھیں بند کر کے ہاں کر دیں۔"

آج فوزیہ وہ سیٹ جو جلالی نے خرید کر دیا تھا، ساتھ لائی تھی اور جو رقم شادی کے لیے خرچ کرنے کا اختیار دیا تھا، وہ بھی بتائی۔

سب دنگ رہ گئے۔ ڈائمنڈ کا جگمگاتا سیٹ جس کی قیمت یہاں اڑھائی لاکھ سے کم نہ تھی۔ دیکھ دیکھ کر سب کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

"شکل و صورت کا کیا ہے۔" تانیہ نے تصویر میز پر رکھ کر کہا۔ "اصل چیز تو کردار ہے۔"

"کردار کی میں ضمانت دیتی ہوں۔ آپ سن کر حیران ہوں گی کہ اتنی دولت کے باوجود جلالی شراب کو چھوتے تک نہیں۔ حالانکہ وہاں شراب پانی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ عام لوگ پیتے ہیں۔"

"بڑی بات ہے۔" ریحان نے سر ہلا کر کہا۔

"آپ سوچ لیں جی۔ کوئی دباؤ نہ سمجھیں۔" فوزیہ نے سیٹ واپس بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "میری تو دلی خواہش ہے کہ یہ رشتہ ہو جائے باقی آپ کی مرضی۔"

باتیں ہوتی رہیں۔ فوزیہ ان لوگوں کو پوری دلجمعی سے سوچنے کا موقع دینے کے لیے دو دن تک انتظار کا کہہ گئی۔

ان کو چھوڑنے سبھی بیرونی دروازے تک آئے۔ نوے فیصد رضامندی کا اظہار ان لوگوں نے کر دیا تھا۔

بیٹھک سے ان کے نکلتے ہی ربو اور ثانو لپک کر اندر آئیں۔ وہ کمرے کے اردگرد منڈلاتی پھر رہی تھیں جو بات کان میں پڑتی، بھاگ کر جیہ کو بتا آتیں۔ جیہ سوچوں میں باورچی خانے میں بیٹھی تیل کے چولہے کو کبھی اونچا کبھی نیچا کر رہی تھی۔ کبھی آگ بھڑک اٹھتی اور کبھی مدھم ہو جاتی۔ ایک دو دفعہ تو بجھ بھی گئی۔

"یہ تصویر۔" ربو نے میز سے تصویر اٹھائی۔

ثانو نے جھپٹ کر اس سے چھین لی۔

ربو اس کے پیچھے دوڑی۔

"جیہ باجی...... جیہ باجی...... یہ تصویر......" اس نے بنا دیکھے تصویر جیہ کی طرف اچھال دی۔ ثانو نے اس کے بال پکڑ کر جھنجوڑ ڈالے۔ جواباً ربو نے بھی اس کی چٹیا پکڑ لی۔ دونوں ہنستے ہنستے لڑنے لگیں۔

جیہ نے تصویر پکڑ لی تھی لیکن دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ اک سرسری نگاہ تصویر پر ڈالی اور تصویر چھپا لی۔ اس کے تاثرات کیا تھے، چہرے سے واضح نہ ہوئے۔ وہ جلدی سے وہاں سے اٹھ کر کمرے میں آ گئی اور تصویر اس نے اپنے بکس میں چھپا دی۔

چند لمحوں بعد ربو اور ثانو لڑائی ختم کر کے بھاگتی ہوئی اندر آئیں۔ "جیہ باجی تصویر دیں۔"

"کون سی؟" جیہ مسکرائی۔

"اس کروڑپتی سیٹھ صاحب کی جو ہمارے دولہا بھائی بننے والے ہیں۔" ربیعہ نے چھیڑا۔



"بکو مت۔" جیہ نے گھبرا کر کہا۔

"اللہ باجی۔ آپ کی تو قسمت کھل گئی۔" ربو چارپائی پر بیٹھ گئی۔ "کتنا جی خوش ہو رہا ہے میرا۔"

"تم نے تو بات طے بھی کر دی...... ابھی امی ابو پتہ نہیں کیا کرتے ہیں۔"

"کرنا کیا ہے...... شادی کریں گے اور کیا...... بجیا پُھر سے امریکہ اڑ جائیں گی اور فیری لینڈ کے طلسماتی محل میں رہا کریں گی۔"

"تو چھپ چھپ کر ان لوگوں کی باتیں سنتی رہی ہے۔" جیہ نے اس کا کان مروڑا۔

"آپ کو پھر کون بتاتا محترمہ جو میں یہ باتیں نہ سنتی۔ کیسی اپ ٹو ڈیٹ خبریں پہنچائی ہیں۔ اللہ...... باجی میں تو پتہ ہے کیوں خوش ہوں؟"

"کیوں؟"

"یہ جو چچا چچی ہیں ناں۔ کتنا جتلاتے ہیں نادرہ کی دولت۔ ہر بات ہی اس کی دولت کے گرد گھومتی ہے ان کی...... اور اگر آپ کا رشتہ ہو گیا ناں یہاں تو پھر دیکھنا...... دانت بند ہو جائیں گے ان کے۔ بھول جائیں گے نادرہ کی دولت...... اونہہ بڑے آئے...... نوید بھیا نے سونے کی انگوٹھی میں ذرا سے ڈائمنڈ کیا دیکھ لیے...... پھولے نہیں سماتے...... اور بجیا فوزیہ باجی جو سیٹ لائی ہیں آپ کے لیے، اڑھائی لاکھ کا ہے۔" ربو نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ "پورے اڑھائی لاکھ کا۔"

جیہ اس کی باتوں پر مسکرانے لگی۔

وہ خوش نظر آ رہی تھی۔ ربو نے معصومیت میں جو باتیں کہی تھیں، وہ جیہ کے دل کی تھیں۔ نوید اپنی ایسی اوچھی حرکتوں ہی سے اس کے دل سے اتر گیا تھا۔

-------O-------

خوبصورتی اور نفاست سے آراستہ کمرے کے سارے لیمپ روشن تھے۔ پھر بھی جلالی کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اس نے جتنی بتیاں بھی تھیں، روشن کر دیں لیکن گھبراہٹ پھر بھی دور نہ ہوئی۔

وہ کچھ دیر کمرے میں بے چینی سے ٹہلتا رہا۔ پھر دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ادھر ادھر بے یقینی سے دیکھا کہ اسے کوئی چھپ چھپ کر دیکھ تو نہیں رہا۔ آئینے میں اپنی صورت ہی دیکھنے کی جرات نہ ہو رہی تھی۔

یہ یقین کر کے کہ وہ کمرے میں تنہا ہے، اس نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر آئینے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پہلا تاثر ہمیشہ کی طرح ہی تھا جیسے آئینے میں بھوت نظر آ گیا ہو۔ قیمتی فان کلر سوٹ میں ملبوس وہ کریم کلر قمیض پر خوبصورت ٹائی باندھے تھا لیکن یہ کپڑے اسے بالکل بھی اچھے نہ لگ رہے تھے۔

وہ اپنا چہرہ غور سے دیکھتا رہا۔ اس کا جسم اچھا خاصا خوبصورت تھا۔ شانے چوڑے چکلے، قد اونچا لمبا لیکن چہرہ؟

خدا نے اس کے ساتھ ایسا مذاق کیوں کیا تھا؟ اتنے خوبصورت جسم کے اوپر اتنا بھیانک چہرہ کیوں رکھ دیا تھا۔ اتنا بھیانک جسے دوسرے لوگ تو ایک طرف وہ خود بھی دیکھ کر ڈر جایا کرتا تھا۔

وہ اپنا چہرہ دیکھتا رہا۔

ہر زاویے سے دیکھتا رہا۔

اور



اسے مسٹر تابش اور منصور کی باتوں میں قطعاً کوئی وزن محسوس نہ ہوا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے۔ ”جلالی بھائی آپ کو اپنی شکل و صورت کا کمپلیکس ہو گیا ہے ورنہ آپ اتنے برے بھی نہیں جتنا سمجھتے ہیں۔“

”بچپن سے آپ کو بد صورت ہونے کا احساس اتنی شدت سے دلایا گیا ہے کہ آپ کا ذہن اب یہ بات قبول ہی نہیں کرتا کہ آپ عام سی شکل و صورت کے مالک ہیں۔“

وہ اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے تلخی سے ہنس پڑا۔

”اتنے برے نہیں۔“

”عام سی شکل۔“

وہ دونوں کی باتیں دہراتے ہوئے مسکرانے لگا۔ پھر اک گہری سانس لی اور شاندار کرسی پر بیٹھتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے کانوں میں اپنے ان گنے چنے مخلص دوستوں کی آوازیں اترنے لگیں۔ احساس کمتری سے نکالنے کے لیے ان لوگوں نے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ ان آوازوں میں شوالی کی آواز سب سے الگ تھلگ تھی۔

”جلالی بھائی۔ آپ کو اتنا ہی کمپلیکس ہے تو اس کا علاج کریں، پلاسٹک سرجری کروالیں۔ یہاں کون سی بات ناممکن ہے۔ روپے پیسے کی آپ کے پاس کمی نہیں۔“

وہ ہمیشہ ہی اسے منفرد قسم کے مشورے دیا کرتی تھی۔

شادی کے لیے بھی اس نے مجبور کیا تھا اور وہ اس کے نت نئے قسم کے مشوروں کے سحر میں آ گیا تھا۔

جلالی نے اک جھرجھری لی۔ گھبراہٹ کسی طرح کم نہ ہو رہی تھی۔ آج فوزیہ کا فون آنا تھا۔ فون وہ تقریباً روزانہ ہی کر رہی تھی۔ رشتے کے متعلق ہر بات سے وہ اسے آگاہ کر رہی تھی۔ لڑکی اور اس کے والدین کی مالی حیثیت کے بارے میں پوری تفصیل سے بتایا تھا۔

آج رشتے کے فیصلے سے اس نے مطلع کرنا تھا۔

کل رات بھی فون آیا تھا۔

”رشتہ انشاء اللہ ہو جائے گا۔“ یہ فوزیہ تھی۔

جلالی نے اس بات پر الجھن محسوس کی تھی۔ ”کیا آپ نے سب کچھ ان لوگوں کو بتا دیا ہے؟“

”ہاں...... جلالی بھائی۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔“

”میرا مطلب ہے میری...... میری خامی انہیں بتادی ہے؟“

”بالکل بتادی ہے۔“

”پھر بھی وہ لوگ آمادہ ہو رہے ہیں؟“

”اوہ جلالی! آپ بھی حد کرتے ہیں۔ بخدا ذہن سے اپنی شکل و صورت کا کمپلیکس نکال دیجیے۔ یہ گھرانہ بہت شریف ہے۔ لڑکی بھی سلجھی ہوئی ہے۔ اپنے حالات کو اچھی طرح جانتی ہے۔ اسی لیے اس نے بھی رضامندی ظاہر کر دی ہے۔“

”یعنی یعنی......“

”یعنی یعنی......“ فوزیہ ہنس پڑی۔ ”آپ کو ناجیہ نے قبول کرنے کی رضامندی دے دی ہے۔“

”مجھے یقین نہیں آتا۔ آپ میری کوئی تصویر بھی نہیں لے گئیں۔ لڑکی نے کس بات سے......؟“

”جلالی آپ جانے دیں یہ سب باتیں۔ رشتہ تقریباً طے ہو گیا ہے۔ کل میں آپ کو مطلع کروں گی۔ آپ دلہن کو بلانے کا مسئلہ حل کریں بس۔ نکاح فون پر ہوگا۔ یہ ساری باتیں میں نے طے کر لی ہیں۔“

”ہوں......“

”حق مہر کے متعلق میں نے کل پوچھا تھا آپ سے؟“

”آپ جو مناسب سمجھیں کرلیں...... اور پیسے کی ضرورت ہو تو بندوبست ہو سکتا ہے۔“

”میرے خیال میں مہر پچاس ہزار ٹھیک رہے گا۔ لڑکی کے نام پر بینک میں رکھ دیں۔“

”جو مناسب ہے کرلیں بھابی...... ایک لاکھ بھی کہیں تو......؟“



فوزیہ کی کھنک دار ہنسی سے وہ کچھ نادم سا ہو گیا تھا۔ جلدی سے بولا۔ ”میرے خیال میں یہ بھی کم ہے بھابی...... مجھ جیسے آدمی کو قبول کرنے کا صلہ اس سے زیادہ ہونا چاہیے۔“

”آپ کی قسمت اچھی ہے جلالی اور خدا کرے اس سے بھی اچھی ہو۔ اتفاق سے یہ لڑکی مل رہی ہے۔ ان کے گھریلو حالات اچھے نہیں۔ مالی طور پر بے حد پریشان والدین کی لڑکی کے لیے پسند و ناپسند کی بات سوچنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ پھر وہ ایک نہیں چھ بہنیں ہیں۔ تفصیلات آپ کو بتا ہی چکی ہوں۔ دوسری تین بھی جوان ہیں۔ یہ رشتہ ہونے سے شاید ان کا نصیبہ بھی کھل جائے۔ والدین کو بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے۔“

”ہوں تو گویا یہ ناجیہ صاحبہ قربانی کا بکرا بن رہی ہیں۔“ جلالی ہنس کر بولا۔

”نہیں، یہ بات نہیں۔ کوئی جبر نہیں کیا گیا۔ ساری باتیں کھل کر ہو چکی ہیں۔ توبہ جلالی یہاں تو بیٹیاں ایک بہت بڑا مسئلہ بنی ہوئی ہیں۔ رسم و رواج اتنے بڑھ گئے ہیں کہ غریب چھوڑ متوسط طبقے کے والدین کے لیے ایک بچی کی شادی بھی کسی عذاب سے کم نہیں۔“

”اور......“

”تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ یہاں سفید پوشی کا بھرم رکھنے کے لیے لوگوں کو کس کرب واذیت سے گزرنا پڑ رہا ہے۔“

دونوں فون پر کچھ دیر یہی باتیں کرتے رہے تھے۔ پھر کل فائنل بات کرنے کا کہہ کر فوزیہ نے فون بند کر دیا تھا۔

آج

آج انتہائی بے قراری سے جلالی اس کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی تسلی و تشفی کے باوجود گھبراہٹ مسلط تھی۔ یہ یقین تو یقین کے قابل ہی نہ تھا کہ کوئی ہوش مند لڑکی انہیں قبول کر سکتی ہے۔

رات بھر وہ بے چینی اور گھبراہٹ سے سوچتے رہے تھے۔ اٹھ اٹھ کر آئینے میں اپنی شکل دیکھی تھی۔ فوزیہ کی تسلیوں کے سہارے کئی بار ٹوٹے تھے۔

ایک دفعہ تو آئینے میں اپنا آپ دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آنسو بھی بھر آئے تھے۔ بے چارگی سے انہوں نے اللہ میاں سے گلہ کیا تھا۔ ساری دنیا کا بھیانک پن اس نے ان ہی کی صورت میں کیوں بھر دیا تھا اور جب صورت اتنی بدصورت بنائی تھی تو ذہن کیوں اتنا خوبصورت دیا تھا۔ ان تضادات کے درمیان تو ان کی شخصیت بالکل مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔

کسی لمحے نے انہیں شفقت بھی دی تھی اور ان کا دل کافی بڑھا دیا تھا۔ حوصلہ بھی محسوس ہوا تھا۔

"کیا ہوا اگر صورت اچھی نہیں...... اور کس بات کی کمی ہے۔ فوزیہ نے ٹھیک کہا ہے۔ قبول کرنے کو صرف صورت کا پیمانہ ہی تو نہیں...... اور بھی بہت کچھ دیکھا جاتا ہے۔ میں بدصورت سہی، پر میرا من خوبصورت ہے۔ میں انسان کا قدردان ہوں۔ میں خوبصورت سوچوں کا مالک ہوں۔ زندگی کا رویہ مجھ سے کیسا ہی سہی۔ میرا رویہ اس سے مثبت ہے۔ میں نے گھبرا کر خودکشی کا کبھی نہیں سوچا۔ زندگی کے تلخ اور زوردار تھپیڑے کھا کر بھی اس سے محبت ہی کی ہے۔ اب کیا ہے جو میں ڈوبنے لگا ہوں۔ مجھے اپنا مورال بلند رکھنا ہے۔ جیہ کو میں اتنی محبت دوں گا۔ اس طرح ٹوٹ کر چاہوں گا کہ میری شکل میری محبت کے حسن تلے دب جائے گی۔"

ایسی سوچوں نے انہیں سہارا دیا تھا۔ وہ اپنے دل کو ٹٹولنے لگے تھے۔ ابھی سے ان کے دل میں ان دیکھی جیہ کی محبت انگڑائیاں لینے لگی تھی۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ ان کا رواں رواں سراپا انتظار ہے۔ ان کے اندر جلنے والی برسوں کی تمنا کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ آخر کو تو آدمی تھے۔ گوشت پوست کے بنے ہوئے جن کے سینے میں دل دھڑکتا تھا۔ جذبات مچلتے تھے۔ چاہنے اور چاہے جانے کی خواہشیں تڑپتی تھیں۔ وہ اندر سے پورے مکمل اور بھرپور انسان تھے۔ اپنی ساری صلاحیتوں اور مردانہ وجاہتوں کے ساتھ پورے مکمل اور بھرپور انسان۔

لیکن

جوں جوں فوزیہ کے فون کا وقت قریب آ رہا تھا، ان کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی



تھی۔ ان ہونے والی بات تھی۔

اس کے بعد؟

ان کی سوچیں بکھر بکھر جاتی تھیں۔

کبھی سہانا مستقبل تصور کے دریچے سے جھانکتا۔

اور

کبھی

اندوہناک اندھیروں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیتا۔

اندوہناک اندھیروں کا سمندر۔ جس میں روشنی کی کوئی رمق نہ ہوتی۔

فون کی گھنٹی بجی۔

ریسیور اٹھاتے ہوئے ان کا دل کانپ گیا۔

لیکن یہ فوزیہ کا فون نہیں تھا، تابش بول رہے تھے۔

"ہو گیا فیصلہ، کیا اطلاع ملی؟"

"فوزیہ بھابی کے فون کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"تو گویا کشمکش جاری ہے جذبات کی۔" ہنس کر تابش نے کہا۔ جلالی نے گہری سانس لے کر کہا۔ "سمجھ نہیں آتا، کیا ہو رہا ہے۔"

"سمجھ آ جائے گی جناب۔ بیگم صاحبہ کو یہاں آ لینے دیں، پھر دیکھئے گا۔"

تابش چند لمحے چھیڑتا رہا۔ پھر اطلاع ملنے پر فوراً اطلاع دینے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔

چند لمحوں بعد پھر گھنٹی بجی۔

اب کے شوالی تھی۔ منصور اور وہ فیصلہ سننے کو بے تاب تھے۔

جلالی کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ پورے سات بجکر تین منٹ تھے۔ یقیناً یہ فوزیہ ہی کا فون تھا۔ جلالی کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"ہیلو۔"

"فوزیہ رفیق...... جلالی بھائی۔"

"جی فرمایئے۔"

"مبارک ہو۔"

"جی؟"

"مبارک ہو بھائی۔ میری تگ و دو کام آئی۔ رشتہ طے ہو گیا ہے۔ خدا مبارک کرے۔"

جلالی شکریہ بھی نہ کہہ سکے۔ ان کی حالت عجیب تھی۔

فوزیہ نے فون پر ساری تفصیلات سے انہیں آگاہ کیا۔ نکاح کی تاریخ اور وقت سے مطلع کیا۔ ضروری کاروائیوں کا بتایا۔

"جیہ کا پاسپورٹ عنقریب بن جائے گا۔ پاسپورٹ ملتے ہی نمبر بھجوادیں گے۔ آپ ویزا کی کوشش کریں...... بس......"

جلالی جیسے کسی عامل کے عمل سے مسحور تھے۔ جو کچھ فوزیہ کہتی رہی، وہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ بالکل مکینیکل انداز میں۔

فوزیہ نے فون بند کرنے سے پہلے کہا۔ "جیہ کی تصویریں پوسٹ کر دی ہیں۔ کہیں تو کسی دن فون پر بات بھی کروادوں؟"

"جی؟......جی۔"

فوزیہ ہنس پڑی۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔ "جلالی بخدا اب اپنے آپ میں کانفیڈنس پیدا کیجئے۔ گھر آباد کر رہے ہیں جناب۔"

"بہت بہتر۔" جلالی نے مشینی انداز میں کہا۔

کچھ دیر فون پر باتیں ہوتی رہیں۔ فوزیہ نے پیسے کی تفصیل بتانا چاہی تو جلالی بولا۔ "بھابی کمال کرتی ہیں آپ۔ مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جو چاہتی ہیں کریں۔ بلکہ...... بلکہ ہر شوق پورا کریں ان کا۔"

"شکریہ۔"

فون بند کرنے کے بعد جلالی ریسیور تھامے چند ثانیے کھڑے رہے۔ پھر



آہستگی سے ریسیور رکھ دیا۔ ان کی حالت اب بھی عجیب تھی۔ خوشی تھی یا فکر انہیں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔

مسز ہیرلڈ کچن میں تھی۔ اسے بھی فوزیہ کے فون کا انتظار تھا۔

جلالی فون پر اردو میں بات کر رہے تھے۔ اس لیے وہ سمجھ نہ پائی تھی کہ کیا فیصلہ ہوا ہے۔ جلالی فون رکھ کر کرسی میں پڑ گئے تو وہ کمرے میں آئی۔

"مسٹر جلالی۔"

"ہوں۔"

"کیا خبر ہے؟"

"کس کی؟"

"فوزیہ رفیق کی۔"

جلالی نے کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مارا اور اٹھتے ہوئے بولے۔ "کچھ سمجھ نہیں آرہی مسز ہیرلڈ۔ سب لوگوں نے گھیر گھار کے شادی رچادی ہے۔"

"اوہ...... بہت خوب۔" مسز ہیرلڈ نے خوشی سے تالیاں بجائیں اور پھر بڑے پیار سے جلالی کو مبارکباد دی۔

-------O-------

"مشتاق جلالی جی۔ آپ کو فرشتہ رحمت کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ جیسے بھی ہیں میرا رواں رواں آپ کا احسان مند ہے۔ آپ نے کیا کیا ہے، آپ کو کیا بتاؤں۔ آپ نے میرے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے چہروں پر خوشیوں کے رنگ بکھیر دیئے ہیں۔ مایوسی اور ناامیدی کی کُہر جو گھر کی فضا کو مکدر بنائے رکھتی تھی، چھٹ گئی ہے۔ میرے خوشیوں سے ناآشنا ماں باپ کے چہرے دمک رہے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں چمک ہے۔ ان کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی ہے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے گھر کی فضا قہقہہ بار ہو اور یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ سب سے بڑا احسان تو یہ ہے کہ آپ نے ہمیں تایا' تائی اور ان کی اولاد کے مقابلے میں ایکا ایکی اتنا اونچا کر دیا ہے کہ اب وہ گردن اٹھا کر ہمیں دیکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں محض دولت کی خاطر چھوڑ دیا تھا جلالی جی لیکن آپ نے اتنی دولت ڈھیر کر دی میرے قدموں میں کہ وہ سٹپٹا رہے ہیں۔ ہراساں ہیں اور...... تو اور...... وہ نوید......"

جیہ تصویر سامنے رکھے دل ہی دل میں اس سے باتیں کر رہی تھی۔ ان دنوں اس کی شادی کی تیاریاں بڑے کروفر سے ہو رہی تھیں۔ فوزیہ اور صوفیہ روز ہی آتی تھیں اور شاپنگ کے لیے اسے اور تانیہ کو ساتھ لے جاتی تھیں۔ جو کچھ خریداری ہو رہی تھی۔ وہ محلے والوں کے لیے حیرانگی کا باعث تھی۔ چرچے ہو رہے تھے۔ جیہ کی قسمت جاگ اٹھنے کی باتیں ہو رہی تھیں۔ جیہ کے گھر کے افراد کے لیے تو خوشیوں کے سوتے ابل پڑے تھے۔ چہک ہی چہک تھی، گھر میں رات گئے تک نصیبے کی اس یاوری کی باتیں ہوتی تھیں۔ ابا تو پھولے نہ سماتے تھے۔

"کل مجھے فلاں آدمی نے پوچھا۔"



"آج فلاں نے پوچھا۔"

"زیور کی تو دھوم مچی ہے۔"

"جیہ کے امریکی گھر کے چرچے لوگ بازار میں کر رہے ہیں۔"

"ہمیں تو پوری طرح اندازہ ہی نہیں۔ جیہ کے نصیبے پر لوگ ابھی سے رشک کر رہے ہیں۔"

"بھلی لوگ، لوگوں کو سب کچھ نہ بتا دیا کرو، نظر نہ لگ جائے۔"

ریاض احمد جب یہ باتیں حامدہ سے کہتے تو ان کی آنکھوں سے ہونٹوں سے ہنسی خود بخود پھوٹ پڑتی۔ دنوں ہی میں ان کا رنگ کیسا نکھر آیا تھا۔ گال چمک اٹھے تھے۔ عمر سے کتنے ہی سال چھوٹے لگنے لگے تھے ورنہ اس معاملے سے پہلے تو یوں لگتا تھا، بڑھاپا ان پر بڑی تیزی کے ساتھ حملہ آور ہو رہا ہے۔

تانیہ اور امی...... اماں جانی۔ کیسی اٹھلاتی اٹھلاتی پھرتی تھیں۔ چہرے دمکنے لگے۔ بات بات پر قہقہے لگانے لگی تھیں۔ ربو، ثانی، مانو اور عتیقہ کی بھی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا۔ اماں سے بات بات پر جھڑکیاں سننے والی بچیاں اب اتنا پیار پا رہی تھیں۔ اماں کو اب غصہ تو جیسے آتا ہی نہیں تھا۔ بھائی بھی خوش تھے۔ نوید کی منگنی اور اس سے پہلے ہونے والی ہتک آمیز باتوں نے ان کے خون کھولا دیئے تھے۔ بس نہیں چلتا تھا کہ ان لوگوں کو کیسے منہ توڑ جواب دیں۔ دل جلا کر رہ گئے تھے لیکن اب تو تقدیر نے ان لوگوں کو ایسا منہ توڑ جواب دیا تھا کہ ان کے سینے فخر سے تن گئے تھے۔ اس کے علاوہ بھی کئی سوچیں تھیں۔ ریحان نے ابھی سے باہر جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ جیہ سے وہ اکثر ہنس کر کہتا۔

"بھئی جیہ امریکہ نہ سہی انگلینڈ تو پہنچا دینا۔ سنا ہے جلالی کا کاروبار وہاں بھی ہے۔ مجھے منیجر بنوا دینا۔"

"جیہ مجھے دوبئی تک پہنچا دینا......" امجد کہتا۔ "تمہارے لیے کیا مشکل ہوگا۔ بھئی اپنی زندگی بن جائے گی۔"

جیہ اسے مذاق نہ سمجھتی۔ دل میں پکا پکا ارادہ کر لیا تھا اس نے کہ کم از کم ان دو

بڑے بھائیوں کو تو ضرور بلوالے گی۔ وہ ایک دفعہ باہر نکل گئے تو گھر کی حالت ہی بدل جائے گی۔ پھر اس نے چھوٹی بہنوں کے لیے بھی سوچ لیا تھا۔ جلالی کے کوئی نہ کوئی تو ملنے والے ہوں گے، ان کی شادیاں بھی وہ ضرور اپنی کوششوں سے اچھی جگہ کروادے گی۔ جیہ بچی نہ تھی۔ گھر میں آنے والے خوشگوار انقلاب کو وہ دیکھ رہی تھی۔ محسوس کر رہی تھی اور جانتی تھی کہ یہ سب کچھ جلالی کی وجہ سے ہوا ہے۔

نوید اس کا بچپن کا ساتھی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے چھوٹ جانے کا اسے صدمہ ہوا تھا لیکن یہ صدمہ وہ دل ہی دل میں جھیل رہی تھی اور اگر نوید اوچھے ہتھکنڈوں پر نہ اترتا تو شاید صدمہ دل کے کسی گوشے میں مستقل مقام بنا لیتا لیکن اب تو وہ اس سے چڑ گئی تھی۔ کبھی کبھی تو یوں لگتا کہ وہ اس سے نفرت کرنے لگی ہے۔

چند دن پہلے کی ہی تو بات تھی۔

وہ اپنی بڑی پھپھو کے ہاں گئی ہوئی تھی۔

نوید بھی آ گیا۔

"جیہ......"

"ہوں......"

"کیا بات ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"اداس لگتی ہو۔" وہ ہنس کر بولا تھا۔

جیہ نے ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈالی تھی اور اٹھ کر اندر پھپھو کے پاس جا بیٹھی تھی۔ وہ بھی اس کے پیچھے اندر آ گیا تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں جو ہر پھر کر نادرہ کی دولت پر آ گئی تھیں۔ عثمان اور ثمینہ بھی بیٹھے تھے۔

"تمہاری تو عیش ہو گئی۔" پھپھو کے بیٹے عثمان نے ہنس کر کہا۔

"انگوٹھی تو دکھاؤ۔"

نوید نے انگوٹھی والی انگلی عثمان سے زیادہ اس کے برابر بیٹھی جیہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا تھا۔ "اچھی طرح دیکھو۔ بہت قیمتی ہے، خسارے میں نہیں رہا میں۔"



"ایک اکیلی تو ہے نادرہ۔" پھوپھو نے پیار سے کہا۔ "سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔"

"مار گئے میدان۔" ثمینہ نے کہا۔

نوید دل جلانے کو جیہ کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنستا رہا اور جیہ سوچتی رہی کہ کیا واقعی وہ دولت پا کر اتنا خوش ہے۔

پھر

اس دن

وہ اور مانو بازار گئی تھیں۔ مانو نے سلائی کے لیے ایک گز پاپلین خریدنا تھی۔ دونوں دائیں ہاتھ والی دکان میں گئیں۔ دکان میں خاصی بھیڑ تھی۔ مختلف کاؤنٹر تھے جہاں گاہک خریداری میں مصروف تھے۔

برابر والے کاؤنٹر پر بنارسی ساڑھیاں پڑی تھیں۔ حسینہ، رقیہ اور نوید ساڑھیاں دیکھ رہے تھے۔

جیہ نے چاہا ان کی نظر پڑنے سے پہلے ہی دکان سے نکل جائے لیکن نوید نے اسے دیکھ لیا۔ دیکھتے ہی بولا۔ "آؤ جیہ۔ تم بھی رائے دو۔ کون سی ساڑھی اچھی ہے؟"

حسینہ نے منہ بنایا۔

رقیہ کے ماتھے پر بھی بل پڑ گئے۔

لیکن

نوید اصرار کرنے لگا۔ "جیہ نادرہ کے لیے تمہاری پسند کی ساڑھی خریدوں گا۔ بڑھیا سی ہو، تم پسند کرو۔ قیمت کی پروا نہیں۔"

جیہ بے دلی سے کاؤنٹر کی طرف آئی۔

حسینہ بڑبڑائی۔ "جیہ تو جیسے ایسی ساڑھیاں خریدتی رہتی ہے ناں۔ اسے کیا پتہ کیا ہوتی ہے پوت...... کمخواب......"

رقیہ بھی طنز سے ہنسی۔

"چلو اسی بہانے دیکھ لے گی جیہ بھی۔ کچھ تجربہ ہو جائے گا پوت وغیرہ کا۔"

نوید نے تمسخر سے کہا۔

جیہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیر گئی۔ اس کے دل سے آہ نکلی اور وہ مجروح دل و دماغ سے سوچتے ہوئے دکان سے باہر نکل گئی۔ نوید کی ذہنیت پر اسے غصہ بھی آیا تھا۔ اپنی بے چارگی اور کم مائیگی کا دکھ بھی ہوا تھا۔

وہ سوچتی رہی تھی۔

کیا

نوید

اس سے یوں انتقام لے رہا ہے یا واقعی اس کی آنکھوں پر دولت نے پردے ڈال دیئے ہیں۔

"جو کچھ بھی ہے جلالی جی...... اب تو ہم تمہارے آپ ہمارے۔" جیہ نے پھر تصویر اٹھالی۔ "ہم نے تو عقل کا سودا کیا ہے۔ دل کے سودے جذباتی دھاروں پر بہتے ہیں اور کبھی کبھی لے بھی ڈوبتے ہیں۔"

"جب......"

"جیہ......" تانیہ نے صحن سے اسے پکارا۔ جیہ نے جلدی سے تصویر تکیے تلے رکھ دی۔

"جیہ......" تانیہ کی پھر آواز آئی۔

"جی باجی۔"

"بھئی چلنا نہیں؟"

"کہاں؟"

"صوفیہ کے ہاں۔"

"کیوں؟"

"بازار جانا ہے وہاں سے جو چیزیں رہ گئی ہیں خرید لائیں۔ جیولر سے زیور بھی آج لانا ہے۔"

جیہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ آخری جملہ تانو نے اتنی بلند آواز سے کہا تھا۔ جیہ سمجھ گئی تھی کہ وہ برابر والوں کو سنا رہی تھی۔



"آتی ہوں باجی۔" جیہ بستر سے اٹھی۔ تکیے کے نیچے سے تصویر نکالی۔ ایک بار پھر اسے دیکھا۔ احسان مندی سے دیکھا اور تصویر چارپائی کے سرہانے پڑے اپنے بکس میں کپڑوں تلے رکھ دی۔ جب سے بات پکی ہوئی تھی، جیہ تنہائی میں اس تصویر سے دل کی باتیں کیا کرتی تھی۔ جوں جوں گھر میں خوشیوں کی پھوار تیزی سے پڑتی جارہی تھی، جیہ کے جذبات تصویر سے کچھ بھرپور ہی ہوتے جارہے تھے۔ خوشیاں اتنی تیزی سے در آئی تھیں کہ گھر کے کسی فرد نے اس تصویر کے متعلق پوچھا نہ کچھ کہا۔ پھر تصویر کے متعلق تو صرف فوزیہ نے تانو ہی سے کہا تھا۔ ربو اور ثانو یہ تصویر اڑا لائی تھیں۔ جیہ کو دے دی تھی۔ انہیں بھی پتہ کہاں تھا کہ تصویر جلالی کی نہیں کسی اور کی ہے۔

"جیہ جلدی کرونا، دیر ہو جائے گی۔ ابھی اتنے بہت سے کام کرنے ہیں۔" تانیہ صحن میں سے بولی۔

"آگئی باجی۔" جیہ نے جلدی جلدی بال درست کیے۔ ہلکی سی لپ اسٹک لگائی۔ کپڑوں کو برابر کیا اور بیگ اٹھا کر باہر آگئی۔

اماں صحن میں تخت پر بیٹھی تھیں۔ جیہ کو بڑے پیار سے دیکھا۔ ان کی نظروں میں کتنا اعتماد تھا۔ جیہ کو دلی خوشی ہوئی۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا اماں کو اتنا خوش اور ایسا پر اعتماد نہیں دیکھا تھا۔

"زیور سنبھال کر لانا۔" انہوں نے تانیہ سے کہا۔

"صوفیہ کی گاڑی میں جارہے ہیں اماں۔ وہ بھی ساتھ ہوں گی، آپ فکر نہ کریں۔"

"جاؤ۔"

"اچھا۔"

تانیہ نے دوپٹہ سر پر اوڑھتے ہوئے کہا۔ جیہ نے بھرپور نظروں سے اسے دیکھا۔ کتنی خوش تھی وہ۔ کیسے دوڑ دوڑ کر کام کر رہی تھی۔ اپنے دکھ تو وہ بھول ہی گئی تھی۔ جیہ نے دل ہی دل میں عہد کر لیا کہ وہ تانو باجی کے لیے بہت کچھ کرے گی۔ کم از کم اتنا کہ وہ کسی کی مالی طور پر محتاج نہ رہیں۔

دونوں بہنیں اماں کو سلام کر کے باہر نکل آئیں۔

صوفیہ بتا رہی تھی۔ فوزیہ دوسرے کمرے میں ہے۔ لسٹ میں کچھ چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔ وہ نوٹ کر رہی ہے۔

چاروں گاڑی میں آبیٹھیں اور بازار کا رخ کیا۔

"پہلے جیولر کی طرف چلیں؟" فوزیہ نے پوچھا۔

"پہلے ڈریس کا پتہ کرلیں۔" صوفیہ بولی۔ "خدا کرے وقت پر تیار ہو جائے۔"

"ہو جائے گا۔" تانیہ بولی۔

"بہت شاندار ڈریس بنے گا۔" صوفیہ بولی۔ "جیہ کو خدا نظر بد سے بچائے۔ ہر چیز خوبصورت بنی ہے۔ زیور کا سیٹ تو بے حد نفیس ہے۔"

"قیمت بھی تو نفیس ہے۔" تانیہ ہنسی۔

"بھئی یہ چیزیں تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ وہاں جا کر دیکھے گی جیہ...... ایوننگ ڈریسز جو ہوتے ناں...... بس...... کیا بتاؤں۔ اور اسے ماشاء اللہ پیسے کی کمی تو ہو گی نہیں۔ جو جی چاہے گا، بنائے گی۔"

فوزیہ نے کہا اور پھر ایوننگ ڈریسز کے متعلق انہیں بتانے لگی۔

"زیادہ کپڑے اس لیے نہیں بنوائے۔ یہ کپڑے وہاں نہیں چلتے۔" اس نے کہا۔ "سکرٹ، پینٹیں، جینز پہنا کرے گی جیہ۔" صوفیہ نے مسکراتے ہوئے جیہ کو دیکھا۔ "کبھی نہ کبھی میں ضرور آؤں گی تمہارے پاس۔ مہمان بناؤ گی نا؟"

جیہ مسکرا کر بولی۔ "بسر و چشم۔"

"اور اگر جلالی نے کہا، یہ کون مفت کی مہمان آن دھمکی تو؟"

جیہ کا چہرہ گلابی ہو گیا۔

باتیں کرتے وہ چاروں درزی کے پاس گئیں۔ تین بنارسی ساڑھیوں کو فال لگ چکی تھی۔ بلاؤز بھی سل گئے تھے۔ چوڑی دار پاجامہ اور پشواز بھی تیار تھی۔ کچھ سادہ کپڑے بھی مل گئے لیکن عروسی جوڑا ابھی مکمل نہ ہوا تھا۔ قیمتی کمخواب کا بھاری غرارہ اور کرتی سل چکی تھی۔ دوپٹے پر کام بھی ہو چکا تھا لیکن ابھی کنارے بننے باقی تھے۔



کرن اور گوٹہ ٹکنا باقی تھا۔

تیار شدہ کپڑے لے کر گاڑی میں رکھے اور چاروں جیولر کے پاس چل دیں۔ اتفاق کی ہی بات کہ نوید کی بہنیں اور وہ خود جیولر کی دکان میں تھے۔ نادرہ کے لیے سیٹ کا انتخاب ہو رہا تھا۔ درمیانے سیٹ ان کے سامنے مخملیں ڈبوں میں کھلے رکھے تھے۔

نوید نے جیہ کو دیکھا۔ جیہ نے مسکراتے ہوئے اسے ہیلو کہا۔ تانیہ کی بھی ان سب سے رسمی سی علیک سلیک ہوئی۔ نوید آج کچھ بجھا بجھا سا تھا۔

"زیور بنا ہے؟" فوزیہ نے جیولر سے پوچھا۔

"جی بیگم صاحب۔" جیولر بڑے ادب سے بولا۔

سیل مین حسینہ وغیرہ کو سیٹ دکھا رہا تھا۔ جیولر خود فوزیہ، جیہ، تانیہ اور صوفیہ کو اٹینڈ کرنے لگا۔ سیف سے ان کا آرڈر پر بنا ہوا سیٹ نکال کر اس نے کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ نورتن کا بھاری اور انتہائی خوبصورت سیٹ بیش قیمت تھا۔ حسینہ نوید نے کن انکھیوں سے اس سیٹ کو دیکھا۔ ان کے چہروں کے تاثرات دیکھ کر جیہ مسکرا دی۔ اس کا جی بے اختیار چاہا کہ نوید سے پوچھے۔ "پسند آیا یہ سیٹ؟"

نوید نے جب سے جیہ کے رشتے اور شادی کے چرچے سنے تھے۔ ساری چھک ختم ہو گئی تھی۔ جیہ پر طنز کرنا اور اسے جلانا تو بھول ہی گیا تھا۔

فوزیہ نے سیٹ کی قیمت ادا کی۔ چوڑیاں بن چکی تھیں۔ ان کی پالش باقی تھی ابھی۔

"کندن کا سیٹ بھی ایک دو دن میں مل جائے گا۔" جیولر نے کہا۔

"بس تاخیر نہ کرتے جائیں۔ چھبیس کو ساری چیزیں چاہئیں، سیٹ بھی، چوڑیاں بھی اور مالا بھی پورا سیٹ۔"

"فکر نہ کریں بیگم صاحبہ، تیار ہو جائے گا سب کچھ۔"

"شادی تو اٹھائیس کو ہے نا؟" اس نے پوچھا۔ نوید نے چونک کر جیہ کی طرف دیکھا۔

"دو دن پہلے بھی زیور نہ دیں گے؟" صوفیہ بولی۔

"فکر نہ کریں۔ ہو سکتا ہے کل شام تک ہی دے دوں۔"

نورتن کا سیٹ فوزیہ نے اٹھا لیا۔ باقی چیزیں وقت مقررہ پر دینے کی بار بار تاکید کرتے ہوئے سب کرسیوں سے اٹھیں۔

حسینہ اور نوید کو کچھ سبکی کا احساس ہونے لگا تھا۔ جیہ کے نورتن کے سیٹ کے سامنے یہ چھوٹے موٹے سیٹ کتنے حقیر لگ رہے تھے۔

جیہ وغیرہ کے جانے کے بعد حسینہ نے بطور خاص باقی زیور کی تفصیلات جیولر سے دریافت کیں۔ جیہ کے لیے اتنا زیور؟ اسے اس بات سے حیرت ہوئی تھی۔

-------O-------



شادی کی دعوت کا اہتمام فوزیہ نے ہی کیا تھا۔ جلالی کی طرف سے دل کھول کر خرچ کرنے کی اجازت تھی، اس لیے وہ دل کھول کر ہی خرچ کر رہی تھی۔ لاشعوری طور پر اس فراخدلی کا مقصد جلالی کی بے پناہ بد صورتی کو متوازن کرنا تھا۔ وہ جیہ اور اس کے خاندان والوں پر بے دریغ پیسہ خرچ کر کے احسان کا بار اس قدر ڈال دینا چاہتی تھی کہ شکل و صورت کا معاملہ ثانوی بھی نہ رہے۔

فائیو سٹار ہوٹل میں عشائیہ معمولی بات نہ تھی۔ مینو اس نے خود ہی تیار کیا تھا۔

"مہمان جتنے چاہیں بلا لیں۔" اس نے جیہ کے امی اور ابو سے کہا تھا۔

اور

وہ بھی شاید گھر پہ دعوت دیتے تو اتنے لوگوں کو مدعو نہ کرتے۔ ہوٹل میں دعوت تھی اور بھی وہ شہر کے سب سے اونچے اور مہنگے ہوٹل میں۔ اس لیے لوگ چن چن کر بلائے تھے۔ خاص طور پر ان لوگوں کو مدعو کیا تھا جو جیہ کے رشتے کی بات سن کر ہی باتیں بنانے لگے تھے۔ انہوں نے حسینہ کے سسرال والوں تک کو پیغام بھیجا تھا اور نوید کے ہونے والے رشتہ داروں کو خاص طور پر بلایا تھا۔

جیہ کے لیے جو ملبوسات فوزیہ نے تیار کروائے تھے اور جتنا زیور خریدا تھا، جیہ کے والدین نے تو اس کی جیسے نمائش لگائی تھی۔ گھر پہ سب کو بلا کر یہ چیزیں دکھائی تھیں۔ یہ لوگ اتنے اوچھے تھے نا چھچھورے لیکن انہوں نے جو چرکے کھائے، اس کا مداوا یوں کر رہے تھے۔ نوید اور اس کے گھر والوں کو تو یہ سب کچھ دکھانا دل ٹھنڈا کرنے کے لیے بہت ضروری تھا۔

اور

یہ لوگ

جب چیزیں دیکھتے ہوئے مصنوعی مسکراہٹیں پیدا کرنے کی کوشش میں بار بار ناکام ہو رہے تھے تو جیہ کے گھر والوں کے دل خوشی سے پھٹے جا رہے تھے۔

"یہ ہیروں کا سیٹ جلالی صاحب نے وہیں سے خرید کر بھیجا ہے۔ میں نے یہاں جیولر کو دکھایا تو ششدر رہ گیا۔ اس نے اس کی کم از کم قیمت دو لاکھ بتائی ہے۔"

"اور یہ کندن کا سیٹ تو فوزیہ نے میرے سامنے ہی خریدا ہے۔"

"یہ نورتن بڑا قیمتی ہے۔ قیمت نہیں بتاتی۔ نظر نہ لگ جائے۔"

"یہ ویڈنگ ڈریس۔ اتنا بھاری ہے۔ جیہ تو چاہتی تھی کہ ہلکا سا ہو لیکن جلالی صاحب نے وہاں سے فون کیا۔"

"یہ ساڑھیاں انہوں نے ہی خریدنے کو کہا تھا۔"

"یہ لباس۔ اللہ اللہ۔"

"اور فوزیہ تو کہہ رہی ہیں، یہ چیزیں کچھ بھی نہیں۔ جیہ اصلی چیزیں تو وہاں جا کر لے گی۔ بھئی وہ تو جو کچھ اس کے گھر کے متعلق بتاتی ہیں، جادو کا کھیل لگتا ہے۔"

"بٹن دباؤ تو یہ ہو گیا، بٹن دباؤ تو وہ ہو گیا۔"

"اس کے گھر میں ایک پورے کا پورا کمرہ گھومنے والا ہے۔ بٹن دباؤ تو کمرہ گھومنے لگتا ہے۔"

"بیڈ بھی ایسا ہے کہ بٹن دباؤ تو خود بخود جھولے کی طرح آہستہ آہستہ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر جھولنے لگتا ہے۔"

"خدا نظر بد سے بچائے رکھے۔"

"بہت بڑا کاروبار ہے جلالی کا۔ کروڑوں کا مالک ہے۔ ایک لاکھ نقد تو مہر بندھا ہے۔"

جیہ تو دہلیز سے لگی کھڑی چپ چاپ ان چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔ تانیہ آنے والوں کو ایک ایک چیز کی تفصیل بتا رہی تھی۔ خاص کر اپنی تائی اور ان کی مغرور بیٹیوں کو تفصیلات بتا رہی تھی۔ ان کے چہرے پھیکے پھیکے تھے۔ چیزیں بلاشبہ بے انتہا خوبصورت اور قیمتی تھیں اور پھر زیور کے متعلق تو حسینہ جیولر سے پوری پوری تفتیش بھی کر چکی تھی۔



"خدا مبارک کرے۔" کسی ہمدرد رشتہ دار خاتون نے کہا۔ "جیہ واقعی بڑی خوش قسمت ہے۔"

"قدرت واقعی اپنا آپ دکھاتی ہے۔ ریاض اور حامدہ نے تانیہ کے تھوڑے دکھ جھیلے ہیں۔" کسی دوسری خاتون نے کہا۔

"کسے خیال تھا کہ جیہ کا نصیب یوں کھلے گا۔" ایک اور عورت بولی۔

ہمدرد عورتوں کی ٹولی خوش ہو ہو کر چیزیں دیکھتے ہوئے باتیں کر رہی تھی۔ بہت سے رشتے داروں کو یہ بھی علم تھا کہ نوید کا رشتہ جیہ سے صرف غریبی کی وجہ سے نہیں کیا گیا تھا۔ اس لیے یہ عورتیں کچھ انہی لوگوں کو سنا سنا کر باتیں بھی کر رہی تھیں۔

چوٹیں تواتر سے پڑ رہی تھیں۔ نوید کی امی تو اس کمرے سے اٹھ کر ہی چلی گئی۔ بڑی بہن بھی ادھر ادھر ہو گئی۔

لیکن حسینہ تیز تھی، تنک مزاج بھی تھی۔ برداشت کا مادہ کہاں تھا۔ جیہ کو دیکھ کر ان عورتوں سے بولی۔ "یہاں تک تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ آگے کی خیر مانگیں۔"

جیہ بیچاری کا دل دھک سے رہ گیا۔ ایک خاتون نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

"ان لڑکیوں کو۔" اس نے جیہ اور تانیہ کی طرف نظریں گھما کر دیکھتے ہوئے بڑے طنز سے کہا۔ "سسرال میں گزارہ کرنے کی عادت نہیں۔ یہ بھی تانیہ کی طرح بوریا بستر اٹھا کر بھاگ نہ آئے۔"

"ہائے ہائے بچی خیر مانگو۔" دو تین عورتیں حسینہ کے پیچھے پڑ گئیں۔ تانیہ نے حسینہ کی بات سنی نہیں۔ ہاں جیہ کا جی جل گیا۔ اس کا بس چلتا تو حسینہ کو دھکے دے کر کمرے سے نکال دیتی۔ وہ بیزار ہو کر وہاں سے ہٹ گئی۔

رات فنکشن بڑا شاندار تھا۔ ہوٹل کے ہال کو دلہن کی طرح آراستہ کیا گیا تھا۔ ایک طرف مخملیں مسند بنائی گئی تھی جس کے چاروں طرف پھولوں بھری زرتار لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ روشنیوں کا انعکاس مسند پر اتنے دلفریب انداز میں کیا گیا تھا کہ ٹھاٹ نکھر گئی تھی۔ جیہ کو عروسی جوڑا پہنایا گیا تھا۔ میک اپ کرنے کے لیے بیوٹی پارلر

سے خاتون آئی تھی۔ شکل وصورت پیاری تھی۔ اس پر اتنی چابکدستی سے میک اپ کیا گیا تھا۔ بالوں کا سٹائل بنایا گیا تھا کہ جیہ کوئی آسمانی مخلوق لگنے لگی تھی۔ جھلمل کرتے لباس اور جگمگاتے زیورات نے اس کے حسن کو حسین بنا دیا تھا۔ وہ مسند پر تکیے کے سہارے بیٹھی تھی۔ دولہا تو یہاں تھا نہیں جو شرمائی لجائی ہوتی۔ پھر بھی حیاء کے سائے اس کے چہرے پر پڑ رہے تھے اور کبھی کبھی کسی نئی دلہن کی شوخی اور کسی سہیلی کی شرارت پر اس کا سر جھک جاتا تھا۔

اسے لڑکیوں اور نئی بیاہتا عورتوں نے گھیر رکھا تھا۔ فوٹوگرافر دھڑا دھڑ تصویریں لے رہے تھے۔ بار بار تصویریں اتروانے کا جنون جوان لڑکیوں کو بہت تھا۔ فوٹوگرافر جب بھی مسند کی طرف کیمرے کا رخ کرتا، وہ جیہ پر پل پڑتیں۔

جیہ کی سہیلیاں مذاق میں مشغول تھیں۔ نازیہ کی تو پچھلے ماہ شادی ہوئی تھی۔ وہ اپنے نئے نئے تجربے اس کے گوش گزار رہی تھی۔

"بھئی نہ کرو۔" جیہ اس کی باتیں سن کر گھبرا کر بولی۔

"کام آئیں گی بنو بڑے پتے کی باتیں ہیں۔" اپنی دو سالہ بچی کو گود سے اتارتے ہوئے اس کی شوخ وشنگ سہیلی سائرہ نے کہا۔

"لیکن فائدہ کیا۔ دولہا تو یہاں ہے ہی نہیں۔" سلمیٰ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ایک دن میں بھول تھوڑا ہی جائے گی۔" نازیہ۔ "کل جا ہی تو رہی ہے اس کے پاس۔"

"کل؟"

"ہاں کل صبح چار بجے کی فلائیٹ سے۔"

"ایک دن میں جتنا مواد بھر سکتی ہوں، بھر دوں گی اس کے کانوں میں۔ ہاں تو سنو جیہ جی، یوں کرنا...... کہ......"

جیہ نے اپنا سر قدرے پیچھے کر لیا۔ نازیہ اس کے کان میں کوئی بکواس کرنے والی تھی نا۔

سہیلیوں کی چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی۔ مہمانوں کی ریل پیل تھی۔ روشنیوں کے



غبار میں رنگ برنگے لباس چمک رہے تھے۔ مستعد بیرے سروس میں مصروف تھے۔ لوگ اِدھر سے اُدھر آ جا رہے تھے۔ کچھ لوگ باہر لان میں چلے گئے تھے۔ کچھ خواتین کو بچوں نے تنگ کر رکھا تھا اور وہ انہیں بہلانے باہر نکل گئی تھیں۔

ہنگامہ پورے جوبن پر تھا۔

اور

ایسا ہی ہنگامہ جیہ کے من میں پورے جوبن پر تھا۔ پچھلی یادیں اور آنے والی سوچیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ کبھی ماں باپ بہنوں سے بچھڑنے کا دکھ گھمبیر ہو رہا تھا اور کبھی جلالی اور اس کے خوبصورت گھر میں اک نئی دنیا بسانے کا تصور مسحور کر رہا تھا۔ کبھی کبھی نوید بھی چٹکی بن کر دل میں ہلچل پیدا کر دیتا تھا لیکن اس ہلچل کو نفرت اور بیزاری کی لہر اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ کس کس طرح اس نے جیہ کا دل جلایا تھا اور اب تو جیہ کو یوں لگ رہا تھا کہ جل جل کر راکھ سے اک نئی جیہ نے جنم لیا ہے۔

نئی جیہ

جو اس موقعے پر خوش ہے۔ جو اس ان دیکھے انسان کی پجارن ہے جس نے اس کے گھر میں بے پناہ خوشیوں کے ریلے بھیجے ہیں۔ جاں فزا خوشیوں اور مسرتوں کی بوچھاڑ بھیجی ہے۔

وہ سر اٹھا کر اپنے والدین کو دیکھ رہی تھی۔

اپنی زندگی میں آج پہلی بار وہ انہیں اتنا خوش دیکھ رہی تھی۔

احساس تفاخر ان کے چمکتے چہروں سے چھلک رہا تھا۔ خوشی سے ان کا پاؤں زمین پر نہ پڑ رہا تھا۔ آج وہ کتنے بلند، کتنے معتبر اور کیسے پروقار لگ رہے تھے۔ فیاض تایا اور راشدہ تائی کے سامنے سر اٹھا کر سینہ تان کر چل پھر رہے تھے۔ کتنی وقعت تھی ان کی۔ کیسا مقام ملا تھا انہیں۔

ماں باپ تو ماں باپ وہ تو ثانیہ باجی کو بھی دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ ان کا بجھا بجھا چہرہ آج کتنا چمک رہا تھا۔ کتنے اعتماد سے وہ مہمانوں کی خاطر مدارت میں مصروف تھی۔ وہ اکڑی گردنوں اور ان کو اپنے سے ہمیشہ کمتر سمجھنے والے رشتہ دار مہمان

کس انکساری سے پیش آ رہے تھے۔ بھرے ہال میں تانیہ کتنی منفرد ہو گئی تھی اور تو اور اس کی چھوٹی بہنیں کیسی اٹھلاتی اٹھلاتی پھر رہی تھیں۔ ان کے چہرے چمک رہے تھے۔ مسکراہٹیں سنہری سنہری تھیں۔ عتیقہ کو تو مسز احمد اور مسز نواز بار بار اپنے پاس بلا رہی تھیں۔ ان کی نظروں میں بے انتہا پسندیدگی تھی۔ دونوں کو اپنے بیٹوں کے لیے رشتے درکار تھے اور جس انداز سے وہ عتیقہ کو دیکھ رہی تھیں، جیہ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ عتیقہ ان کی نظروں میں اتر گئی ہے۔

خوشی کی بھرپور لہریں اس کے من میں اٹھ رہی تھیں اور اس کا بے اختیار جی چاہ رہا تھا کہ اپنے بٹوے میں رکھی تصویر نکالے اور بھرے ہال میں سب کے سامنے اسے سجدہ کرے۔ اس فرشتہ رحمت کے حضور یوں اپنا نذرانہ عقیدت پیش کرے جس نے اس کے پورے خاندان کی کایا ہی پلٹ دی تھی۔ سماجی حیثیت بدل دی تھی۔ گھریلو فضا بدل دی تھی۔

کھانے کے بعد محفل موسیقی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ چیدہ چیدہ گانے کے رسیا لوگوں کو دعوت دی گئی تھی۔ کافی مہمان کھانے کے بعد چلے گئے تھے۔ اب ہال میں نسبتاً سکون تھا۔ مشہور مغنیہ اپنے سازندوں سمیت ایک طرف بنی سٹیج پر براجمان ہو چکی تھی۔ اہل ذوق ہمہ تن گوش اس کی سریلی آواز کے منتظر تھے۔

دلہن کی رخصتی کا مسئلہ تو تھا نہیں، اس لیے رات بھر گانے بجانے کا پروگرام تھا۔

رات بھیگتی جا رہی تھی اور مغنیہ کی آواز کا جادو پھیلتا جا رہا تھا۔ ایک ایک مصرعے پر داد دی جا رہی تھی۔ داد روپے لٹا کر بھی دی جا رہی تھی اور زبانی زبانی بھی۔ مغنیہ پرکشش، خوبصورت اور اداؤں سے لبھانے والی شخصیت تھی۔ سامعین کے ہاتھ بار بار جیبوں میں جا رہے تھے۔ اب تک ہزاروں روپے نچھاور کیے جا چکے تھے۔

جیہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔ اس نے تانیہ کو اشارے سے بلایا۔

"باجی۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"یہیں لیٹ جاؤ۔"

"ہائے نہیں باجی۔"

"تو ٹھہرو۔ میں برابر والے کمرے میں دیکھتی ہوں۔ کوئی صوفہ وغیرہ ہوا تو



ادھر جا کر تھوڑی دیر آرام کر لینا۔"

"گھر نہ چلی جاؤں؟"

"نہ نہ۔ اکیلی وہاں کیا کرو گی؟"

"سو جاؤں گی۔"

"نہیں جیہ، ٹھہرو۔ میں یہیں بندوبست کر دیتی ہوں۔"

وہ چپکے سے برابر والے کمرے میں گئی۔ وہاں صوفے اور کرسیاں پڑی تھیں۔ اس نے جیہ کے لیٹنے کے لیے جگہ بنائی۔ باہر کھلنے والا دروازہ اندر سے بند کیا اور جیہ کو اس کمرے میں لے آئی۔

"یہاں جی چاہے تو سو بھی جانا..... وہ دروازہ میں نے لاک کر دیا ہے۔ اطمینان سے لیٹ جاؤ۔"

جیہ نے دوپٹہ اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ اتنا بوجھل دوپٹہ تھا کہ اس کا سر تھک گیا تھا۔

"توبہ بہت بھاری دوپٹہ ہے اور یہ غرارہ..... اف اللہ کتنا وزنی ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ابھی تو ایک بار پھر پہننا ہے۔" تانیہ مسکرائی۔

"کیوں؟"

"ہائے، توبہ توبہ، پلین میں ایسا کارٹون بن کر جاؤں گی کیا؟"

"تو کیا سادے کپڑے پہنو گی؟"

"نہیں تو کیا۔"

"اوں ہونہہ۔ دولہا میاں ایئرپورٹ پر آئے ہوں گے۔ دلہن کو دلہن کے روپ میں ہی دیکھیں تو لطف کی بات ہے۔ گھر جا کر دلہن بنی تو پھر وہ بات تو نہ ہو گی۔"

تانیہ کیسی شوخ ہوئی جا رہی تھی۔ جیہ کو شرم آنے لگی۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"اچھا تو لیٹ جاؤ..... آرام سے۔" تانیہ نے کہا اور پھر ہال سے ایکا ایکی شور اٹھا۔ کسی مصرعے پر مغنیہ کو بے پناہ داد ملی تھی۔ لوٹ لیا تھا اس نے محفل کو۔ تانیہ بات

ادھوری چھوٹ کر باہر لپکی، گانا سننے کا اسے بھی بہت شوق تھا۔

جیہ اسے یوں بے تابی سے جاتا دیکھ کر مسکرا دی۔

اس کے جانے کے بعد جیہ نے کمرے پر سرسری نگاہ ڈالی۔ خاصا بڑا کمرہ تھا۔ قالین پردے اور صوفے سیاہی مائل سرخ رنگ کے تھے۔ پرلی دیوار میں بڑے بڑے آئینے نصب تھے۔ ایک طرف کاؤنٹر بھی بنے ہوئے تھے۔ سرخ سرخ روشنیاں کمرے میں پھیلی ہوئی تھیں۔

جیہ صوفے سے اٹھی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے آئینے کی طرف بڑھی اور ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

اپنا سراپا آئینے میں دیکھ کر وہ خود ہی حیران ہو گئی۔ کتنا روپ آیا تھا اس پر۔ وہ چند لمحے ٹک ٹک اپنے آپ کو دیکھتی رہی اور اس کے دل میں بے اختیار یہ خواہش ابھری کہ کاش جلالی اس وقت یہاں ہوتے۔

اپنے خیال پر وہ خود ہی گھبرا گئی۔ ادھر ادھر یوں دیکھا جیسے اس کے دل کی چوری کوئی پکڑنے والا موجود نہ ہو۔ مطمئن ہو کر اس نے ہاتھ گردن کے پیچھے کیے اور بھاری کندن کے گلوبند کی ڈوری ڈھیلی کرنے لگی۔ گردن میں چبھ رہا تھا گلوبند۔

اس کے حرکت کرتے ہاتھ ایک دم رک گئے۔

اور

ایک لمحے کو وہ ششدر سی آئینے میں دیکھتی رہ گئی۔

پھر اس نے ہاتھ آگے کر لیے، گردن گھمائی۔

اور دیکھا۔

نوید سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

اس کے پوچھنے سے پہلے ہی کہ یہاں وہ کیوں آیا۔ وہ بجھی بجھی مسکراہٹ سے بولا۔ ”تمہیں مبارک دینے کا موقع نہیں ملا تھا..... اس لیے یہاں آ گیا ہوں۔“

”شکریہ۔“ جیہ جلدی سے صوفے کی طرف گئی اور دوپٹہ اٹھا کر کندھوں پر پھیلا لیا۔

نوید بھی اپنے قدموں پر گھوم گیا۔



جیہ کے دل میں کچھ اتھل پتھل ضرور ہوئی لیکن نفرت و بیزاری کی لہر اتنی تیزی سے اٹھی کہ سارے جذبے بہا لے گئی۔

”بہت خوش ہو۔“ نوید اسے حسرت سے تکتے ہوئے بولا۔

”تم بھی تو بہت خوش تھے۔“ جیہ نے طنز سے کہا۔

نوید چند لمحے چپ رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”خوش ہونے اور خوش ہونے کا اظہار کرنے میں بڑا فرق ہے جیہ۔“

جیہ تلملا گئی۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں تلے دبا لیا اور اس کے چہرے پر شعلوں کا عکس لہرانے لگا۔ تنک کر بولی۔ ”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”میں......“ نوید نے اک گہری سانس لے کر کچھ کہنا چاہا لیکن چپ ہو گیا۔ صرف جیہ کے سراپا کو اک نظر دیکھا۔

”شاید تم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ میری شادی ہو جانے سے تمہیں دکھ پہنچا ہے۔ مجھ سے بچھڑنے کی اذیت سے دوچار ہو۔“

”گو اب وقت گزر چکا ہے جیہ لیکن میرا جواب منفی میں نہیں ہے۔“ اس نے گہری گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

جیہ کا جی چاہا کہ اک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر دے مارے۔ جانے کیسے اس نے ضبط و جبر سے کام لیا۔ بڑے تیکھے انداز میں بولی۔ ”وقت گزر نہیں چکا نوید۔ وقت تو اب آیا ہے۔ کہو تو انکار کر دوں شادی سے۔“

”جیہ۔“ خوفزدہ ہو کر نوید بولا۔

جیہ ہنس پڑی۔ ”تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔ ورغلانے آئے ہو شاید لیکن نوید سن لو کہ میں خوش ہوں اور بے حد خوش ہوں۔ میں اس ان دیکھے انسان کی پرستش کرتی ہوں جس نے مجھے بے بہا خوشیاں دے کر تم جیسے لوگوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔ تمہارا جھکا ہوا سر اور بجھا بجھا چہرہ دیکھ کر تم سوچ نہیں سکتے کہ مجھے کس قدر خوشی ہو رہی ہے۔ یہ سب اس فرشتہ رحمت کے طفیل ہے۔“

”جیہ۔“

"تم جاسکتے ہو نوید اور آئندہ کسی طور پر بھی میری راہ میں آنے کی حماقت نہ کرنا۔"

نوید چند لمحے کھڑا رہا۔

پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ شاید اس کا ضمیر ہی اسے قصوروار ٹھہرا رہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد جیہ نے دروازہ یوں لاک کیا جیسے دروازہ نہیں اپنے دل کا ہر دروازہ نوید پر لاک کر رہی ہو۔

واپس آکر وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ دوپٹہ پھر الگ کر کے دوسری طرف ڈال دیا۔

بٹوہ اٹھا کر گود میں رکھا۔

اور

اسے کھول کر تصویر نکالی۔

وہ تشکر اور عقیدت کی نظروں سے تصویر کو دیکھتی رہی۔

پھر

اس نے

تصویر سینے سے لگالی۔

سر صوفے کی پشت پر ڈالتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں اور تصویر والے کے تصور میں کھو گئی۔

تصویر سینے پر رکھے اپنا ہاتھ تصویر پر ملائمت سے پھیرتے ہوئے وہ جلالی کے خیالوں میں کھو گئی تھی۔

تصویر جو

جلالی کی نہیں تھی۔

اور...... جسے وہ جلالی ہی کی سمجھ رہی تھی۔

-------O-------



"حد کر رہے ہیں آپ جلالی۔"

"تابش مان بھی جاؤ۔"

"لیکن ماننے والی بات بھی ہو جلالی بھائی۔"

"شوالی بھابی آپ نہیں سمجھ سکتیں۔"

"تو سمجھائیے ناں۔"

"آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں، مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔"

"کمال ہے جلالی۔"

"منصور آپ تو سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"میں نے کہہ دیا ناں کہ ایئرپورٹ پر میرا جانا ٹھیک نہیں۔ آپ سب لوگ جا کر انہیں لے آئیں۔"

"دلہن آرہی ہیں اور دولہا بگڑ بیٹھے ہیں۔"

"نہیں بھابی! اوہ آپ کو کیسے سمجھاؤں۔"

"آپ تیار تو ہوگئے تھے۔ کپڑے بھی تبدیل کر لیے۔ ایکا ایکی نہ جانے کا فیصلہ کیوں کر لیا؟"

"اسی میں مصلحت ہے۔"

"بہت بری بات ہے جلالی بھائی۔ دلہن بے چاری کے تاثرات کیا ہوں گے؟"

"پہلا امپریشن ہی بُرا پڑے گا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

"یہی میں چاہتا ہوں کہ پہلا امپریشن برا نہیں پڑنا چاہیے۔"

"جلالی کھل کر بات کریں۔ کبھی کچھ کہتے ہیں، کبھی کچھ۔"

"میں نے کہہ دیاناں، آپ سب ایئرپورٹ جائیں اور انہیں لے آئیں۔"

"بھئی ہم سب تو ایئرپورٹ جانے کے لیے ہی یہاں آئے ہیں۔ دلہن آ رہی ہے۔ انہیں لینے جا رہے ہیں۔ آپ کا جانا ہم سب سے ضروری ہے۔"

جلالی نے اپنا سر ہاتھ سے تھام لیا۔ وہ سب ڈرائینگ روم میں بیٹھے تھے۔ ان کے سارے ہی دوست مع اپنی بیگمات لیے آ گئے تھے۔ عورتوں نے اپنی جگمگاتی نفیس نفیس ساڑھیاں آج بڑے اہتمام سے پہنی تھیں۔ شادی کا سماں پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ تیار ہو کر سب فیئری لینڈ آ گئے تھے۔ یہاں سے گاڑیوں کو جلوس کی صورت ایئرپورٹ لے جانا اور دلہن کو واپس لے کر آنا تھا۔ جلالی بھی وقت مقررہ پر تیار ہو گئے تھے لیکن ایکاایکی انہوں نے اپنا ایئرپورٹ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور اب سب دوست اور دوستوں کی بیویاں حیران تھیں۔ انہیں ایئرپورٹ جانے کے لیے اصرار کر رہے تھے۔ تابش اور منصور تو بضد تھے۔

"آخر آپ کو ایکاایکی ہوا کیا ہے؟" منصور نے پوچھا۔

جلالی نے سر اٹھایا۔ ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی جو خاصی حد تک خوفناک معلوم ہو رہی تھی۔

"کس نے رائے دی آپ کو؟" تابش کچھ بھڑک کر بولا۔

جلالی پھر مسکرائے اور بے اختیار بولے۔ "آئینے نے۔"

سب ایک دم چپ ہو گئے۔ یہ چپ جلالی کا تمسخر بڑے زور شور سے اڑا رہی تھی۔

کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔

ہاں شوالی ہمیشہ کی منہ پھٹ اور جرأت مند تھی۔ جلالی کے قریب آ کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "جلالی بھائی۔ آپ اپنی بدصورتی سے اتنے خائف تھے تو شادی کی حامی ہی نہ بھرتے۔ اب جب کہ شادی ہو چکی ہے اور اس معصوم لڑکی کی زندگی آپ سے وابستہ ہو چکی ہے تو آپ کو یہ فرار زیب نہیں دیتا۔"

"بالکل۔" رفیق بولا۔



"اب جو ہے سو ہے۔" تابش نے کہا۔

"آپ کو اپنی بدصورتی کو تسلیم کر لینا چاہیے جلالی بھائی۔" شوالی بولی۔ "پھر کوئی خوف، کوئی خدشہ نہ رہے گا۔"

"فوزیہ بھابی نے کچھ تو میدان ہموار کیا ہی ہو گا نا۔ لڑکی کو یقیناً ذہنی طور پر انہوں نے تیار کیا ہو گا۔" پران نے کہا۔

"جو کچھ بھی ہے، اب آپ کو حالات سے مقابلہ کرنا ہے بھائی میرے۔" تابش بولے۔

جلالی سب کی باتیں سنتے رہے۔ مسز ہیرلڈ کافی بنا کر لے آئی تھی۔ وہ سب کو کافی پیش کرنے لگی لیکن سب حیران و پریشان تھے۔ خوبصورت، نفیس پیالیوں میں بنی کافی ٹھنڈی ہونے لگی۔ کسی کا جی ایک گھونٹ لینے کو بھی نہ چاہ رہا تھا۔

سب اپنی طرف سے پورا پورا دباؤ جلالی پر ڈال رہے تھے۔ جلالی جنہوں نے نیا نیلا سوٹ پہن رکھا تھا۔ خوبصورت ٹائی لگائی تھی اپنی دل پسند خوشبو اچھی طرح سپرے کی تھی۔ پورے پورے اہتمام سے تیار ہوئے تھے۔

صرف خود ہی تیار نہ ہوئے۔

پورے گھر کو نئے سرے سے آراستہ کروایا تھا۔ ڈیکوریٹر آئے تھے اور گھر کی ترتیب بے حد دلکش طریق سے بدلی تھی۔ بیڈروم تو انہوں نے خوشبوؤں اور پھولوں سے بھر دیا تھا۔ کمرہ یوں لگتا تھا، پھولوں بھری کنج ہو۔ جس میں نیلے نیلے بھورے بھورے بادل گھس آئے ہوں اور ان بادلوں کے تعاقب میں چمکیلی دھوپ بھی در آئی ہو۔ چمکیلے دھندلکوں کا احساس بڑا ہی جان فزا لگتا تھا۔ فضا کچھ اس طرح کی تھی کہ چاہنے اور چاہے جانے کی تڑپ آپوں آپ دل میں پیدا ہونے لگی تھی۔ حسین حسین شوخیوں کے لیے دل مچلنے لگتا تھا۔ ریڈ لائٹس کا اہتمام بھی بڑے نرالے طریق سے کیا گیا تھا اور جھولنے والے موٹے فوم کے بیڈ پر بستر ایسے انداز میں لگایا گیا تھا کہ جذبات میں شباب کی ترنگ بے تاب ہو جاتی تھی۔

جلالی نے بیڈروم لاک کیا ہوا تھا۔ دوستوں کو بھی نہیں دکھایا تھا۔ انہیں تو

یوں لگتا تھا جیسے سب مل کر ان کا مذاق اڑانے کے درپے ہیں۔ خوف کی کپکپی بار بار اٹھتی تھی۔ اسی لیے خوابگاہ بند کر دی تھی۔

"بھئی جلالی اب اٹھ جاؤ، وقت ہو رہا ہے۔ ایئرپورٹ جانے تک بھی کچھ وقت لگے گا۔" منصور نے اکتا کر کہا۔

"آپ سب لوگ جائیں۔" جلالی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"اور آپ؟"

"اگر آپ واقعی مجھ سے مخلص ہیں تو خلوص کا تقاضا یہی سمجھئے۔"

"کہ آپ کے بغیر دلہن کو لے آئیں۔"

"ہاں! میں گھر پر ہی رہوں گا۔ گھبرائیے نہیں، کہیں بھاگ نہیں جاؤں گا۔"

"تمہاری یہی بات تو سمجھ نہیں آ رہی۔"

"تابش۔ میں نہیں چاہتا کہ پلین سے اترتے ہی وہ مجھے دیکھ کر خوفزدہ ہو جائیں۔"

"اوں ہوں۔"

"حقیقت کو تسلیم کرنا ضروری ہے ورنہ ہو سکتا ہے میری جن خوشیوں کے لیے آپ نے اتنے خلوص سے محبت سے محنت کی ہے، رائیگاں جائیں۔"

سب چپ ہو گئے۔ بات کسی حد تک ٹھیک تھی لیکن اسے تسلیم کرنے کا اقرار کسی نے نہیں کیا۔

کچھ دیر سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے ٹھنڈی ہو جانے والی کافی کی پیالیاں اٹھا اٹھا کر لبوں سے لگانے لگے۔ چند لمحے چپ رہ کر شوالی ساڑھی کا پلو کندھے پر جماتے ہوئے بولی۔ "یہ بات گھر آ کر بھی تو ہو سکتی ہے۔ آپ کو اب اس خوف سے نکل آنا چاہیے۔"

"آپ انہیں یہاں تک لے آئیں۔ بس آگے مجھ پر اور میری تقدیر پر چھوڑ دیجیے۔"

جلالی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔



"تم بضد ہو تو یہی سہی۔ ہم سب خلوص دل سے تمہاری کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے دعا کرتے ہیں۔"

"مجھے آپ کے خلوص پر شبہ نہیں۔" جلالی نے تابش کے صوفے کی پشت پر آتے ہوئے دیوار پر لگی پینٹنگ پر نظریں جمادیں۔

"لیکن ہم ناجیہ سے کہیں گے کیا، یقیناً وہ آپ کو ایئرپورٹ پر دیکھنے کی توقع کرتی ہوں گی۔"

مسز تابش بولی۔

"کچھ بہانہ بنا دیجیے گا...... میں...... بھابی...... میں...... ایک دم ان کے سامنے آنا نہیں چاہتا۔ ایک دو دن میں جب وہ گھر اور اس کی فضا سے مانوس ہو جائیں گی تو پھر......"

"ہائے اللہ۔" شوالی اور جگو اپنی بڑی بڑی آنکھیں پھیلاتے ہوئے بیک وقت بولیں۔

"تو آپ دو چار دن دھوپ چھاؤں کھیلیں گے۔" پران ہنسا۔

"کہہ دیا نا، آپ انہیں اس گھر تک پہنچا دیں۔ باقی مجھ پر اور میری قسمت پر چھوڑ دیں۔ میں سب کچھ مسز ہیرلڈ کو بتا چکا ہوں۔"

"تو گویا پلان بنا چکے ہیں؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔"

"بہتر۔ کیوں صاحبان؟"

تابش نے سب مہمانوں کی طرف دیکھا۔

"چلیے۔ ٹھیک ہے۔" تقریباً سبھی کا جواب تھا۔

"ناجیہ سے کہہ دیں گے کہ دولہا میاں کو اچانک کام پڑ گیا۔"

"اور انہیں......" جلالی نے منصور کی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "دو تین دن کے لیے باہر جانا پڑا۔"

"یعنی یہ کہیں کہ تم گھر پر نہیں ہو؟"

"ہاں۔"

"وہ اکیلی گھبرا نہ جائیں گی؟"

"مسز ہیرلڈ کافی ہوشیار عورت ہے۔" جلالی پہلی بار ہنسے۔ "اور پھر میں بھی تو یہیں ہوں گا۔"

"عجیب معمہ ہے۔"

"میری پوزیشن میں تم ہوتے تو شاید ایسا ہی کرتے۔"

سب آپس میں کُھسر پُھسر کرنے لگے۔ جگو اور شوالی جلالی کی بات کو ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ "واقعی جیہ کو ایک دم ان کا سامنا نہیں کرنا چاہیے۔"

"گھر آجائیں گی تو آہستہ آہستہ جلالی سے مانوس ہو جائیں گی۔"

"آج کچھ اتنے برے تو نہیں لگ رہے۔"

"توبہ کرو جگو۔ بے چارے آج تو بہت ہی بدصورت نظر آرہے ہیں۔ شاید کونشیس ہیں ناں۔"

"لڑکی نے انہیں پسند نہ کیا تو؟"

"یہی تو ڈر ہے جلالی کے دل میں۔ اب واقعی انہیں ان کی قسمت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ لڑکی کے جو گھریلو حالات مسز رفیق نے فون پر بتائے تھے، ان کے پیش نظر اسے گزارہ کرنا ہی پڑے گا۔"

"ہوں۔"

ادھر مسز تابش اور منصور ایک بار پھر جلالی کو ساتھ چلنے پر مجبور کرنے کی باتیں کر رہے تھے۔

"جلالی کا نہ جانا حماقت ہے۔"

"ناجیہ کے دل میں غلط فہمی بھی پیدا ہو سکتی ہے۔"

"خدا خیر ہی کرے۔"

"فوزیہ اتنی بے وقوف نہیں، یقیناً اس نے ناجیہ کو جلالی کے بارے میں سب کچھ بتایا ہو گا۔"



"مشکل ہی ہے۔ سب کچھ اتنی جلدی طے ہوا کہ میرے خیال میں نہ تو گھر والوں کو تفصیل میں جانے کی سوجھی ہو گی، نہ فوزیہ کو بتانے کا موقع۔ بھئی اس لڑکی کے گھریلو حالات تو سن ہی چکے ہو نا۔"

"چلو۔ خدا بہتر کرے۔ اچھے خاندان کی شریف لڑکی ہے۔ غریبی اس کی مجبوری، بدصورتی جلالی کی۔ متوازن ہو گیا معاملہ۔"

"چلیں پھر وقت تو ہو رہا ہے۔"

"چلیے۔"

تابش نے سب سے چلنے کو کہا۔ اپنے جگمگاتے لباسوں اور زیورات کو درست کرتے عورتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا اپنا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر باہر نکل آئیں۔

تین چار گاڑیاں آگے پیچھے روانہ ہوئیں۔ جلالی کی گاڑی میں مسز ہیرلڈ اور مسٹر جیکسن تھے۔ واپسی پر اس گاڑی کو منصور نے ڈرائیور کرنا تھا اور تینوں عورتوں نے دلہن کے ساتھ بیٹھنا تھا۔

ان کے جانے کے بعد جلالی لیونگ روم میں آگئے۔ چند لمحے بے قراری سے ٹہل ٹہل کر سگریٹ پیتے رہے۔ پھر دوسرے کمرے میں آگئے۔ دوسرے سے تیسرے اور پھر ریوالونگ روم میں آکر بٹن آن کر دیا۔ کمرہ دھیرے دھیرے گھومنے لگا۔ جلالی اک خوبصورت کرسی میں گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔ کمرے سے زیادہ ان کا دماغ گھوم رہا تھا۔

جوں جوں پلین کے آنے کا وقت قریب آرہا تھا، ان کے لیے جیسے قیامت کی گھڑی قریب آرہی تھی۔ دل بے اختیار ہو کر دھڑک رہا تھا۔ ہاتھوں میں بار بار نمی آرہی تھی۔

خوف تھا

اور

ساتھ

اشتیاق بھی

دونوں قسم کے جذبات گڈ مڈ ہو رہے تھے۔ کبھی انہیں لگتا کہ وہ فضاؤں میں اڑتے پھر رہے ہیں۔

اور

کبھی

احساس ہوتا کہ سمندر کی سب سے نچلی تہہ میں وزنی پتھر کی طرح بیٹھتے جا رہے ہیں۔

دو انتہائیں تھیں

اور

جلالی کی جان ان کے شکنجے میں آئی ہوئی تھی۔

-------O-------



فوزیہ نے سب کا غائبانہ تعارف کروادیا تھا اور ہر ایک کی شکل و صورت اور عادتوں کے متعلق اتنی تفصیل سے بتایا تھا کہ جب ایئرپورٹ پر جیہ نے ان سب لوگوں کو دیکھا تو قطعاً نہ لگا کہ وہ بالکل اجنبی لوگوں میں گھری کھڑی ہے۔ ہر چہرہ شناسا سا ہی لگ رہا تھا۔ وہ شرمائی لجائی ہوئی تھی۔ بار بار استقبال کرنے والوں پر جھکی جھکی نگاہیں ڈال رہی تھی۔ نگاہوں کو شاید جلالی کی تلاش تھی۔

جلالی

وہ

چہرہ

جو تصویر کی وساطت سے اس کے ذہن میں لہرا رہا تھا۔

وہ اس چہرے کی شناخت نہ کر سکی۔ اسے ایئرپورٹ پر لینے کے لیے آئے ہوئے لوگوں میں کوئی چہرہ اس چہرے سے نہ ملتا تھا لیکن وہ کسی پوچھ بھی تو نہ سکتی تھی۔

"جلالی کہاں ہیں؟" فوزیہ اپنے بچوں سے لپٹ لپٹ کر ملتے ہوئے مسز تابش سے پوچھنے لگی۔

"ان کو ضروری کام پڑ گیا تھا، وہ نہیں آ سکے۔" شوالی نے مسز تابش کی جگہ جواب دیا تو جیہ کی آنکھوں میں حیرانگی لہرا گئی۔ فوزیہ کے دل میں خوف کا شدید کھٹکا ہوا۔

اس نے نگاہوں نگاہوں میں مسز تابش سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" ہاتھ کے اشارے سے مسز تابش نے کہا۔

"وہ آئے کیوں نہیں؟" فوزیہ نے ایک طرف ہوتے ہوئے سرگوشی کی۔

مسز تابش نے جلدی جلدی اسے ساری بات بتادی۔

redroses@pakistanipoint.com

"غلطی کی ہے جلالی نے۔" فوزیہ سوچ میں ڈوب کر بولی۔ "خواہ مخواہ کا سسپنس بنا دیا ہے انہوں نے۔"

"ناجیہ کو آپ نے ذہنی طور پر تیار تو کیا ہو گا؟"

"سب کر لیا ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ جس قسم کے اس لڑکی کے گھریلو حالات ہیں، اسے اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنا ہی پڑے گا۔ ویسے وہ بے چاری تو جلالی کے احسان تلے دبی ہوئی ہے کہ اس نے اس کا گھر خوشیوں سے بھر دیا۔"

"واقعی؟"

"بالکل۔"

"شکر کی بات ہے ورنہ میرا تو دل ڈر ہی رہا تھا۔"

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ لڑکی سمجھدار ہے۔ پھر شکل و صورت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔ دنیا میں اب بھی بہتیرے جھمیلے ہیں جن سے نپٹنے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

"ہاں، یہ بات تو ہے۔"

"جلالی خواہ مخواہ ہوا بن رہے ہیں۔"

"چلو۔ وہ بھی اپنی جگہ شاید ٹھیک ہی سوچتے ہوں گے۔ ہم نے دلہن ان کے گھر پہنچانی ہے۔ آگے بقول ان کے وہ جانیں اور ان کی تقدیر۔"

"بھئی دونوں طرف کی ذمہ داری تو میں نے لی ہے۔"

"دلہن گھر پہنچی اور آپ کی ذمہ داری دونوں طرف سے ختم۔"

دونوں ایک طرف ہو کر ہولے ہولے باتیں کر رہی تھیں۔ شوالی، جگو، پران، رفیق اور دوسرے سب لوگ جیہ کو گھیرے کھڑے تھے۔ دلہن سب کو بے حد اچھی لگی تھی۔ گو اس نے اس وقت سادہ سی شیفون کی اورنج ساڑھی پہن رکھی تھی۔ میک اپ بھی معمولی تھا۔ زیورات بھی سارے نہیں پہنے تھے۔ پھر بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔ دلہنوں کی روایتی شرم و حیا اس کے پورے پیکر پر چھائی تھی۔ سمٹی سمٹی سی کھڑی تھی۔ نگاہیں اٹھ اٹھ کر گر رہی تھیں۔ چہرہ بات بات پر سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں نشے



ڈول رہے تھے۔ ان سب چیزوں نے مل کر اسے بے حد حسین بنا دیا تھا۔

سب اس سے شوخ شوخ سی چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے لیکن ہر دل خائف تھا کہ جلالی جیسے انسان کے لیے جیہ جیسی لڑکی موزوں بھی ہو گی یا نہیں۔

لیکن

اتنی لمبی سوچ ان کا مسئلہ نہ تھی۔ یہ بات تو اب جیہ اور جلالی کے ہاتھ میں تھی یا تقدیر کے۔ وہ سب تو ہنسی مذاق میں مشغول تھے۔ اک نیا ساتھی مل گیا تھا۔ اس کی آمد سب کے لیے خوشی کا باعث تھی۔

"بھئی اس طرح شرماؤ نہیں۔ کون سا جلالی یہاں موجود ہیں۔" شوالی نے ہنس کر کہا۔

جیہ کے چہرے پر اک دھندلاہٹ سی پھیل گئی۔ اداس نظروں سے اس نے اپنے گرد گھیرا ڈالے لوگوں کو دیکھا۔ اتنے لوگوں میں گھر کر بھی وہ تنہائی محسوس کر رہی تھی۔ لگن اور ولولے سرد پڑ گئے تھے۔ ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے اپنوں سے کٹ کر وہ جس کے لیے یہاں آئی تھی، اس کی عدم موجودگی سے دل پژمردہ سا ہو گیا تھا۔

باتیں ہوتی رہیں۔ جیہ چپ چپ تھی۔ مسز رفیق اس کے قریب آ کر بولی۔

"گھبراؤ نہیں جیہ۔ جلالی کاروبار کے سلسلے میں ہمیشہ سے ہی مصروف رہے ہیں۔ بے حد ضروری کام پڑ گیا تھا انہیں۔ مسز تابش نے بتایا ہے، کوئی بات نہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔"

جیہ نے اک حجاب آلود نگاہ اس پر ڈالی۔

پران اور رفیق سامان وصول کر رہے تھے۔ جیہ کا ایک بیگ اور ایک سوٹ کیس تھا۔ دو چھوٹے چھوٹے اٹیچی کیس مسز رفیق کے تھے۔

"یہی سامان ہے نا؟" پران نے فوزیہ سے پوچھا۔

"جی یہی ہے۔" وہ بولی۔

"تو پھر چلیے گھر۔ یہاں سے تو چھٹی ہوئی۔"

"چلیے۔"

شوالی نے مسکراتے ہوئے جیہ کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے سہارا دیتے ہوئے بولی۔ ”چلو تھوڑی دیر کے لیے مجھے ہی جلالی سمجھ لو۔“

جیہ شرما گئی۔

چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق کرتے سب گاڑیوں کی طرف آ گئے۔ جلالی کی گاڑی میں جیہ کو بٹھا کر جگو اور شوالی بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ منصور ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ رفیق اس کے برابر آ گیا۔

”آپ تو اپنی بیگم کے ساتھ بیٹھیں۔ تین ماہ بعد آئی ہیں۔“ منصور نے رفیق کو چھیڑا۔

”انہیں ہماری فکر ہی نہیں۔ کوئی لفٹ ہی نہیں دی ہمیں۔ بچوں کے سوا انہیں کچھ نظر ہی نہیں آیا۔“

”حالانکہ آپ تو خوب بن ٹھن کر آئے تھے۔“

”تو اور کیا۔ تیاری میں پورا ایک گھنٹہ لگایا تھا لیکن بیگم صاحبہ نے درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھا۔ گھاس ہی نہیں ڈالی۔“

سب ہنس پڑے۔ جیہ کے ہونٹوں پر بھی تبسم لہرا گیا۔

ہنستے مسکراتے سب گھر پہنچے۔ شوالی اور جگو نے جیہ کو سہارا دے کر گاڑی سے اتارا۔

گھر میں داخل ہوتے وقت جیہ قدرے ہچکچائی۔

”بھئی بے جھجک چلو۔ گھر میں کوئی نہیں۔“ مسز تابش نے کہا۔

”وہ تو یوں جھجک رہی ہیں جیسے جلالی اندر داخل ہوتے ہی انہیں جھپٹ لیں گے۔“ جگو ہنس کر بولی۔

”آج نہیں تو کل۔ جھپٹیں گے تو سہی۔“ شوالی نے دھیمی آواز میں جیہ کے کان میں کہا۔ جیہ کا چہرہ گلال ہو گیا۔

گھنٹہ بھر ہنسی مذاق اور کھانے پینے کا سلسلہ چلتا رہا۔ جیہ کی جھجک قدرے دور ہو گئی تھی اور وہ ان بے تکلف دوستوں کی باتوں پر قدرے کھل کر مسکرا رہی تھی۔



”تم تھک چکی ہو گی۔“ مسز تابش نے جیہ سے کہا۔ ”کافی لمبا سفر کیا ہے۔“

”نہا دھو کر کپڑے بدلو اور آرام سے سو جاؤ۔“ مسز ہیرلڈ اس کے قریب آ کر بولی۔

”بالکل۔ بالکل۔“ منصور بولے۔ ”اب ہم لوگوں کو بھی چلنا چاہیے۔“

”ہاں کافی دیر سے بچوں کو چھوڑ رکھا ہے۔“ مسٹر تابش اٹھے۔

باری باری سبھی جانے کے لیے اٹھنے لگے۔

جیہ نے گھبرا کر سب کو دیکھا۔ ”آپ سب چلے جائیں گے؟“

”تو اور......“ پران نے کہا۔

”میں۔ میں کہاں رہوں گی؟“ جیہ نے پوچھا۔

”یہ آپ کا گھر ہے پیاری۔“ فوزیہ نے کہا۔ ”مسز ہیرلڈ آپ کے پاس رہیں گی۔“ پھر اس نے قدرے فخر سے کہا۔ ”یہ آپ کی ملازمہ ہیں۔ آپ کا ہر طرح سے خیال رکھیں گی۔“

”مجھے ڈر لگتا ہے فوزیہ باجی۔“ جیہ بے طرح گھبرا رہی تھی۔

”ڈرنے کی یہاں کوئی بات نہیں جیہ بھابی۔“ منصور بولے۔ ”مسز ہیرلڈ آپ کے پاس نہ بھی ہوتیں تو کوئی بات نہ تھی۔“

جیہ نے کچھ کہنا چاہا کہ مسز ہیرلڈ اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بڑی محبت سے گویا ہوئیں۔ ”مسز جلالی۔ آپ بے فکر ہو کر سو جائیں۔ بہت تھکی ہوئی ہیں آپ۔ یہ آپ کا اپنا گھر ہے اب۔“

سب جیہ کو تسلیاں دے رہے تھے۔ مسز ہیرلڈ کے متعلق فوزیہ اور مسز تابش نے اسے کھل کر بتایا۔ وہ قابل اعتماد خاتون ہیں۔ جیہ کا ہر طرح سے خیال رکھنا اس کا فرض ہے۔

آگے پیچھے سبھی چل دیے۔ گھر میں صرف جیہ اور مسز ہیرلڈ رہ گئیں۔ جیہ کے دل میں وسوسے سر اٹھا رہے تھے۔ خوفزدہ بھی تھی لیکن مسز ہیرلڈ خاصی باتونی اور خوش مزاج عورت تھی۔ ہوشیار بھی تھی۔ جیہ کے تاثرات اس سے چھپے نہ تھے۔ اس

لیے وہ بڑے محتاط انداز سے جیہ سے باتیں کر رہی تھی۔

"آپ اپنا گھر دیکھنا پسند کریں گی؟" اس نے جیہ سے پوچھا۔

جیہ بھی وقت گزارنا چاہتی تھی۔ تکان تو کافی تھی لیکن نیند آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی۔

"آپ پہلے نہا دھو کر لباس تبدیل کر لیں۔ پھر میں آپ کو آپ کا خوبصورت گھر دکھاؤں گی۔ آیئے۔"

جیہ انتہائی خوبصورت ڈرائینگ روم کو شوق اور تجسس سے دیکھتے ہوئے مسز ہیرلڈ کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گئی۔

ریموٹ کنٹرول سے کھلنے والے دروازے اور سمٹنے والے پردے جیہ کے لیے حیران کن تھے۔ پہلے تو وہ اسے طلسماتی عمل سمجھ کر ڈر گئی۔ اس کی آنکھوں سے ہراس جھلکنے لگا۔ اپنی شادی اور یہ گھر اک مکر و فریب کا جال لگنے لگا۔ وسوسے بے دھڑک ہو کر جاگ اٹھے۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

لیکن

مسز ہیرلڈ جس محبت، شفقت اور پیار سے ہر بات سمجھا رہی تھیں، بتا رہی تھیں، جیہ کا کچھ حوصلہ بندھا۔ مختصراً اس نے جیہ کو بتایا کہ گھر میں کمپیوٹر سے کنٹرول ہے اور کمرے ساؤنڈ پروف ہیں۔ اس نے ریوالونگ کمرے کے متعلق بھی اسے بتایا۔

"صبح آپ سب کچھ اچھی طرح دیکھ سکیں گی۔ آپ کو یقیناً یہ خوبصورت گھر اور اس کا حسین گرد و پیش پسند آئے گا۔"

مسز ہیرلڈ اسے خوابگاہ میں لے آئی۔

جیہ ششدر سی تھی۔ ایسی حسین خوابگاہ کا اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ وہ محو حیرت تھی۔

مسز ہیرلڈ نے غسل خانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "نہا کر کپڑے بدل لیں۔"

جیہ اندر گئی۔ اسے اپنے حواس پر یقین نہ آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے خوابوں



کی وادی میں کھوئی ہوئی ہے۔

لیکن

اس کے خوابوں کی وادی بھی تو کبھی اتنی حسین نہ تھی۔

اس نے غسل کیا۔ ڈریسنگ روم میں شب خوابی کا لباس ہینگر میں لٹک رہا تھا۔ اس نے لباس پہنا۔ آئینوں میں اپنا آپ دیکھ کر اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ وہ...... وہ ہے۔

لیکن ان ساری خوشیوں، حیرانگیوں اور متجسس کے علاوہ وہ کچھ پریشان بھی تھی۔ جلالی کو ضروری سے ضروری کام بھی آج پس پشت ڈال دینا چاہیے تھا۔

بار بار اس کے دل میں خوف سر اٹھا رہا تھا۔ "کہیں یہ سب کوئی چکر تو نہیں؟ ان سے فریب تو نہیں کیا گیا۔"

وہ بیڈ پر لیٹی تو مسز ہیرلڈ نے سوئچ آن کر دیا۔ "پلنگ آہستہ آہستہ ہلتا رہے گا۔ آپ کو لوری ملے گی۔ جھٹ سو جائیں گی۔" مسز ہیرلڈ نے مسکراتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

جیہ کو بڑا مزہ آیا۔ یوں لگا جیسے کئی پریاں اسے گود میں لیے ہلکے ہلکے ہلکورے دے رہی ہیں۔ کمرے کی فضا روشنیوں کا امتزاج، لچکیلا بستر، دھیمے دھیمے ہلکورے لیتا نرم نرم بیڈ۔ پروں کی نرم و گرم رضائی۔ وہ بستر میں دھنسی تھی۔ مہین ریشمی شب خوابی کے لباس سے اس کا گلابی بدن چھلک چھلک پڑتا تھا۔ آئینے کی دیوار میں اس نے عکس دیکھا تو کئی لمحے دیکھتی ہی رہی۔ لاشعوری طور پر دو چار بار آنکھوں کو ملا۔ یقین کی منزل تک پہنچنے کو بے یقینی نے اسے کئی بار بوکھلایا۔

"مسز ہیرلڈ۔"

"ہوں۔"

"آپ کہاں سوئیں گی؟"

"اپنے بیڈ روم میں۔"

"آج تو کوئی نہیں، ہاں کل جلالی ضرور ہوں گے۔"

مسز ہیرلڈ کے چہرے پر آوردہ مسکراہٹ تھی۔ شوخ بھی اور چھیڑنے والی بھی۔ جیہ کا چہرہ گلگوں ہو گیا۔

"آپ بالکل بے فکر ہو کر سو جائیں۔" کئی بار تسلیاں دینے کے بعد اس نے پھر کہا۔ پھر اسے مختلف بٹن دکھاتے ہوئے ہر بٹن کا فنکشن اور افادیت سمجھانے لگی۔

"یہ کال بیل میرے بیڈروم میں بجے گی۔ ضرورت پڑے تو یہ بٹن دبا دیجیے گا۔ میں دو منٹ میں آجاؤں گی۔ ویسے آپ چاہیں تو آج رات میں ساتھ والے کمرے میں صوفے پر سو جاؤں گی۔"

"یہ ٹھیک رہے گا مسز ہیرلڈ۔ نئی جگہ ہے، مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں آج تک کبھی بھی اکیلے کمرے میں نہیں سوئی۔ میری دو بہنیں ہمیشہ میرے کمرے میں سوتی تھیں۔"

"بہت بہتر۔" مسز ہیرلڈ نے کہا۔ "میں کچن کا کام ختم کر کے ساتھ والے کمرے میں آجاؤں گی۔ مجھے بلانا ہو تو، تو یہ بٹن دبا دیجیے گا۔"

جیہ نے اطمینان سے سر تکیے پر رکھ دیا۔ مسز ہیرلڈ چند لمحے رکی۔ پھر شب بخیر کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

جیہ کے ذہن میں خیالات ابلنے لگے۔ کبھی تو اپنی تقدیر پر رشک آنے لگتا۔ یہ سب کچھ تو اس کے خواب و خیال میں بھی کبھی راہ نہ پا سکا تھا۔ ہر تصوراتی خاکہ یہاں حقیقت کے رنگ میں موجود تھا۔ قسمت پر نازاں ہونے والی بات تو تھی۔

لیکن

ذہن کے کسی گوشے میں وسوسوں کے سانپ بھی پھنکار رہے تھے۔ سنے سنائے قصے جانے یادوں کے کن دریچوں سے ذہن میں گھس آئے تھے۔ غیر ملکی شادیوں کے فریب اور چکر اس نے سن رکھے تھے۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا جی چاہا زور زور سے چیخ اٹھے۔ اتنا روئے کہ برسات کا سماں بندھ جائے۔

اس کی آنکھوں کے گوشے بھی بھیگ گئے۔

اس کے لب لرزنے لگے۔



"امی۔" اس نے تکیے میں منہ چھپا لیا اور پھر ماں باپ بہن بھائی اس کے ذہن میں گھس آئے۔ ان سے بچھڑنے کے دکھ سے وہ نڈھال ہو گئی۔

اور

پھر

جانے کب

اس کی آنکھ لگ گئی۔

-------O-------

redroses@pakistanipoint.com

کھٹکا تو نہیں ہوا تھا، جانے کیسے اس کی آنکھ کھل گئی۔ چند لمحے تو وہ سمجھ نہ پائی کہ کہاں ہے۔ خمار آلود نگاہیں گردو پیش ڈالیں اور پھر اُمنڈ اُمنڈ آتے نیند کے جھونکوں کے آگے سرنگوں ہو گئی۔ تکیے ٹھیک طرح سے سر تلے جماتے ہوئے اس نے اپنا بازو تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے سر اوپر رکھ لیا۔ دوسرے بازو کو کمر کے خم پر سے لے جاتے ہوئے کولہے پر رکھ کر آنکھیں بند کرنا ہی چاہتی تھی۔

کہ سامنے والا ذرا سا سرکا ہوا پردہ ہلا...... اور

اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

ایک لمبی چیخ اس کے حلق میں پھنس گئی۔

اور

پیشتر اس کے کہ وہ چلّا اٹھتی۔ پردہ اپنی جگہ پر آ گیا اور سرکے ہوئے پردے سے نظر آنے والے بھیانک بھوت کا چہرہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ دم سادھے چپ چاپ پڑی۔ پھٹی پھٹی نظروں سے پردے کو دیکھتی رہی۔

کئی لمحے یونہی گزر گئے۔

پردہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

اس نے چاہا کہ اٹھ کر پردہ ہٹا کر دیکھے۔

لیکن ہمت نہ ہوئی۔

اب وہ پوری طرح بیدار تھی۔ حواس مجتمع کر کے سوچ رہی تھی۔ کیا پردے کے پیچھے کوئی تھا؟

اس نے سر جھٹک دیا۔ گھر میں اس کے اور مسز ہیرلڈ کے سوا کوئی نہیں تھا۔



بھوت پریت؟

یہ خوف اس کے ذہن میں سونے سے پہلے موجود تھا۔ شاید یہ سب کچھ اس کا وہم تھا۔ اسی خوف نے یہ شکل ڈھال لی تھی ورنہ یہاں بھوت پریت کہاں؟

مطمئن ہو کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اکیلے پن کا خوف اس کے ذہن پر ابھی تک مسلط تھا۔ اسے جلالی پر غصہ آ رہا تھا۔

"پہلے دن ہی ایسا تلخ تجربہ ہوا ہے، آئندہ جانے کیا ہو گا۔"

اس نے خیالوں میں چکراتے ہوئے سوچا۔

اور

پھر سرہانے رکھے بیگ سے تصویر نکال کر دیکھنے لگی۔ کئی گلے کئی شکوے اس نے تصویر سے کر ڈالے۔ وہ اس سے روٹھ گئی۔

پھر جانے کیسے اسے نوید یاد آ گیا۔

کاش

حالات یہ پلٹا نہ کھاتے۔

لیکن اس کے اس طرح سے سوچنے سے کیا ہو سکتا تھا۔ اپنے جذبات کو اس نے تھپک تھپک کر سلا دیا۔ بکلی کا احساس دل میں تیر کی طرح ترازو ہو گیا اور ایک دم اس کے دل میں یہ خواہش بھڑکی کہ کہیں سے نوید آ جائے۔

اور

اپنی آنکھوں سے اس کے سپنوں کے رنگوں سے بنے اس گھر کو دیکھ لے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس کے اختیار میں کاش یہ ہوتا کہ وہ اپنا یہ پورا گھر اٹھا کر پاکستان لے جاتی اور تایا، تائی کے گھر کے عین سامنے رکھ دیتی۔

پھر جب ان کی زبانیں گنگ ہو جاتیں۔ آنکھیں حیرت سے پھٹ جاتیں اور آوازیں حلق میں گولا بن کر پھنس جاتیں تو وہ دل کھول کر قہقہے لگاتی۔

اس تصور میں وہ اس طرح ڈوبی تھی کہ حقیقت کا گمان ہو رہا تھا۔ اس کے

regroses@pakistanipoint.com

لبوں پر بڑی رسیلی مسکراہٹ تھی۔ تصویر اس نے بیگ میں ڈال کر کمرے میں بھرپور نگاہ ڈالی۔ پھولوں کا کنج تھا یہ کمرہ مہک فضا میں رچی ہوئی تھی۔

اس نے اطمینان بھرے سانس لیے اور پھر کروٹ بدل لی۔

کچھ دیر بعد وہ پھر سو گئی۔

وہ تو سو گئی۔

لیکن

جلالی کی آنکھوں میں نیند کی رمق بھی نہ آئی۔

وہ رات تک جھیل والی ہٹ میں پڑے رہے تھے۔ اپنا گھر بیگانہ سا لگ رہا تھا۔ کسی مفرور کے سے احساسات تھے۔ ہٹ میں سب کی نظروں سے اوجھل ہو بیٹھے تھے۔ یہی لگتا تھا باہر نکلے تو کسی جرم کی پاداش میں دھر لیے جائیں گے۔

مسز ہیرلڈ نے انہیں سب دوستوں کے جانے کی اطلاع دی تھی۔

"دلہن بے حد حسین لڑکی ہے۔" اس نے جلالی سے کہا تھا۔

اور جلالی کا دل کانپ گیا تھا۔

"ناجیہ خوفزدہ ہیں، اکیلی ڈر رہی ہیں۔" مسز ہیرلڈ نے جلالی سے کہا۔

اور

جب

جلالی کچھ نہ بولے تو اس نے آہستگی سے کہا۔ "آپ کو گھر پہ رہنا چاہیے تھا۔ آپ کب تک بھاگتے رہیں گے۔ دلہن کو اعتماد میں لینے کے لیے آج کا دن ہی موزوں تھا۔"

جلالی ہاتھوں میں سر گرائے سوچوں میں ڈوبے رہے۔

"کھانا نہیں کھائیں گے؟" مسز ہیرلڈ نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

"انہوں نے کھالیا؟" جلالی نے دھیرے سے سر اٹھا کر مسز ہیرلڈ کو دیکھا۔

"دلہن نے؟"

"ہاں۔"



"ایک سینڈوچ کھایا ہے۔ وہ تھکی ہوئی بھی بہت ہیں اور کچھ ڈپریسڈ بھی تو ہیں۔"

"کیوں؟"

"وہ آپ کو یقیناً مس کر رہی ہیں۔ جلالی یہ زندگی کی بڑی اہم رات ہے۔ اسے آپ نے ضائع کرنے کی ٹھان لی ہے۔"

"کیا پتہ پوری زندگی ہی ضائع ہو جائے مسز ہیرلڈ۔ آپ نے بتایا ہے کہ دلہن بہت خوبصورت ہے۔"

"ہاں۔"

وہ چپ ہو گئے۔ مسز ہیرلڈ واپس چلی آئی۔ جلالی کا کھانا اس نے وہیں پہنچانے کا سوچا۔

جلالی نے کھانا زہر مار کیا۔ نوالہ حلق سے اترتا ہی کب تھا۔ پھندے پڑ رہے تھے۔ جان شکنجے میں آئی ہوئی تھی۔ سمجھ نہ پا رہے تھے کہ اگلا قدم کیا اٹھائیں۔ وہ کمرے میں ہی ٹہلتے رہے۔ بے شمار سگریٹ انہوں نے پھونک ڈالے۔ ان کا حلق کڑوا ہو گیا۔ انگلیوں کی پوریں سگریٹوں کی آنچ سے جلنے لگیں۔

انہوں نے سگریٹ کی ڈبیہ اٹھا کر پرے پھینک دی۔

ان کی سوچوں کا انداز بدلنے لگا۔

گھر میں ان کی دلہن آئی ہوئی تھی۔

جو

بے حد حسین تھی۔

اور وہ یہاں تھے۔

ان کے اندر کا عام سا آدمی جاگ اٹھا۔ جو حسین تھا نہ بدصورت جس کے سامنے ماضی تھا نہ مستقبل۔ جس کے کچھ سلگتے تقاضے تھے۔ جو عورت کے لمس کا بھوکا تھا۔ جو پیار کا متلاشی تھا۔ جو جنس مخالف کا شدت سے طلبگار تھا۔ جو اپنے جذبوں کی سچائی کے آگے پوری سچائی سے جھک جانے والا تھا۔

اسے

جیہ چاہیے تھی۔

عورت چاہیے تھی۔

دلہن چاہیے تھی۔

اور

اپنی دسترس میں اسے پاکر وہ رکنے والا نہیں تھا۔

جلالی کی ہر کوشش اس اندر کے آدمی کے سامنے بیکار ہو گئی۔ وہ جلالی کے اس ظاہری وجود کو گھسیٹتا گھر کے اندر آگیا۔

وہ بے دھڑک بیڈ روم میں نہیں گیا۔ خوف کا کوئی شائبہ اس پر حاوی نہیں تھا۔ پھر بھی باہر کے جلالی نے اسے جکڑ لیا۔

اور

اسے یوں لگا۔

جیسے کسی فردوسی گوشے میں کوئی حور محو خواب ہے۔ جلالی نے اپنے اندر کے آدمی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور بڑے تجسس، بڑے اشتیاق اور بڑے غور سے جیہ کو دیکھنے لگے۔

کسی ایسی ہی رفیقہ حیات کا تصور ہمیشہ ان کے ذہن میں ابھرا کرتا تھا۔ یہ شاید ان کی بے پناہ بدصورتی کا ردعمل تھا کہ وہ حسن کے دیوانے تھے۔

یا

بچپن کی سنی سنائی کہانیوں نے لاشعور میں اس طرح گھر کر لیا تھا کہ ان کے من میں یہ جاندار خواہش اٹھتی تھی۔ دیو کے قبضے میں حسین سی پری کا تصور انہیں شروع ہی سے بھلا لگتا تھا۔

بے پناہ خوشی کے کئی لمحے انہوں نے تقدیر سے چھین لیے۔ وہ سوئی ہوئی جیہ کو دیکھتے رہے۔ ان کا بے اختیار جی چاہا کہ کمرے میں گھس جائیں۔ جیہ کو بازوؤں میں بھر کر سینے میں سمیٹ لیں۔

یہ جذباتی تقاضے بڑے شدید تھے۔ جلالی کے خون میں گرمی پیدا ہو رہی تھی۔



رگوں میں نشہ دوڑنے لگا تھا۔

"میں بدصورت ہوں تو کیا ہوا۔ ہوں تو انسان۔ جوان مرد۔ جو ایک عورت کو سچا پیار دے سکتا ہے۔ اس کی قدر کر سکتا ہے۔ اس کی ہر خواہش پوری کر سکتا ہے۔"

وہ اپنی ہمت آپ بندھا رہے تھے۔ اپنے آپ کو جوش دلا رہے تھے۔ شکل و صورت کی حدوں کو پھلانگ جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اور

شاید وہ جذبات کے اسی ریلے میں بہہ کر کمرے میں بھی چلے آتے۔

لیکن

اچانک جیہ کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے آنکھیں ملتے ہوئے پردے کی طرف دیکھا۔

جلالی کے سارے حوصلے، سارا جوش، تمام جذبے ریتلی دیوار کی طرح ڈھے گئے۔ انہوں نے پردہ چھوڑ دیا اور برق کی سی تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

وہ باہر آئے تو سانس پھولا ہوا تھا۔ دھڑکنیں بے ترتیب تھیں۔ ہاتھ پاؤں میں پسینے آگئے تھے۔

جب وہ ذرا سنبھلے تو اپنی کم ہمتی، اپنی بزدلی اور اپنی کم حوصلگی پر بہت غصہ آیا۔ وہی لمحہ تھا جو وہ جست لگا جاتے۔

اب تو

ان پر بھی مایوسی چھانے لگی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہٹ کی طرف آئے۔ باہر ہوائیں یخ بستہ تھیں۔

صاف و شفاف آسمان پر ٹھٹھرے ہوئے چاند ستارے تھے۔ اصلی چاندنی بلند و پست پر پھیلی تھی۔ درختوں کی شاخیں ہولے ہولے جھول رہی تھیں۔

رات تھم تھم کر گزر رہی تھی۔

جلالی بیڈ پر آڑے لیٹ گئے۔ کمرہ خوب گرم تھا۔ وہ دونوں ہاتھ سر تلے رکھے چھت کو گھورنے لگے۔

اب وہ اکیلے نہیں تھے، جیہ کی خوبصورت شبیہ ان کے ذہن میں لہرا رہی تھی۔

جیہ

جوان کی تھی۔

ان کی اپنی

مذہباً، قانوناً، اخلاقاً اپنی تھی۔

لیکن

جسے وہ جی بھر کے دیکھ نہ سکے تھے۔

چھو نہ سکے تھے۔

بازوؤں میں بھر کر پیار نہ کر سکے تھے۔

دل کی دنیا بڑی بے رحمی سے اتھل پتھل ہوتی رہی۔

پھر

جلالی نے اک جست لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس جست کا نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔

لیکن

وہ جست لگائیں گے ضرور۔ راستے کی ہر رکاوٹ پھاند جائیں گے اس جست سے بے خوف ہو کر۔

جست لگائیں گے۔

--------O-------



اچانک ہی بادل گھر آئے تھے۔ آسمان کا سینہ نیلے اُودے اور سرمئی بادلوں سے بھر گیا تھا۔ فضا میں دھندلاہٹ تھی اور چمکیلا دن اس دھندلاہٹ میں کھو گیا تھا۔ سردی کی کوئی آوارہ لہر بے دردی سے اُٹھ آئی تھی۔ ٹمپریچر ایک دم گر گیا تھا۔

جیہ دن چڑھے تک سوتی رہی۔ شب کا پہلا حصہ تو کچھ بے چینی میں گزرا تھا لیکن پچھلے پہر زوروں کی نیند آئی۔ کچھ تکان تھی۔ کچھ ذہنی بوجھ سے چھٹکارا پایا تھا۔ اس لیے بے خبر سوتی رہی تھی۔

مسز ہیرلڈ دو تین بار اسے دیکھ چکی تھی۔ اس نے بھی بے آرامی کے ڈر سے اسے جگایا نہیں تھا۔

اب وہ پھر بیڈ روم میں آئی تھی۔ جیہ نے کروٹ لی۔

''مسز جلالی۔'' مسز ہیرلڈ نے بڑے پیار سے اسے پکارا۔

''ہوں۔'' وہ مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھ کر پھر سو گئی۔

کئی لمحے بیت گئے۔ مسز ہیرلڈ نے بتیاں بند کر دیں۔ کمرے کی چیزیں ٹھیک کیں۔ بیڈ کے چاروں طرف پڑے پھولوں کے گلدستے بیڈ کے ہلنے سے کہیں کہیں سے بے ترتیب ہو گئے تھے۔ اس نے اپنی جگہ پر رکھ دیئے۔

جیہ نے آنکھیں کھولیں۔ اک نظر مسز ہیرلڈ کو دیکھا۔ آنکھیں جھپکیں، چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ جب پوری طرح حواس میں آئی تو اک طویل انگڑائی لیتے ہوئے بیڈ میں قدرے اونچی ہوتے ہوئے بیڈ بورڈ سے ٹیک لگالی۔

''صبح بخیر۔'' مسز ہیرلڈ نے مسکرا کر کہا۔

جیہ نے خوشگوار لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''بہت دیر سے جاگی ہوں میں۔''

"نیند آگئی تھی۔ ڈرتی تو نہیں رہیں۔" مسز ہیرلڈ نے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

اور جیہ کو آدھی رات کو پردہ ہلنے کا واقعہ یاد آگیا۔ وہ ایک ٹک اسی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی جس کا پردہ ہلا تھا۔

لیکن یہ سب کچھ اسے واہمہ لگا۔ اس نے مسز ہیرلڈ کی بات کا جواب صرف مسکراہٹ تک محدود رکھا۔

"آپ بیڈ ٹی لینا پسند کریں گی؟"

"ہاں۔"

"میں ابھی لاتی ہوں۔ آپ کے اٹھنے کا انتظار کر رہی تھی۔"

مسز ہیرلڈ کمرے سے نکل گئی۔ جیہ بستر میں نیم دراز کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ دن کی روشنی مدھم مدھم تھی۔ فضا میں غنودگی چھائی ہوئی تھی۔ بیڈ روم کی سجاوٹ بڑی حسین لگ رہی تھی۔ وہ دلجمعی اور اطمینان سے ہر چیز دیکھ رہی تھی۔ ہر چیز انوکھی اور خیالی سی لگتی تھی لیکن حقیقی تھی۔ ریموٹ کنٹرول سے کھلنے اور بند ہونے والے پردے کھڑکیاں دروازے دیکھ رہی تھی۔ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی چھوٹی سی ڈبیہ اس نے اٹھا لی۔ ایک بٹن دبایا۔ کر کر کرتے سامنے کی شیشے کی دیوار کے سارے پردے سمٹ گئے۔ خوشی اور تجسس کی لہر اس کے اندر اٹھی۔ یہ جناتی سا عمل تھا۔ اسے لطف آیا۔ اس نے پھر بٹن دبایا، پردے سمٹ گئے۔ یہ عمل اس نے کئی بار دہرایا اور ہر بار نیا لطف لیا۔

پھر اس نے دوسرا بٹن دبایا۔ دائیں طرف کے آئینے کی دیوار ہٹ گئی اور بیرونی مناظر نظر آنے لگے۔ بہت خوبصورت علاقہ تھا۔ اس طرف سے پہاڑی سلسلہ تھا جو اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا گیا۔ سرخ پھولوں سے لدی جھاڑیاں، سبزے میں نگینوں کی طرح جڑی تھیں۔ سرمئی بادلوں کے جھک آنے سے ان کا حسن دوبالا ہو گیا تھا۔ جیہ ان قدرتی مناظر کو نگاہوں میں بڑے شوق سے جذب کر رہی تھی۔

مسز ہیرلڈ چائے لے کر آگئی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور چائے کی نفیس پیالی جیہ کی طرف بڑھا دی۔



"شکریہ۔" جیہ نے چائے لیتے ہوئے کہا۔ "بہت خوبصورت علاقہ ہے۔"

"اوہ بالکل۔ آپ کا گھر انتہائی خوبصورت علاقے میں واقعہ ہے۔ یہ فیری لینڈ ہے۔" اور پھر ہنستے ہوئے بولی۔ "آپ بھی تو فیری ہیں۔"

جیہ اس کی تعریف پر مسکرانے لگی۔

"آپ چائے پی کر تیار ہو جائیں۔ میں آپ کا سارا گھر آپ کو دکھا دوں گی۔ ہر چیز ریموٹ کنٹرول ہے۔"

جیہ نے حیران حیران نظروں سے اسے دیکھا۔ "آپ کو تو بالکل جادو کا گھر لگے گا۔ بہت سٹائلش اور پوش گھر ہے۔"

جیہ گھونٹ گھونٹ چائے حلق میں اتارنے لگی۔

مسز ہیرلڈ نے اسے تیار ہو کر آنے کو کہا۔ "ناشتہ تو آپ تھوڑی دیر بعد ہی کریں گی؟"

"ہاں۔"

"ناشتے میں کیا پسند کریں گی؟"

"جو مل جائے۔"

"امریکن یا پاکستانی؟"

"آپ پاکستانی ڈشز بنا لیتی ہیں؟"

"ہاں میں نے خاص طور سے سیکھی ہیں۔ جلالی کو پاکستانی کھانے زیادہ مرغوب ہیں۔"

جلالی کے نام پر جیہ کا دل دھڑک اٹھا۔ پیالی ہاتھ میں لرز گئی۔ ایک دم مایوسی کا غلبہ ہوا۔

"وہ کہاں گئے ہیں؟" اس نے ہمت کر کے مسز ہیرلڈ سے پوچھ ہی لیا۔

"آجائیں گے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔" مسز ہیرلڈ نے جلدی سے کہا۔ اور پھر بات بدلنے کو بولی۔ "آپ نہا دھو کر لباس تبدیل کر لیں۔ میں امریکن ناشتہ تیار کروں گی، آپ پسند کریں گی۔"

"بہت اچھا۔" جیہ نے کہا اور آرام سے چائے پینے لگی۔

مسز ہیرلڈ کمرے سے نکل گئی۔

چائے گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے جیہ جلالی کے متعلق سوچنے لگی۔ کچھ اشتیاق، کچھ جھجک، کچھ مایوسی۔ وہ سوچوں میں ڈوب گئی۔

کئی لمحے یونہی گزر گئے۔ خالی پیالی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے اک گہری سانس لی۔ زندگی میں ایک دم اتنی بڑی تبدیلی آئی تھی جو صرف خوشگوار ہی نہ تھی۔ حیران کن بھی تھی۔ اتنی آسائش اور ایسی سہولتوں کا تو کبھی اس کے خوابوں میں بھی گزر نہ ہوا تھا۔ کاش اس کی امی اور ابو اس وقت اسے دیکھ سکتے۔ اس کی بہنیں اور بھائی دیکھ سکتے کہ وہ انتہائی شاندار بیڈ پر خوبصورت شب خوابی کے لباس میں شان سے لیٹی ہے اور اک امریکن نوکرانی اس کی خدمت کے لیے چاق وچوبند کھڑی ہے۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے گھر والوں کو ہر چیز کی چھوٹی چھوٹی تفصیل لکھنے کا ارادہ کر لیا۔ ان کی خوشیوں کا اندازہ کر کے وہ خوش ہونے لگی۔

کتنی ہی دیر وہ تساہل سے پڑی اپنے حال اور ماضی کا موازنہ کرتی رہی۔ بیڈ ٹی اسے مسز ہیرلڈ نے لا کر دی تھی۔ فربہ فربہ سی چاق وچوبند مسز ہیرلڈ اس کی خدمت پر مامور تھی۔

گھر میں کبھی کبھی اس کا موڈ بیڈ ٹی لینے کو بنا کرتا تھا تو وہ خود ہی اٹھ جاتی تھی اور تیل کے چولہے پر سلور کے ڈبے میں اپنے لیے بیڈ ٹی بنا لیا کرتی تھی۔

آج اس نے جس شان سے بیڈ ٹی لی تھی، اس کا رواں رواں شکر گزاری کے احساس سے مغلوب تھا۔ یہ خداوند تعالیٰ کی خاص الخاص نوازش تھی کہ اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں شکر ادا کرتے اٹھی اور غسل خانے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ نہا دھو کر ڈریسنگ روم میں آ گئی۔

ڈریسنگ روم میں کئی لباس ہینگروں میں لٹک رہے تھے۔ میکسیاں، جینز، ٹراؤزر، بلاؤز اور کئی دوسرے غیر ملکی لباس تھے جو جلالی نے اس کی آمد سے پہلے ہی خریدے تھے۔ فوزیہ سے فون پر انہوں نے پوری انسٹرکشنز لے لی تھی۔



جیہ کا بیگ اور اٹیچی کیس بھی الماری کے نچلے خانے میں مسز ہیرلڈ نے رکھ دیا تھا۔ اس نے اٹیچی کیس نکالا اور آلیو گرین رنگ کے کپڑے نکال لیے۔ ان پر سنہری کامدانی کام کیا ہوا تھا۔ بہت خوبصورت کام تھا۔

کپڑے بدل کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف مڑی۔ ہر طرح کے کاسمٹکس وہاں پڑے تھے۔ کچھ ایسی چیزیں بھی تھیں۔ جن کے متعلق وہ کچھ نہ جانتی تھی۔ اسے اس وقت زیادہ بناؤ سنگھار کرنا بھی نہ تھا۔ ہلکا سا میک اپ کیا، بال بنائے اور پرفیوم اپنے اوپر سپرے کر کے واپس بیڈ روم میں آ گئی۔

مسز ہیرلڈ اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اسے آتے دیکھا تو پر شوق اور تحسین بھری نظروں سے دیکھا۔

"بہت خوبصورت، بڑی پیاری۔" اس نے توصیفی جملے کہے۔

"شکریہ۔" جیہ مسکرائی۔

"آئیے۔"

"کہاں؟"

"کچن میں۔ میں نے آپ کے لیے امریکن ناشتہ تیار کیا ہے۔ امید ہے آپ پسند کریں گی۔"

"چلیے۔"

مسز ہیرلڈ کے ساتھ وہ بیڈ روم سے باہر آ گئی۔ دو تین زینے جو قالین سے ڈھکے تھے، اتر کر وہ دوسرے کمرے میں آ گئی۔ یہ کمرہ بھی آراستہ و پیراستہ تھا۔ موٹے موٹے قالین اسفنجی لگتے تھے۔ پیر اندر دھنس جاتے تھے۔ یہ لیونگ روم تھا۔

مسز ہیرلڈ دائیں ہاتھ کے دروازے کی طرف بڑھی۔

جیہ چند لمحے کو دیکھنے رک گئی۔ پنک اور ہلکے نیلے رنگ کا خوبصورت امتزاج بڑا ہی دلکش تھا۔ چھت سے لٹکی باسکٹس میں پھولوں کے گملے رکھے تھے۔ پھول مصنوعی تھے لیکن ان پر اصلی ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ پینٹنگز بھی نایاب تھیں۔ سلور اور کوپر کی تصویریں بھی بے حد خوبصورت تھیں۔ پتھر سے تراشے ہوئے ٹیبل لیمپس تو

پرانے نوادرات میں سے تھے۔ ہر چیز توجہ کے لیے باعثِ کشش تھی۔

مسز ہیرلڈ دروازے کے اندر چلی گئی تھی۔

اور

جیہ کمرے کا جائزہ لینے کے بعد قدم اٹھانے کو تھی۔

کہ

اس کی نظر شیشے کے سلائیڈنگ ڈور پر پڑی۔ کمرہ دھندلا سا تھا۔ پردے گرے ہوئے تھے۔ باہر کی فضا بھی اثرانداز تھی۔ دروازہ کھول کر کوئی اندر آرہا تھا۔

وہی

وہی؟

رات والا چہرہ......!

خوفناک، بھیانک

اور

بھوتوں ایسا۔ یقیناً یہ رات والا بھوت ہے۔

جیہ کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور خوفزدہ ہو کر وہ تیزی سے مسز ہیرلڈ کے پیچھے بھاگی۔ مسز ہیرلڈ نے پلٹ کر دیکھا۔

"وہ......وہ......" جیہ کے ہونٹ تک سپید پڑ چکے تھے۔ آنکھیں پھٹ جانے کی حد تک کھلی تھیں۔ رنگ اڑا ہوا تھا اور سرتاپا کانپ رہی تھی۔

مسز ہیرلڈ نے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ "کیا ہوا......؟ کیا ہوا......؟"

"اوہ......" مسز ہیرلڈ نے پیار سے اسے لپٹاتے ہوئے کہا۔ "خوف آپ کے ذہن میں بیٹھا ہوا تھا ورنہ یہاں کوئی نہیں ہے۔"

"ہے ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے۔ کوئی بھوت...... خوفناک۔ بھیانک۔" وہ بے ربط سے کہتے ہوئے مسز ہیرلڈ سے لپٹی جارہی تھی۔

مسز ہیرلڈ نے مضبوطی سے اس کے کانپتے وجود کو بازوؤں میں تھام لیا۔

"کوئی نہیں ہے گھر میں اس وقت میرے اور آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ آپ خواہ مخواہ



ڈر رہی ہیں۔"

وہ پیار سے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے ہنس ہنس کر "ڈرپوک لڑکی" کہہ رہی تھیں۔ "یہاں بھوت پریت نام کی کوئی چیز نہیں۔ آیئے آرام سے یہاں بیٹھ جائیں۔"

اس نے فوم کی اونچی پشت والی سبز کرسی پر جیہ کو بٹھادیا اور خود پانی کا گلاس لینے بڑھی۔ کچن کا دروازہ کھول بھی نہ پائی تھی کہ پلٹنا پڑا۔

"مسز ہیرلڈ۔" جیہ نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"ہوں۔" وہ اس کی حرکت پر مسکرائی۔

"آپ کہیں نہ جائیں۔"

"آپ کے لیے پانی لاؤں گی۔"

"نہیں۔"

"دو گھونٹ پانی تو پی لیں۔"

"نہیں مسز ہیرلڈ۔ مجھے اکیلا نہ چھوڑیں۔ میں سخت خوفزدہ ہوں۔ وہاں کوئی تھا۔ ضرور تھا۔"

"آپ کا وہم ہے اور کچھ نہیں۔ ادھر سب دروازے بند ہیں۔"

"میں نے اپنی آنکھوں سے سلائیڈنگ ڈور کھلتے دیکھا ہے۔ اور اور......"

"ٹھہریں میں جا کر دیکھ لیتی ہوں۔ آپ کو اطمینان دلانے کے لیے۔"

جیہ کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر لمبے لمبے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ مسز ہیرلڈ کے کمرے سے جاتے ہی خوف کی کپکپی اس پر طاری ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ کچن کے برابر والے کمرے میں تھی۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

پھیلی پھیلی آنکھوں سے وہ کھڑکیوں اور دروازوں کو تک رہی تھی۔ کرسی پر ٹیلنے کا انداز اٹھ بھاگنے والا تھا۔ ذرا سا کھٹکا ہوا یا کچھ نظر آیا تو وہ ایک ہی جست میں اس کمرے سے دوسرے کمرے میں چلی جائے گی۔ مسز ہیرلڈ ادھر ہی گئی تھی۔

--------O--------

”اوہ مسز جلالی آپ واقعی بہت ڈرپوک ہیں۔ میں نے گھر کا کونہ کونہ دیکھ ڈالا۔ کوئی بھی نہیں ہے۔ یقیناً آپ لاشعوری طور پر خوفزدہ ہیں، اس لیے آپ ڈر گئیں۔“

جیہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے سر نفی میں ہلایا۔ ”میں نے خود دیکھا ہے مسز ہیرلڈ۔“

”شاید کوئی آدمی تھا؟“

”شاید۔“

مسز ہیرلڈ نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور اس کے کندھے کو تھپتھپانے لگی۔ ”جب آپ کو یقین ہی نہیں کہ وہ کیا شے تھی، پھر ڈرنا بے معنی ہے۔“

”کمرے میں دھندلاہٹ تھی، پردے بھی تنے ہوئے تھے۔ اس لیے پتہ نہ چل سکا۔“

جیہ کے دم میں دم آگیا۔ وہ اب متوحش نہ تھی۔

”آؤ۔“ مسز ہیرلڈ نے اس کا ہاتھ پیار سے تھام لیا۔ ”میرے ہوتے ہوئے تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ چلیں کچن دکھاؤں آپ کو، وہیں ناشتہ کریں گے۔ میں نے آپ کے لیے ہیش براؤن اور چیز آملیٹ بریک فاسٹ بنایا ہے۔“

جیہ اس کے ساتھ کچن میں چلی آئی۔ بریک فاسٹ کے انوکھے سے نام سے وہ مرعوب سی نظر آئی۔

باقی گھر کی طرح کچن بھی جدید طرز کا تھا۔ نئے نئے برتن نان سٹک دیگچیاں اور پین بڑے سلیقے سے ہکس کے ساتھ لٹکائے ہوئے تھے۔ نفیس چینی اور کٹ گلاس کے انتہائی خوبصورت برتن بھی ریکس میں پڑے تھے۔ دیوار گیر شیشے کی الماری تھی جس



میں چینی اور جاپانی نفیس کراکری کے رنگین سیٹ رکھے تھے۔ دیوار کے ساتھ چھوٹے چھوٹے ہکوں کے ساتھ سٹین لیس سٹیل کے کھانے پکانے میں استعمال ہونے والے چمچ، کفگیر اور عجیب و غریب قسم کے کانٹے چھریاں لٹک رہے تھے۔ باورچی خانہ ہلکے زرد رنگ کا تھا اور ہر چیز کا رنگ بھی ہلکے اور گہرے زرد رنگ کا امتزاج تھا۔ ککنگ رینج، فریج اور سنک کے ساتھ لگا ڈش واشر بھی ہلکے زرد رنگ کا تھا۔ کچن خاصا کشادہ تھا۔ ایک کھڑکی پہاڑی کے اٹھتے سلسلے کی طرف کھلتی تھی۔ پھولوں سے لدی جھاڑیاں، اونچائیوں کے ساتھ ہی اوپر اٹھتی چلی جاتی تھیں۔ منظر بے حد دلکش لگتا تھا۔

کھڑکی کے سامنے ٹیبل پڑی تھی جس پر نفیس جالی کا رومال تھا۔ چار اونچی پشت اور نرم گدوں والی کرسیاں ٹیبل کے چاروں طرف رکھی تھیں۔ مسز ہیرلڈ نے کچن میں پھول بھی سجا رکھے تھے۔ ٹیبل پر کٹ گلاس کے نفیس گلدان میں موسمی پھول بڑے خوبصورت لگ رہے تھے۔

”بیٹھیے۔“ اس نے جیہ سے کہا اور خود ککنگ رینج کی طرف مڑ گئی۔ جیہ دن کی سنہری روشنی میں کچن کی ایک ایک چیز غور سے دیکھنے لگی۔

مسز ہیرلڈ ناشتہ لگانے لگی۔ جیہ اس کے قریب آگئی۔

مسز ہیرلڈ نے اوون میں سے پلیٹ نکالی۔ پلیٹ ٹھنڈی تھی لیکن اس میں رکھا ہوا چیز آملیٹ گرم تھا۔

جیہ نے حیرانگی سے دیکھا۔

”پلیٹ گرم نہیں ہوئی......؟“ جیہ نے پلیٹ کو چھوا، پھر آملیٹ کو ہاتھ لگایا۔

مسز ہیرلڈ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”یہ مائیکرو ویو اوون ہے۔ دودھ کا گلاس اس میں رکھ دیں۔ گلاس ٹھنڈا ہی رہے گا اور دودھ جوشنے لگے گا۔“

”واقعی؟“

”ہاں۔“

”یہ بات میرے لیے انوکھی ہے۔“

”بہت سی انوکھی باتیں ہیں آپ کے لیے۔ خاص کر ریموٹ کنٹرول کی چیزیں

تو آپ کے لیے یقیناً انوکھی ہوں گی۔"

جیہ حیرانگی و شوق سے اس کی باتیں سننے لگی۔ جیہ کو کچن کی ایک ایک چیز سے متعارف کروایا۔

"یہ اوون گیس اور بجلی دونوں سے کام کر سکتا ہے۔ اس میں یہ بٹن مختلف چیزوں کے لیے ہیں۔ یہ ٹمپریچر کے ناپ ہیں۔ یہ بیل ہے۔ یہ آٹو میٹک ککنگ کے لیے ہے۔"

مسز ہیرلڈ جیہ کو بتانے لگی۔ جیہ دلچسپی سے ہر چیز کو چھو چھو کر دیکھ رہی تھی۔

"یہ ڈش واشر ہے۔ اس میں برتن ڈال کر تھوڑا سا پاؤڈر ڈال کر آن کر دیں۔ برتن دھل کر خود ہی خشک ہو جاتے ہیں۔"

"یہ مکسر ہے۔"

"یہ بلنڈر ہے۔"

"یہ ٹوسٹر ہے۔"

"یہ سپون ریک ہے۔"

"یہ الیکٹرک کین او پنر ہے۔"

وہ ایک ایک چیز کا نام اور کام پوری تفصیل سے اسے بتا رہی تھی۔

"کچھ چیزیں تو جادو کی لگتی ہیں جیسے کہ یہ مائیکروویو اوون۔" جیہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ناشتہ کرنے کے بعد آپ کو آپ کا سارا گھر دکھاؤں گی۔"

"بہتر۔"

امریکن عورت۔

جسے پاکستان میں دیکھ کر ہمیشہ اسے کمتری ہی کا احساس ہوا تھا۔ یہ لوگ اس کے ذہن میں کتنے اونچے تھے۔

لیکن

اب



وہ اس کی خدمت پر مامور تھی۔

کیا یہ اعزاز ایسا تھا جسے جیہ درگزر کر سکتی۔ وہ اپنی قسمت پر آپ نازاں ہونے لگی۔ یہ سب چیزیں جن کے متعلق اس نے یا اس کے قبیل کے لوگوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا، اب اس کی تھیں۔ اس کے تصرف میں تھیں۔ ان کی وہ بلا شرکت غیرے مالک تھی۔

خوشی اور تفاخر کے احساس سے وہ مغلوب تھی۔

"مسز ہیرلڈ۔" اس نے پکارا۔

"جی۔"

"یہ ناشتہ دیکھنے میں بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"کھا کر دیکھیں، ٹیسٹ بھی اچھا ہوگا۔"

"اب اسے کھانے کا طریقہ بھی تو بتائیں۔"

جیہ نے ہنس کر کہا اور پھر بولی۔ "ہمارے ہاں کے ناشتے مختلف ہوتے ہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔ دو ایک میں بنا بھی لیتی ہوں۔ جلالی کو بہت پسند ہیں آپ کے ملکی ناشتے۔"

"جلالی۔" جیہ نے زیر لب کہا۔ اب اس کی جھجک کچھ دور ہو چکی تھی۔ اس نے بڑی ہمت کر کے پوچھا۔ "جلالی کب آئیں گے؟"

اس کی آنکھوں میں شوق و تجسس کے دیئے جل اٹھے تھے۔ چہرے پر بڑی خوبصورت اور شرمیلی مسکراہٹ تھی۔

مسز ہیرلڈ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ کچھ تذبذب میں تھی لیکن ہنس کر بولی۔ "آج انہیں آ جانا چاہیے۔"

جیہ نے چاہا جلالی کے بارے میں مسز ہیرلڈ سے ڈھیر ساری باتیں پوچھ لے لیکن حیا مانع تھی۔ مسز ہیرلڈ نے شاید اس کے من کی بات جان لی تھی۔ اسی لیے اس کا دھیان دوسری طرف مبذول کرنا ضروری سمجھا۔ جلدی سے بولی۔ "آپ چائے کیسی پسند کریں گی؟"

"چائے جیسی ہوتی ہے۔ کیا یہاں چائے کی بھی قسمیں ہوتی ہیں؟"

"ہاں کوئی ہلکی پیتا ہے تو کوئی تیز۔ کسی کو تھوڑا دودھ پسند ہے، کسی کو زیادہ۔"

"میں تیز چائے پینے کی عادی ہوں۔" جیہ نے کہا اور اسے اپنے گھر کا باورچی خانہ یاد آگیا جس میں تیل کے چولہے پر صبح صبح اماں یا تانو باجی چائے کا دیگچہ چڑھا دیا کرتی تھیں۔ پتی، چینی، دودھ سب گڈمڈ کر کے ڈال دیتی تھیں۔ چائے گھر کے پہلے فرد سے لے کر آخری فرد تک چولہے پر جوش پہ جوش کھاتی رہتی تھی۔ جوش کھاتے کھاتے اس کا رنگ اور ذائقہ سبھی کچھ بدل جاتا تھا۔

جیہ ناشتہ کرنے لگی۔ چھری کانٹے کا استعمال اسے آتا ہی کب تھا۔ ڈرتے ڈرتے وہ یہ چیزیں استعمال کر رہی تھی۔ ویسے مسز ہیرلڈ بڑے پیار سے سکھا بھی تو رہی تھی۔

ناشتے کے بعد مسز ہیرلڈ جیہ کو لیونگ روم میں لے آئی۔ جیہ ہر چیز کو شوق اور تجسس سے دیکھنے لگی۔ دو لاؤڈ سپیکروں والا خوبصورت سٹیریو اسے بے حد پسند آیا۔ کچھ اسی قسم کا سٹیریو باجی صوفیہ کے پاس بھی تھا۔ اس کے شوہر دوبئی سے لائے تھے۔ ریکارڈ پلیئر ریڈیو اور کیسٹ پلیئر کے علاوہ اس میں گھڑی بھی تھی۔ مختلف زبانوں کے گانوں کے ریکارڈ سٹینڈ پر رکھے ہوئے تھے۔ ٹیپ کے کیسٹ بھی کافی تعداد میں سلیقے سے گول سٹینڈ پر رکھے ہوئے تھے جسے چاروں طرف آسانی سے گھمایا جا سکتا تھا۔

ڈرائنگ روم میں تو جیہ داخل ہوتے ہی جھجک گئی۔ ایسا شاندار ڈرائنگ روم تو اس نے بڑی سے بڑی کوٹھی میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ ہر چیز چمک رہی تھی، جگمگا رہی تھی۔ اپنی انفرادیت منوا رہی تھی۔ اپنے اعلیٰ ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔ اپنے انوکھے پن کا اظہار کر رہی تھی۔ یہاں بھی جیہ کی حیرت انگشت بدنداں تھی لیکن وہ بڑی خوبصورتی سے اپنے آپ کو چھپا رہی تھی۔ مسز ہیرلڈ کے سامنے حیرت اور تجسس کا اظہار اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

لیکن



حیران ہونا قدرتی بات تھی۔ کوشش کے باوجود اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور منہ سے ہلکی سی انبساطی چیخ نکلتے نکلتے "ہا" بن کر لبوں پر پھسل گئی۔ اسے ساتھ ساتھ چلتی مسز ہیرلڈ سے پوچھنا ہی پڑا۔ "یہ کیسے ہوا مسز ہیرلڈ؟"

مسز ہیرلڈ مسکرانے لگی تو جیہ حیران نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "اب تو آپ نے کوئی بٹن نہیں دبایا اور یہ سامنے کا دروازہ اندر چلا گیا اور سامنے ڈائننگ ہال آگیا۔"

مسز ہیرلڈ اس کی حیرت پر مسکراتے ہوئے فخریہ انداز میں بولی۔ "اب ادھر آیئے۔" جیہ اس کے ساتھ دائیں ہاتھ چند قدم اٹھا کر آگئی اور جیہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب شیشے کی بڑی سی دیوار سرک کر اینٹوں کی دیوار کے اندر چلی گئی۔ یہ سب کچھ آپوں آپ ہوا۔

جیہ نے سر گھما کر مسز ہیرلڈ کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ خالی تھے۔

"یہ کیا حساب کتاب ہے؟" جیہ شوق سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

"اب اوپر آیئے۔" مسز ہیرلڈ اس کا ہاتھ تھام کر چھوٹے چھوٹے زینے جن پر موٹے موٹے قالین پڑے تھے، طے کر کے اوپر آگئی۔ یہ بالکل گول کمرہ تھا جس کی تقریباً ساری دیواریں صاف شفاف شیشے کی تھیں۔

ناجیہ کو یہ کمرہ اپنے منفرد ساز و سامان کی وجہ سے بہت ہی پسند آیا۔ وہ بڑے تجسس سے ہر چیز کو دیکھنے لگی۔ مسز ہیرلڈ نے سارے پردے ہٹا دیئے۔

اچانک کمرہ گھومنے لگا۔

جیہ سمجھی زلزلہ ہے۔ چیخ کر مسز ہیرلڈ سے لپٹ گئی جو فخر سے مسکرا رہی تھی۔

"یہ ریوالونگ روم ہے مسز جلالی۔" ہنستے ہوئے اس نے جیہ سے کہا۔ "یہاں بیٹھ جایئے۔" اس نے ایک نیچی سی آرام دہ کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "باہر کے مناظر دیکھئے۔ جو منظر پسند آئے، وہاں اس کمرے کے گھماؤ کو روکا جا سکتا ہے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گی مسز ہیرلڈ۔" جیہ نے ہنستے ہوئے مسز ہیرلڈ سے کہا۔

"یہ تو بالکل جادو کا محل لگتا ہے۔"

"ہاں...... ہے تو...... جادو کے محل کی ہر چیز یہاں موجود ہے۔" مسز ہیر لڈ کہتے ہوئے کچھ بجھ سی گئی۔

جیہ گرد و پیش کے سامنے آنے والے مناظر دیکھ دیکھ کر لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اسے اپنے گھر کا بھی خیال آ رہا تھا۔ ٹوٹا پھوٹا پرانا گھر جس کی ہر چیز ٹوٹی پھوٹی اور بکھری ہوئی تھی۔

کیا وہ واقعی ارضی جنت میں آ گئی تھی؟

اس نے بے یقینی سے سوچا۔

اسے اپنی خوش نصیبی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

پھر مسز ہیر لڈ نے اسے ٹرانسپرنٹ چھت والا کمرہ دکھایا۔

"گرمیوں میں یہ خوابگاہ ہو گی۔ آپ گرم ممالک کے رہنے والے ہیں۔ تاروں بھرے آسمان تلے سونے کے عادی ہیں۔ اس کمرے میں جب آپ سوئیں گی تو یہی محسوس ہو گا کہ کھلے آسمان تلے سو رہی ہیں۔"

جیہ نے اس کمرے کو بھی بے حد پسند کیا۔ ناپسند کرنے والی تو کوئی چیز ہی نہ تھی۔ ہر چیز حیرت میں گم کر دینے والی تھی۔

جیہ چھوٹے چھوٹے سوال بھی مسز ہیر لڈ سے کرتی جا رہی تھی۔ اپنی اجنبیت کو مٹانے کے لیے معلومات کا ذخیرہ ضروری تھا۔

"بٹن آن کر کے تو جو کام ہو جائے، سمجھ میں آ جاتا ہے لیکن ڈرائینگ روم کا سامنے آنا۔ دیوار کا سرک جانا اور کمرے کا گھومنے لگنا، یہ سب آپوں آپ کیسے ہوا تھا مسز ہیر لڈ؟"

مسز ہیر لڈ اسے پھر ڈرائینگ روم میں لے گئی۔

"یہ سامنے جو دو چھوٹی چھوٹی بتیاں نظر آ رہی ہیں ناں؟" اس نے ڈائننگ ہال کے کھلنے والے پٹ کی پیشانی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں۔"

"بس سارا راز انہی میں پنہاں ہے۔"



"وہ کیسے؟"

"یہ سب کچھ ریز سے کنٹرول ہوتا ہے۔ جب ہم ان ریز کی زد میں آ جاتے ہیں تو دروازہ کھلنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس شیشے کی دیوار کے اوپر بھی دو بٹن نما بتیاں ہیں۔"

"حیرت کی بات ہے۔"

"یہ سب ریموٹ کنٹرول ہے۔ الیکٹرونکس میں ہماری سائنس نے کمال حاصل کر لیا ہے۔"

"واقعی؟"

"ہاں۔"

وہ باتیں کرتے لیونگ روم میں آ گئیں۔

فون کی گھنٹی بجی۔ مسز ہیر لڈ نے لپک کر فون اٹھایا۔ چند باتیں کرنے کے بعد جیہ سے بولی۔ "مسز رفیق ہیں۔ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔"

جیہ نے جھجکتے ہوئے فون پکڑا۔ مبادا اس میں بھی کوئی حیران کر دینے والی کل لگی ہو۔

فوزیہ بول رہی تھی۔ ایک ہی سانس میں اس نے کئی باتیں کہہ دیں، کئی باتیں پوچھ لیں۔

"رات میں نے پاکستان صوفیہ کو فون کر دیا تھا۔ تمہارے گھر خیریت سے پہنچنے کی اطلاع مل گئی ہو گی۔" فوزیہ بولی۔

"یہ آپ نے اچھا کیا۔ میں بھی سوچ رہی تھی۔" جیہ نے کہا۔

"بہت دیر تک سوتی رہیں۔ میں نے پہلے بھی رنگ کیا تھا۔"

"رات اچھی طرح نیند نہ آئی تھی فوزیہ باجی۔"

"انجان جگہ کی وجہ سے۔"

"یہاں کچھ یہی بات تھی۔"

"گھر دیکھ لیا اپنا؟"

"جی۔"

"پسند آیا؟"

"پسند! فوزیہ باجی مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا کہ یہ سب کچھ میرا ہے۔"

فوزیہ ہنسی اور بولی۔ "آجائے گا۔ یقین رکھو، سب کچھ تمہارا ہی ہے۔"

"ویسے......"

"کیا......؟"

"میں اکیلی ہوں۔"

"اوہ۔ اچھا۔ جلالی ابھی نہیں آئے؟"

"نہیں۔"

"آجائیں گے۔"

"جانے کب؟"

"خیر انتظار میں بڑی لذت ہے اور ہاں جیہ......"

"جی۔"

"جلالی نے تمہارے لیے بہت کچھ کیا ہے۔"

"جی...... مانتی ہوں۔"

"تمہیں بھی جلالی کے لیے بہت کچھ کرنا ہوگا۔ ازدواجی زندگی کچھ لو، کچھ دو کے فارمولے پر چلتی ہے۔ جذباتی نہ ہو جانا۔ انسان کی پرکھ ضروری ہوتی ہے۔ ظاہرداری عارضی چیز ہے۔"

"جی......؟" جیہ کچھ نہیں سمجھی تو فوزیہ سنجیدگی سے بولی۔ "خدا تمہیں خوشیاں نصیب کرے۔"

فوزیہ نے شاید جلالی کے بارے میں وضاحت کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس کے خیال میں اب ہو بھی کیا سکتا تھا، اسے قطعی علم نہ تھا کہ جیہ کو بتایا ہی نہیں گیا کہ جلالی کی شکل و صورت کیسی ہے۔ جیہ کے گھر والوں نے تو اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔



چند لمحے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد فوزیہ نے خدا حافظ کہا تو جیہ گھبرا کر بولی۔ "باجی آپ ہی میرے پاس آجائیں۔"

"جیہ ہم لوگ ہفتے کو آئیں گے، سبھی دوست۔ وہ بھی اس صورت میں کہ تم لوگ ہنی مون کے لیے کہیں چلے نہ گئے تو......"

جیہ کچھ نہ کہہ سکی۔ فوزیہ نے شام پھر فون کرنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔

-----:-O-------

redroses@pakistanipoint.com

مسز ہیرلڈ جیہ کو گھر سے باہر بھی لے گئی۔ ڈرائیو وے میں کھڑی گاڑیاں دکھائیں۔

"یہ گاڑی جلالی کی ذاتی گاڑی ہے۔"

"یہ میری ہے۔"

"یہ سپورٹس کار ہے۔"

"یہ ریڈ کار جلالی نے آپ کے لیے خریدی ہے۔ آپ کی ذاتی گاڑی ہوگی یہ۔"

جیہ نے گاڑیوں کو شوق سے دیکھا۔ پسندیدگی کے آثار اس کے چہرے پر لہرانے لگے۔ اپنے آپ پر کچھ کچھ اعتماد ہونے لگا۔ وہ بڑے تفاخر سے گاڑی کے متعلق باتیں کرنے لگی۔

مسز ہیرلڈ نے اسے مصنوعی جھیل بھی دکھائی۔ اس کے کنارے بنے شیشے کے سن روم میں بھی لے گئی۔

پھر اس نے اردگرد رہنے والوں سے بھی اس کا غائبانہ تعارف کروایا۔ دور دور بڑے خوبصورت گھر پہاڑی ڈھلانی اور میدانی قطعوں میں بنے ہوئے تھے۔ گھروں کی تعداد محدود تھی۔

"اس ڈھلائی چھتوں والے وِلا میں ایک ہنگرین کپل رہتا ہے۔"

"اور اس سرخ و سبز جالیوں والے گھر میں مسٹر میکڈونلڈ رہتے ہیں، ان کی بیوی مرچکی ہے اور وہ اس گھر میں اکیلے ہی رہتے ہیں۔"

"دائیں ہاتھ کی کاٹیج میں مسز ڈورتھی جیکب ہے۔ اس کا شوہر بہت کم گھر میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ اپنے دو بچوں اور ایک لے پالک بچی کے ساتھ یہاں مقیم ہے۔ اپنے سارے بزنس کو بھی خود ہی چلارہی ہے۔ بہت دلچسپ خاتون ہے۔"



"اس لال رنگ کے قلعہ نما گھر میں فلپس سسٹرز ہیں۔ چار بہنیں اس میں رہتی ہیں اور ایک گھر میں رہنے کے باوجود چاروں ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔"

مسز ہیرلڈ سب سے متعلق چھوٹی موٹی باتیں اسے بتارہی تھی۔ جیہ کچھ تھک گئی تھی، اس لیے اس کی باتیں سنی ان سنی کررہی تھی۔

"یہ سب لوگ آپ کے اچھے دوست ہوں گے۔ مسز ڈورتھی جیکب تو ضرور آپ کی گہری دوست بن جائیں گی۔"

"اچھا مسز ہیرلڈ۔ کیا اب ہمیں واپس گھر نہیں چلنا چاہیے؟"

"ضرور۔ آپ کی خواہش ہے تو ابھی واپس چلتے ہیں۔"

"چلیں۔"

دونوں ساتھ ساتھ چلتے واپس آگئیں۔ گھر کا گردو پیش اتنا خوبصورت تھا کہ اسے بلاشبہ جنتی گوشہ کہا جاسکتا تھا۔

جیہ اپنے کمرے میں آگئی۔ ایک کرسی میں نیم دراز ہو کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس کا ذہن کچھ درہم برہم تھا۔ زندگی میں اتنی بڑی اور غیر متوقع تبدیلی آئی تھی۔ اس کا عادی ہونے میں وقت لگنا ہی تھا۔

مسز ہیرلڈ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ اس نے سارے گھر کی صفائی کی۔ پھر کچن میں چلی گئی۔

جیہ تساہل سے کرسی میں آنکھیں بند کیے خدا جانے کتنی دیر پڑی رہی۔ پھر کسی جذبے نے اسے اکسایا اور وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم میں آگئی۔ اس نے الماری کھولی اور اس میں ٹنگے مختلف ڈریسز کا جائزہ لیا۔

"کیوں نہ انہیں پہن کر دیکھا جائے۔ وقت گزارنے کا اس سے بہترین ذریعہ اور کون سا ہوگا۔" اس نے سوچا۔

اور

پھر

ہینگر میں لٹکتی اک چمکیلے نفیس کپڑے کی میکسی اتارلی۔ میکسی سلیولیس تھی۔

سارا سینہ کھلا تھا۔ باریک باریک سے ربن کی ڈوریاں تھیں جو کندھوں پر گرہ لگ کر بندھی تھیں۔ اس نے میکسی پہن کر اپنے آپ کو دیکھا تو ننگے پن کے احساس سے خود سے شرم آنے لگی۔ کمرے میں کوئی نہیں، پھر بھی اسے گھبراہٹ ہوئی۔

ویسے وہ آئینے میں اپنے آپ کو تکتی رہی اور اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اس کے کندھے، گردن اور سینے کا دکھائی دینے والا حصہ خوبصورت اور کشش انگیز ہیں۔

میکسی اتار کر اس نے جینز پہنی۔ ریڈ بلاؤز اور نیوی بلیو جینز میں اسے اپنا سراپا بے حد اچھا لگا۔

آئینے کے سامنے مختلف پوز بنا بنا کر اپنے آپ کو تکتی رہی۔

پھر اس نے گھیر دار لیس کی گھنی فرلوں والا فراک پہنا۔ اس کی فٹنگ قدرے لوز تھی۔ کمر سے ذرا ڈھیلا تھا لیکن یہ لباس بھی اس پر خوب اٹھا۔ وہ ہاتھوں سے دونوں طرف سے فراک کو پکڑ کر پھیلاتے ہوئے آئینے میں دیکھ دیکھ کر خوش ہوئی۔

پھر اس کھیل سے بھی اس کا دل بھر گیا۔ بیزاری سے اس نے فراک اتار دیا۔

سوٹ کیس سے اپنے کپڑے نکالے۔ سادہ سے جوگیا رنگ کے کپڑے پہنے اور بالوں کو چٹیا کی صورت میں گوندھتی بیڈ پر آن گری۔

اس کا دل بھر آیا

اور

وہ تکیے میں منہ چھپا کر چپکے چپکے رونے لگی۔ اسے امی یاد آئیں، ابو کا چہرہ آنکھوں میں گھوم گیا۔ بھائیوں اور بہنوں کی شبیہیں ذہن میں لہرانے لگیں۔

وہ سب سے چھٹ کر
سب سے کٹ کر
یہاں آگئی تھی
ہزاروں میل دور
دیار غیر میں

جہاں اسے اماں کی صورت دکھائی نہ دے گی، ابا کی آواز نہ سنائی دے گی۔



بہنوں سے لڑنا جھگڑنا نہ ہوگا۔ بھائیوں سے لاڈ پیار نہ کر سکے گی۔

وہ جوں جوں سوچتی گئی، اس کا دل بھر بھر آتا رہا اور وہ چپکے چپکے آنسو بہاتی رہی۔

تنہائی اور غیر محفوظ ہونے کا خوف بھی اس کے آنسوؤں میں شامل تھا۔

روتے روتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

شاید وہ پڑی سوتی رہتی کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلنے کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ کھٹکا ہوا تھا، نہ کسی نے ہلایا جلایا تھا۔ بس آنکھ کھل گئی۔ شاید بے چین نیند تھی۔ گہری اور پرسکون نیند سوئی ہوتی تو کھٹکے پہ کھٹکے ہوتے اور اس کی آنکھ نہ کھلتی۔

اسے اماں کی بات یاد آگئی۔ ”جیہ تو گھوڑے بیچ کر سوتی ہے۔ پاس کوئی ڈھول ڈرم بجاتا رہے، مجال ہے جو اس کی نیند خراب ہو۔“

اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے طویل سی خمار آلودہ انگڑائی لی۔ اس کا انگ انگ دکھ رہا تھا۔

بستر میں کروٹ بدل کر اس نے رخ دائیں ہاتھ پھیر لیا اور ریشمی پردوں کی لہراتی ڈوریوں کو بے معنی نظروں سے تکنے لگی۔

اچانک اس کے کانوں میں کسی کے بولنے کی آواز آئی۔ بے حد خوبصورت آواز تھی۔

اس نے سر تکیے سے اٹھا کر کان کھڑے کیے۔ آواز کا رخ متعین کرنے کے لیے وہ چند لمحے اسی حالت میں رہی۔

آواز برابر کے کمرے سے آرہی تھی۔

کوئی فون کر رہا تھا۔ بات چیت اردو میں ہو رہی تھی۔ بھاری گھمبیر اور جذباتی سی آواز اس کے کانوں میں ترنم بن کر اترنے لگی۔ اس آواز میں مٹھاس تھی، درد تھا۔ سوز تھا۔ ایسی آواز اس کے لاشعور میں اکثر گونجا کرتی تھی۔ ہر جوان ہونے والی لڑکی کی طرح اس نے ذہنی بت تراش لیے تھے۔ ان بتوں سے جب بھی چھپ چھپ کر باتیں کرتی، کچھ ایسا ہی پرسوز ترنم اور دردیلی نغمگی اس کے کانوں میں اترا کرتی تھی۔

وہ شاید اس آواز کے سرور اور سحر میں کھوئی رہتی کہ بے ساختہ اس کا دل دھڑک اٹھا۔ اردو میں بات چیت کرنے والا اس گھر میں کون ہو سکتا تھا۔

کیا؟

کیا؟

یہ جلالی تھے؟

جلالی آگئے تھے۔

جلالی آگئے تھے۔

جلالی آگئے تھے۔

اس کے من میں شور مچ گیا۔ خوفزدہ گھبراہٹ اس کے سراپا پر چھا گئی۔ کچھ ڈوب جانے، کچھ کنارہ پا لینے کا احساس آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔

جانے کہاں سے نوید کی شبیہ ابھری اور اس کی ساری ہستی کو پارہ پارہ کرتی اس اجنبی انسان کے قدموں میں ڈھیر کر گئی۔ وہ آنکھیں بند کر کے چند لمحے بت بنی رہی۔

پھر اس نے اپنا چہرہ کمبل میں چھپا لیا۔ اپنا سارا وجود سمیٹ کر گٹھڑی سی بن گئی۔ شرم و حیا سے اس کا چہرہ عنابی ہونے لگا۔ دل بے قابو ہو کر دھڑکنے لگا۔ ہاتھ پاؤں میں پسینے آگئے۔

کئی لمحے یونہی بیت گئے۔

دوسرے کمرے سے فون پر ہونے والی گفتگو بند ہو چکی تھی۔

جیہ بیڈ پر اٹھ بیٹھی۔ اب شاید دوسرے کمرے میں کوئی نہ تھا۔ اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اس کے لب متبسم ہو گئے۔

"اف اللہ" اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے مسرت بھری گھبراہٹ سے سوچا۔ "میں ان کا سامنا کیسے کروں گی...... اکیلی...... ہائے میں اکیلی اور......اور......وہ......وہ"

وہ بے ساختہ ہنس دی۔ اسے اپنی حماقت پر ہنسی آرہی تھی۔

"بھلا ہر دلہن اپنے دولہا سے اکیلے ہی میں نہ ملتی تھی...... گھر کے چاہے



بے شمار فرد ہوں...... لیکن یہ مرحلہ تو ہر دلہن پر آتا ہی ہے۔"

اکیلے پن کا احساس ذہن سے نکال کر وہ بیڈ سے نکلی۔ اب پچھلے کوریڈور سے بولنے کی آواز آرہی تھی۔

یہ شاید مسز ہیرلڈ تھی۔

لیکن وہ کس سے مخاطب تھی؟

تجسس نے اسے ابھارا اور وہ کوریڈور کی طرف جانے والے دروازے کے قریب آگئی۔

"مسٹر جلالی۔" اس نے مسز ہیرلڈ کے صرف یہی الفاظ سنے۔ یقین تو اسے پہلے تھا...... اب بات پکی تھی کہ وہ جلالی ہی تھا۔

وہ

جن کی آواز بے حد خوبصورت تھی۔

مترنم...... پرسوز۔ درد بھری اور نغمہ بار......

مسز ہیرلڈ جانے کس بات کا اصرار کر رہی تھیں اور وہ جانے کیا جواب دے رہے تھے۔ جیہ سن نہ سکی...... وہ دونوں باہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

جیہ کے دل میں شوق اور تجسس طوفان اٹھا رہا تھا۔ شرم و حیا پاؤں کی زنجیر تھے۔

لیکن

جلالی کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش بھی بے قابو اور بے لگام ہو رہی تھی۔

وہ جھجکی

ٹھٹھکی

لیکن

آخر

ہمت کر ہی لی۔

ادھ کھلے دروازے کے پٹ کو اس نے ذرا سا کھولا۔ بے آواز دروازہ کچھ کھلا...... جیہ نے پٹ کے پیچھے کھڑے کھڑے سر قدرے موڑا۔

اور

آہستہ

آہستہ

اپنا سر پٹ سے کھسکاتے ہوئے

کوریڈور میں دیکھا

اور

پھر

اک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی۔

اس

کے

چہرے پر کئی رنگ لہرا گئے۔

دل اتنی زور سے دھڑکا...... کہ ......اس کے تھم جانے کا احساس ہوا۔

وہ بھاگ کر ڈریسنگ روم میں گئی اور ہینگروں میں لٹکے لباسوں میں چھپ جانے کی کوشش کی۔ چند لمحے وہ اپنے دل کی بے قرار دھڑکنوں کو قابو کرتی رہی۔

پھر

اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

وہ کیسی بے وقوف تھی...... احمق...... ناسمجھ۔

اپنے آپ کو ایسے ایسے القابات سے نوازتی۔ وہ کپڑوں سے الگ ہوئی۔ اس کی نظروں میں پسندیدگی تھی...... اس کے لب مسکرا رہے تھے۔

اونچے لانبے قد کے سمارٹ سے جلالی کی پشت دیکھی تھی...... وہ مسز ہیرلڈ سے باتیں کرتے ہوئے باہر جا رہے تھے۔

-------O-------



"اوہ مسٹر جلالی۔ آپ بھی کمال کے آدمی ہیں۔" مسز ہیرلڈ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"مسز ہیرلڈ۔" جلالی آہستگی سے بولے۔ "ناکامی کا خوف بدترین شے ہے۔"

"آپ فرض کیوں کر رہے ہیں کہ ناکام ہوں گے؟"

"اس بات کے چانسز زیادہ ہیں۔"

"آپ سارے وہم دل سے نکال کر اپنی مسز کے پاس جائیں۔ وہ آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

جلالی نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ پھر مسز ہیرلڈ کو ایک گہری نظر سے دیکھا۔ آہستگی سے بولے۔ "آپ ایسا سمجھتی ہیں؟"

"کیا؟"

"کہ وہ میرا انتظار کر رہی ہیں۔"

"اس میں سمجھنے کی کیا بات ہے۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ جلالی آگئے ہیں۔ خوشی سے ان کا چہرہ دمک اٹھا۔"

"واقعی؟" جلالی بے اختیار ہو کر کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہاں مسٹر جلالی۔ وہ بہت خوش ہیں۔ انہوں نے اپنا سرخ چمکیلا ویڈنگ ڈریس پہنا ہے۔ ساری جیولری بھی پہنی ہے۔ یہاں وہاں، ادھر ادھر۔"

مسز ہیرلڈ ماتھے، ناک، کانوں، گلے اور بازوؤں کو انگلیوں سے چھوتے ہوئے بولی۔

جلالی کو اس بات پر ہنسی آگئی۔

"اوہ۔ ہمت سے کام لیں مسٹر جلالی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"سچ کہہ رہی ہیں مسز ہیرلڈ؟"

"ہاں۔ بالکل سچ۔ چلیں۔"

"وہ ہیں کہاں؟"

"ڈرائینگ روم میں بیٹھی ہیں۔"

جلالی کی حالت قابل دید تھی۔ شوق اور خوف کا امتزاج عجیب وغریب تھا۔ لیکن

انہیں یہ قدم تو بہر حال اٹھانا ہی تھا۔

صبح جیہ انہیں سلائیڈنگ ڈور سے اندر آتے دیکھ کر ڈر کر بھاگ گئی تھی، یہ دھچکا جلالی نے پوری سفاکی سے کھایا تھا۔ انہیں ناکامی کا گھناؤنا چہرہ اس وقت سے ڈرا رہا تھا۔ ڈوبتے ہی جا رہے تھے۔ فوزیہ کو فون کر کے پوچھا تھا کہ اس نے ان کی بدصورتی کا راز جیہ یا ان کے گھر والوں سے چھپایا تو نہیں تھا؟

فوزیہ نے ان کی ہمت بندھائی تھی۔ جیہ کے گھریلو حالات اور اس کے والدین کی مجبوریوں کا پھر انہیں پوری طرح بتایا تھا۔ ان کی مسرت اور خوشی کی بھی پوری تصویر کشی کی تھی۔

"بدصورتی کوئی جرم نہیں کہ آپ اس پر شرمسار ہیں۔ نہ ہی اس میں آپ کے کسی فعل کا دخل ہے جو اس شدت سے اسے محسوس کر رہے ہیں جلالی بھائی۔"

فوزیہ نے کہا تھا اور پھر بولی تھی۔ "اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔ جیہ آپ کی منکوحہ ہے، وہ بھی چھوٹی بچی نہیں، سمجھدار لڑکی ہے۔ آپ اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ وہ آپ کو...... جیسے بھی ہو۔ اب تو آپ دونوں کو ایڈجسٹ ہونا ہی ہے۔ دونوں کی کوشش سے ایسا ہو گا اور انشاءاللہ ضرور ہو گا۔"

فوزیہ نے ہر طرح سے ان کی ہمت بندھائی تھی۔ "آپ کو ایئرپورٹ بھی جانا چاہیے تھا۔ خواہ مخواہ کا سسپنس بنا دیا۔ خیر اب بھی کوئی بات نہیں۔ آج بھاگنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ جیہ کافی سمجھدار لڑکی ہے۔"



جلالی کی ہمت واقعی بندھی تھی اور شام گہری ہوتے ہی وہ مسز ہیرلڈ کے اصرار پر گھر آ گئے تھے۔

مسز ہیرلڈ نے بھی ان کو سمجھایا تھا۔ "اس طرح کا فرار تو زیادہ مسائل پیدا کرے گا۔ کوئی دلہن بھی نہیں چاہتی کہ شادی کے بعد ایک لمبا عرصہ وہ شوہر کو نہ دیکھے۔ بری بات ہے۔"

گھنٹہ بھر وہ مغز پچی کرتی رہی۔ جلالی ڈانواں ڈول سے رہے اور جب مسز ہیرلڈ نے ان کی ہچکچاہٹ دیکھی تو ایک سخت گیر ماں کا رول ادا کیا۔ ان کا ہاتھ پکڑا اور غصے سے کھینچتے ہوئے ڈرائینگ روم میں لے آئی۔

"وہ ہے آپ کی دلہن مسٹر جلالی۔" اس نے انہیں اس کی طرف دھکیل دیا۔

جیہ پوری شان سے دلہن بنی بیٹھی تھی۔ اس نے روایتی انداز میں گھونگھٹ نکالا ہوا تھا۔ صوفے کے ایک کونے میں دھنسی بیٹھی تھی۔

مسز ہیرلڈ کی آواز پشت کی طرف سے آئی تھی۔ جلالی کا نام سنتے ہی جیہ کا دل بے قابو ہو گیا جس میں خفیف سی تھرتھراہٹ ہونے لگی۔ بے اختیار اس کا جی چاہا کہ مسز ہیرلڈ کو پکڑ کر اس سے چمٹ جائے۔

اللہ۔ کتنا حجاب، کیسی شرم آ رہی تھی اسے۔

"خداحافظ۔" مسز ہیرلڈ نے کہا اور دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی۔

جلالی بت بنے جہاں کھڑے تھے، وہیں کھڑے رہے۔ انہوں نے خوبصورت تراش کا نیلا سوٹ پہن رکھا تھا۔ ٹائی بھی نفیس تھی۔ پرفیوم بھی بہت پیاری تھی اور اتنی سپرے کی تھی کہ کمرے میں ان کی موجودگی اسی مہک سے جیہ تک پہنچی۔ فضا میں رچی ہوئی مردانہ پرفیوم کی یہ مہک بڑی جذبات انگیز تھی۔

جیہ نے اک جذباتی سی کسمساہٹ سے ہلکا سا پہلو بدلا۔

اور

جانے اس حرکت میں کیا تھا۔

تحریک تھی

بلاوا تھا

یا

کوئی اور کشش

جلالی تذبذب، ہچکچاہٹ اور خوف کی ہر حد پھلانگ گئے۔ سوچ کا انداز ہی تھا ناں، بدل گیا تو سارے وسوسے مر گئے۔

آخر کو تو وہ انسان تھے۔ انسان جن کا من دوسرے آدمیوں کی طرح تھا۔ جن کی خواہش، آرزوئیں اور جنسی تقاضے تمام مردوں کی طرح ہی تھے۔ اس بات کا احساس انہیں بدلتے لمحے میں ہوا۔ وہ سر تا پا بدل گئے۔ ان کے اندر کا عام مرد ان پر چھا گیا۔

اور

وہ بڑی جرأت سے آگے بڑھ آئے۔

"ناجیہ۔" انہوں نے صوفے کے قریب آ کر جیہ کی پشت پر کھڑے کہا۔ جیہ کا سر جھک گیا۔

جلالی نے بڑے مہذب انداز میں سلام کیا۔ "معذرت خواہ ہوں کہ کل آپ کے پاس نہ آ سکا۔"

جیہ تو سمٹی جا رہی تھی۔ اس کا سر اور جھک گیا تھا اور اسے اس نے بازوؤں کے حلقے میں ڈال دیا تھا۔

"میں بیٹھ سکتا ہوں؟" جلالی دوسری طرف آ گئے۔

جیہ کچھ نہیں بولی۔ وہ تو اب زرنگار سی گٹھڑی بن گئی تھی۔

وہ اس کے بالکل قریب صوفے پر بیٹھ گئے۔

جلالی کے من میں گدگدی سی ہونے لگی۔ شوق مچلنے لگا۔

اپنا آپ بھول گئے۔ صرف اور صرف جیہ نظر آنے لگی۔

جیہ

جیسے وہ من کی گہرائیوں



اور

روح کی پہنائیوں

سے پیار کرنے لگے تھے

یہ پیار

نیا نہیں تھا۔ بہت پرانا بہت ہی پرانا تھا۔ ان کے وجود سے بھی پرانا۔ یہ پیار ان کی تخلیق سے بھی بہت پہلے وجود میں آ چکا تھا۔ شاید اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے ان کی روح بنائی تھی۔

روح تو صدیوں پرانی ہوتی ہے نا

ان کا پیار بھی اس لحاظ سے صدیوں پرانا تھا۔

بڑا گہرا

بڑا انوکھا

بڑا اچھوتا پیار تھا۔ ان دیکھی جیہ کو کلیجے میں اتار لینے کو من مچل اٹھا تو سینے میں اتار لینے کی خواہش بے تاب تھی۔ آنکھوں میں بھر لینے کو دل تڑپ رہا تھا۔

ان کے دوستوں نے

مسز ہیرلڈ نے

مسٹر جیکسن نے

سبھی نے انہیں بتایا تھا کہ ناجیہ بہت خوبصورت ہے۔ بہت ہی پیاری ہے۔ بڑی سمارٹ ہے۔ پرکشش ہے۔ دل موہ لینے والی ہے۔

انہیں یہ بات قطعاً عجیب نہ لگی تھی۔ اپنی ساری بدصورتی کے باوجود حسین سی موہنی سی کومل سی لڑکی ان کا آئیڈیل رہی تھی۔ اس آئیڈیل پر وہ کبھی شرمسار نہیں ہوئے تھے۔ آخر جن اور پریوں کے قصے بھی تو کسی انسانی ذہن ہی کی تخلیق تھی۔

اور

صدیوں، قرنوں اور برسوں پہلے کا آدمی اگر جن پری کے معاشقے کی کہانیاں جوڑ سکتا تھا، تخلیق کر سکتا تھا تو آج کا انسان ان کہانیوں کو حقیقت کے سانچے میں کیوں

نہیں ڈھال سکتا تھا۔ آج کا انسان جس کے وسائل ماضی کے انسان کی طرح محدود نہیں تھے۔ جس کے پاس پری کا دل جیتنے کے بے شمار حربے تھے...... ذہن تھا۔ تربیت یافتہ دماغ تھا۔ عقل تھی، شعور تھا اور نفسیات انسان سے بہت حد تک آگاہی تھی۔

جیہ سر جھکائے گٹھڑی بنی بیٹھی تھی۔ جلالی اس کے بالکل قریب اس کی طرف رخ کیے بیٹھے تھے۔ وہ بڑے دھیرے دھیرے باتیں کر رہے تھے۔

کچھ باتیں

جیہ کے ذہن میں اتر رہی تھیں۔

کچھ بالکل سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ اس کا دماغ تو اس کے جسم کی طرح سن ہوا جا رہا تھا۔ ہر کنواری لڑکی کی طرح وہ انجان پنے کے خوف سے دوچار تھی۔ کیا ہونے والا تھا۔ وہ بے سمجھ سی لڑکی اس ڈر سے کانپ رہی تھی۔

گویا خوف مسرور کن بھی تھا، فرحت بخش بھی۔

یہ ڈر رگ و پے میں سنسنی دوڑا رہا تھا جو مسرتوں سے بھرپور تھی۔

پھر بھی

اس کے ہاتھ پاؤں میں پسینے آ رہے تھے۔ وہ ہمہ تن گوش بھی تھی اور کچھ سمجھ بھی نہ پا رہی تھی۔

”سنا ہے آپ بہت حسین ہیں۔“ جلالی نے سر اس کے کندھے پر جھکاتے ہوئے اس کے کان میں بڑے حسین انداز میں سرگوشی کی۔

وہ ان کی سانسوں کی تپش محسوس کر کے لرز گئی اور اس کا سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا اور دل تو یوں لگا جیسے ساکت ہو جائے گا۔

”جیہ۔“ انہوں نے کئی لمحوں کی گھمبیر سی چپ کے بعد کہا۔ وہ جواب کے متمنی تھے۔ کئی بار پکارا۔

”جی۔“ بمشکل جیہ کہہ سکی۔

”شکر ہے آپ کی آواز تو سنی۔“ جلالی نے اپنا ہاتھ اس کی کمر میں ڈالتے ہوئے کہا۔



اف

جیہ تو اس لمس سے تھرا گئی۔ اس نے کسمسا کر اپنا آپ چھڑانا چاہا۔

”آپ بہت خوبصورت ہیں اور میں بے حد بدصورت ہوں لیکن میرے سینے میں بڑا حسین دل ہے جیہ۔ میرے ذہن میں حسن کی جو عظمت اور جو مقام ہے، وہ وقت آپ پر واضح کر دے گا۔ آپ میرا آئیڈیل ہوں گی۔ میں اسی آئیڈیل کی پرستش کرتا چلا آیا ہوں۔ آپ میرا خدائے محبت ہیں، خدائے محبت۔ جس کی عبادت کرنا میرا فرض ہے...... میں...... میں کچھ بھی نہیں ہوں جیہ۔ آپ کی وجہ سے کچھ بن سکا تو بنوں گا۔ میری عزت اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میرا وقار آپ ہی چاہیں گی تو قائم ہوگا۔“

جلالی رک رک کر ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔ ان کی آواز میں اتنا جادو تھا کہ جیہ اپنے دل میں اس کی کسک محسوس کر رہی تھی۔

جلالی نے وفورِ جذبات میں باتیں کرتے اسے اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ جیہ مزاحمت نہ کر سکی۔ ان کے سینے سے آ لگی۔

جلالی نے ایک ہاتھ اس کی کمر میں ڈال رکھا تھا۔

دوسرے ہاتھ سے اس کا گھونگھٹ سرکا دیا۔ جیہ نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔ جلالی بے حد جذباتی ہو گئے۔ یوں لگا جیسے اندھیری رات میں چودھویں کے چاند نے جھلک دکھا کر بادلوں کی اوٹ میں چہرہ چھپا لیا ہو۔

ان کے اندر کا مرد جوان تھا اور جوانی کے بھرپور تقاضوں سے کسی غبارے کی طرح پھول چکا تھا۔ ان پر غالب آ چکا تھا۔

انہوں نے جیہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیے۔

جیہ نے مزاحمت کی لیکن مضبوط گرفت سے ہاتھ نہ چھڑا سکی۔ اس نے سر نیچے کر کے چہرہ چھپانے کی کوشش کی تو سر جلالی کی چوڑی چھاتی سے جا لگا۔ جلالی نے اسے زور سے بھینچ لیا۔

جیہ کے سارے بدن میں بجلیاں سی دوڑ گئیں۔ شرم کے مارے چہرہ تمتمانے لگا۔ آنکھیں تو کھولنے کا سوال ہی نہ تھا۔

"جیہ ...... ناجیہ ......" جلالی کے سانس بے ربط ہونے لگے۔ انہوں نے اسے ذرا سا پرے ہٹایا۔

اور

انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے اس کا چہرہ زبردستی اونچا کیا۔ وہ چہرے پر جھکنے کو تھے۔ ہونٹ جل اٹھے تھے۔ وہ ان جلتے ہونٹوں کو جیہ کے تازہ دم ہونٹوں پر رکھنے کو تھے کہ جیہ نے چہرہ چھڑانے کی کوشش میں سر ادھر ادھر مارا۔

اور

اسی جدوجہد میں اس کی آنکھیں اک لمحہ کو کھلیں۔

جلالی کے چہرے پر نگاہ پڑی۔

اور

اور

پھر

آنکھیں بند ہونا ہی بھول گئیں۔ کھلتی گئیں، کھلتی چلی گئیں۔

پھٹ جانے کی حد تک کھلتی چلی گئیں۔

اس کا چہرہ سپید پڑ گیا۔

اس کے دونوں ہاتھ اٹھے اور اس نے تڑپ کر مٹھیاں اپنے منہ میں دے لیں۔

لیکن

پھر بھی

اک غیر اختیاری

خوف سے بھری

تباہ کن چیخ

اس کے لبوں سے نکل گئی۔

چند لمحے تو جلالی کو پتہ ہی نہ چلا کہ یہ چیخ کیسی ہے، کیوں ہے۔

لیکن



جب جیہ نے تھر تھر کانپتے، چہرہ ہاتھوں سے چھپاتے چیخ چیخ کر سر ادھر ادھر پٹخا تو انہیں معاملے کی نوعیت اور اس کی سنگینی کا دلخراش احساس ہوا۔

بے اختیار ان کا جی چاہا کہ وہ جیہ سے بھی زیادہ دلدوز انداز میں چیخیں ماریں۔ اتنے زور سے کہ در و دیوار کانپ جائیں۔ آسمان پھٹ جائے۔ زمین کا سینہ شق ہو جائے۔ جیہ چیختے چیختے بے دم ہو گئی۔ اس کا وجود ڈول گیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں۔ لب بھنچ گئے۔ ہاتھ پاؤں میں تشنجی اکڑاؤ آ گیا۔

وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

جلالی کے ہوش و حواس جواب دے گئے۔ کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کریں۔ انہیں تو یوں لگ رہا تھا جیسے انہیں کند چھری سے کسی نے ذبح کر ڈالا ہے۔ ایک ایک بوٹی بکھیر دی ہے۔ وہ اک مسخ شدہ لاش ہیں جسے گدھ نوچ کھسوٹ رہے ہیں۔

کئی لمحے جلالی کی آنکھوں میں اندھیرا اترا رہا۔ تیز دودھیا روشنیوں کے باوجود انہیں کچھ نظر نہ آیا۔

لیکن جب ذرا شعوری کوشش سے اپنے آپ کو سنبھالا تو انہیں جیہ کا سرخ جھلملاتے عروسی جوڑے اور بے شمار جگمگاتے زیورات میں لپٹا وجود نظر آیا۔ جیہ کا سر صوفے کے بازو پر تھا۔ ایک ہاتھ نیچے لٹک رہا تھا۔ دوسرا پیٹ پر پڑا تھا۔ دوپٹہ پیچھے گرا تھا۔ ٹیکہ الٹ گیا تھا۔ نتھ پلٹی ہوئی تھی۔ لمبے لمبے آویزے بالوں میں الجھ گئے تھے۔

وہ اسے تکتے رہے اور پوری آنکھیں کھول کر تکتے رہے۔

ایک بے رحم اور خونی لمحے کی زد میں آ کر وہ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکے تھے۔

کئی گھڑیاں بیت گئیں۔

کئی لمحے ٹوٹ گئے۔

کئی ثانئے ڈوب گئے۔

جلالی کے اندر کا انسان منہ کی کھا کر جانے کہاں روپوش ہو گیا تھا۔ اب باہر کے جلالی تھے جو شروع ہی سے خوفزدہ تھے۔ جنہیں ناکامی کا خدشہ کھائے جا رہا تھا۔ جنہیں وقت کی زنجیر سے خوشی کا کوئی لمحہ حاصل کر لینے کی کبھی امید نہ ہوئی تھی۔

وہ اپنے مسخ شدہ لاشے کا بوجھ اٹھائے صوفے سے اٹھے۔ بے ہوش جیہ کو بازوؤں میں اٹھایا۔

جذبات کی کوئی چنگاری نہ بھڑکی۔ کوئی تپش محسوس نہ ہوئی۔ جذبات تو اونچے اونچے پہاڑوں، فلک بوس چوٹیوں پر جمی ہوئی صدیوں پرانی برف کی طرح آہنی تودے بن چکے تھے۔

برف کے آہنی تودے۔

جنہیں سورج کی حدت بھی پگھلا دینے سے قاصر ہوتی ہے۔

انہوں نے جیہ کو بیڈ پر لا کر ڈال دیا۔

اور

جب ڈاکٹر کو فون کرنے کے لیے پلٹے تو آنکھوں کے دو آنسو انہوں نے اپنی انگلی کی پور سے صاف کر لیے۔

-------O-------



دو دن سے ایک ہی چیز دہرائی جا رہی تھی۔ وہی ڈرامہ ہو رہا تھا۔ جیہ کے انجکشن لگا تھا۔ رات بھر بے خبر سوتی رہی تھی لیکن صبح جب وہ بیدار ہوئی تھی اور رات والے سفاک واقعے کی یاد ذہن میں تازہ ہوئی تو اس پر مجنونانہ سی کیفیت طاری ہو گئی۔

جلالی نے ساری رات سوتے جاگتے برابر والے کمرے میں گزاری تھی۔ حالانکہ انہوں نے مینٹل ریسٹ اور نیند کے لیے پلز بھی کھالی تھیں لیکن شاک اتنا شدید تھا کہ یہ دوائیں بھی بے اثر ہو گئی تھیں۔ کئی بار وہ اٹھ کر بیڈ روم میں آئے تھے۔ جیہ کی سانسوں کی آمد و رفت کی رفتار کا جائزہ لیا تھا۔ اس کی کلائی چھو کر نبض دیکھی تھی۔ اک معصوم لڑکی کے حسین سپنے توڑ دینے کا اپنے آپ کو مجرم بھی گردانا تھا۔ اپنے آپ پر غصہ بھی آیا تھا۔ ترس بھی کھاتے رہے تھے۔

جیہ کے اس غیر ارادی اور بے ساختہ رویے نے دل چور چور کر دیا تھا۔ زندگی وسیع و عریض صحرا کی طرح لگنے لگی تھی۔ جس میں لحہ بھر کو بجلی چمکی تھی اور چکا چوند کرنے کے بعد جلا کر راکھ کر گئی تھی۔ دبیز اندھیرے کی تہوں نے سب کچھ لپیٹ میں لے لیا تھا۔

لیکن

جیہ کو دیکھ لینے کے بعد دل اس پر اس طرح آیا تھا کہ پسپا ہونے کا کوئی ارادہ ہی نہ رکھتا تھا۔ محبت اختیاری چیز نہیں، یہ اک آفاقی قدر ہے۔ اک غیر شعوری جذبہ ہے۔ یہ صدیوں کو لمحوں میں سمیٹ لیتی ہے اور لمحوں کو صدیوں پر پھیلا دیتی ہے۔

بے خبر پڑی جیہ کو جلالی آنکھوں میں بھرتے رہے تھے۔ اتنے غور سے دیکھتے رہے تھے کہ اس کی شکل و صورت اور اس کا وجود ان کے لیے اجنبی نہ رہے تھے۔ محبت

کا اک طوفان اٹھا تھا اور ان کے سینے کی وسعتوں سے زیادہ پھیل گیا تھا۔ دل اس پاکیزہ جذبے کی انوکھی لذت سے سرشار ہو گیا تھا جسے عشق کہتے ہیں۔

دل......دل ہی تو تھا۔

جو نہ کالا تھا نہ گورا۔ جو بدصورت بھی نہیں تھا اور جس کا کام بھی وہی تھا جو ہر خوبصورت وجود کے اندر دھڑکنے والا دل کرتا ہے لیکن وہ بڑی بے رحمی سے ٹھکرائے جا چکے تھے۔ ان کی توقع سے بہت زیادہ۔ بہت زیادہ سفاکی سے ان کے جذبات کو کچلا گیا تھا۔ امید کی کوئی رمق، روشنی کی کوئی کرن نہ بچی تھی۔ سب کچھ بجھ گیا تھا۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔

رات بھر کی بے چینیوں سے کچلے کچلائے وہ صبح جیہ کے بیڈ روم میں گئے تھے۔ ویسے ہی جیسے پوری رات وقفوں سے جاتے رہے تھے۔

اس وقت جیہ بیدار تھی۔ صرف بیدار ہی نہ تھی، گزر جانے والے سانحے سے پوری طرح باخبر تھی۔

جلالی کو دیکھا تو ایک دم وحشت سی اس پر سوار ہو گئی۔ مجنونانہ کیفیت اس پر طاری ہو گئی۔

"دھوکے باز......دھوکے باز۔"

وہ الجھے سانسوں، شعلے برساتی آنکھوں اور کسی ہوئی بند مٹھیوں سے کانپتے ہوئے صرف یہی کہے گئی اور پھر غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے تکیے اٹھا کر جلالی پر دے مارے۔ کشن ان پر پھینکے۔

جلالی پتھرائے ہوئے کھڑے رہے

اور

جب

پتھر کے اس بت نے جنبش کی، نہ اف کی آواز نکالی تو جیہ کا پیمانہ صبر پھٹ پڑا۔ وہ اونچی آواز میں پھوٹ پھوٹ کر رونے گی۔

"مجھے واپس بھیج دو۔ میں واپس جاؤں گی۔" وہ کہے گئی۔



جلالی کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔

چپکے سے پلٹے اور کمرے سے نکل گئے۔

پھر

پورا دن یہ ڈرامہ وقفوں سے ہوتا رہا۔ جلالی نے جب بھی اس کے کمرے میں جا کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔

وہ بے اختیار ہو ہو کر روتے ہوئے واپس جانے کی رٹ لگائے گئی۔

اس کے لبوں پر ایک ہی جملہ تھا۔ "تم نے دھوکا دیا ہے۔ تم نے دھوکا دیا ہے۔"

جلالی اس کی مجنونانہ حالت سے ہراساں تھے۔ ان کے ہونٹوں پر چپ کی مہر تھی۔ کچھ کہنا چاہتے بھی تھے اور کہہ بھی نہ پاتے تھے۔

سارا دن جیہ کی حالت عجیب و غریب رہی تھی۔ کبھی تو بالکل سن سی ہو جاتی۔ پلکیں تک نہ جھپکتی۔ ایک ٹک ایک ہی سمت تکے جاتی...... بالکل اور بالکل بے جان بت نظر آتی۔

اور

کبھی بے بسی سے، بے اختیار ہو ہو کر رونے لگتی۔ "امی جی......امی جی......"

وہ اتنے درد سے کراہتے ہوئے کہتی کہ سننے والے کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔

جلالی یہ کراہیں سن سن کر بے چین ہو جاتے۔ ان کے سینے میں احساس جرم جاگ اٹھتا۔ یوں لگتا جیسے انہوں نے دانستہ جیہ کو تباہ و برباد کیا ہے۔ بے اختیار ان کا جی چاہا کہ گلے میں پھندا ڈال لیں یا سلیپنگ پلز کی پوری بوتل حلق میں انڈیل لیں۔ کل سارا دن اسی طرح گزرا تھا۔ رات پھر ڈاکٹر کو بلا کر جیہ کو انجکشن لگانا پڑا تھا۔

رات بھر کی بے خبری کے بعد صبح کل کی صبح ہی کی طرح طلوع ہوئی تھی۔ آج جیہ کے وحشیانہ انداز میں تو کمی تھی لیکن نظروں میں خونخواری اور لہجے میں کاٹ بہت زیادہ ہو گئی تھی۔

دو دفعہ جلالی کا سامنا ہوا تھا اور دونوں دفعہ اس نے ایک ہی رٹ لگائی تھی۔

"مجھے واپس بھیجو، میں تم جیسے دھوکہ باز کے ساتھ ایک دن بھی نہیں گزار سکتی۔ ایک

منٹ بھی یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ تم نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ ہماری غریبی سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ ہماری مجبوری کو خریدنے کی کوشش کی ہے۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ مجھے واپس بھیج دو۔ میرا تمہارے ساتھ کوئی رشتہ نہیں۔ تم فریبی ہو، جھوٹے ہو، دھوکے باز ہو۔"

جیہ نے دو دن سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا۔ بھوکی پیاسی بیڈ روم میں مقید تھی۔ مسز ہیرلڈ نے کئی بار کوشش کی تھی لیکن اس نے کھانے کو چھوا بھی نہیں تھا۔ بڑی مشکلوں سے دوپہر اس نے بہلا پھسلا کر ایک پیالی دودھ اس کے حلق میں انڈیلا تھا۔

رو رو کر بے حال ہوتے ہوئے اس نے جیسے زہر کے گھونٹ پیئے تھے۔

"مسز ہیرلڈ۔" اس نے روتے ہوئے اس سے بھی کہا تھا۔ "جلالی بدترین آدمی ہے۔ اس نے ہمیں دھوکے میں رکھا ہے۔"

مسز ہیرلڈ چپ رہی تھیں۔

"میں اس کے ساتھ ایک دن بھی نہیں گزار سکتی۔ میں واپس جاؤں گی۔"

مسز ہیرلڈ جہاندیدہ عورت تھی۔ جیہ کے دل اور اس کی ذہنی حالت کا پوری طرح اندازہ تھا۔ اس لیے جلالی کے حق میں ایک لفظ نہ بولی۔ نہ ہی اس کے واپس جانے کی رٹ کے بارے میں کچھ کہا۔

"کچھ کھا پی لو۔ تمہاری انرجی ویسٹ ہوئی ہے، بہت ویک ہو جاؤ گی۔" اس نے پیار سے جیہ کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

اور

اسی طرح پیار سے بہلاتے پھسلاتے پوری پیالی اس کو پلا دی تھی۔ ساتھ سینڈوچ بھی تھے لیکن جیہ نے انہیں چھوا بھی نہیں تھا۔ مسز ہیرلڈ نے یہی غنیمت سمجھا تھا۔ شام پھر کوشش کرنے سے وہ شاید تھوڑا بہت کھانا کھا لے گی۔

کھایا پیا جلالی نے بھی کچھ نہیں تھا۔ ہاں سگریٹوں پر سگریٹ پھونکتے رہے تھے۔ ان کے جامنی ہونٹ سگریٹ کے دھوئیں سے نسواری ہو رہے تھے۔ سفید دانتوں پر بھی سگریٹ کے دھوئیں سے تہہ سی جم گئی تھی۔ زبان کالی ہو رہی تھی۔ حلق



کڑوا اور کسیلا تھا۔ جتنا دھواں اندر کھینچتے تھے، دل اتنا ہی جلتا اور سینہ اتنا ہی تپتا تھا۔ انہیں تو یہ بات مفروضہ لگ رہی تھی کہ سگریٹ غم غلط کرنے میں ممد و معاون ہوتا ہے۔

غم صرف ٹھکرائے جانے ہی کا نہ تھا۔ اس سبکی اور رسوائی کا بھی تھا جو اس بات کے پھیلنے سے ہونا تھی۔ دوستوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہونے کے خیال سے انہیں اپنی ریڑھ کی ہڈی میں برفانی سی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

شاید اس ذلت سے بچنے ہی کے لیے انہوں کل منصور کے فون کرنے پر کہہ دیا تھا۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

اور منصور خوشی سے ہراکتے ہوئے فون پر چلّایا تھا۔ "تو ہم سب آج شام پہنچ جائیں؟" جلالی کانپ گئے تھے لیکن جلدی سے بولے تھے۔ "نہیں، آپ سب لوگ دو ہفتے بعد ہی ہم سے مل سکیں گے۔"

"کیوں؟"

"ہم آج ہی جا رہے ہیں۔"

"کہاں؟"

"کسی محفوظ جگہ پر۔"

ان کی بات پر منصور نے قہقہہ لگا کر کہا تھا۔ "بڑی خوشی کی بات ہے جلالی۔ ہم سب بہت خوش ہیں۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ واپس آؤ گے تو دعوت ولیمہ ہو گی۔"

"ضرور۔ ضرور۔"

جلالی نے اطمینان کا گہرا سانس لے کر فون بند کیا تھا۔ دو ہفتے کی مہلت مل گئی تھی۔ کم از کم ان لوگوں کی طرف سے جو دھڑکا تھا، وہ دو ہفتوں کے لیے ملتوی ہو گیا تھا۔ ان دو ہفتوں میں ان کی پوری دنیا پوری طرح تہس نہس ہو سکتی تھی۔ اپنی بربادی کی داستان وہ جیہ کے بعد ہی سب کو سنا سکتے تھے۔

شام دھیرے دھیرے اتر رہی تھی۔ آسمان کا ایک کنارہ سرخ ہو رہا تھا۔ دوسرے پر سیاہی پھیل رہی تھی۔ کہیں کہیں روشنی ماند تھی۔ اندھیرے کے وجود ہی سے

روشنی کا دم قائم ہے جلالی کب سے صوفے میں پڑے تھے۔ سوچیں انہیں چین نہ لینے دے رہی تھیں۔ جیہ نے ان کی ذلت ورسوائی کا کوئی حربہ نہ چھوڑا تھا۔

برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ جب یہ حد گزر جائے تو حوصلہ جاتا رہتا ہے۔ برداشت ٹوٹ جاتی ہے۔

کل اور آج جو کچھ ہوتا رہا تھا، وہ برداشت کے ٹوٹ پھوٹ جانے کے لیے کافی سے زیادہ تھا۔

جیہ کی واپس جانے کی رٹ تھی۔ وہ ان سے اور مسز ہیرلڈ سے ہر بار صرف یہی کہتی رہی تھی، مصالحت کا امکان تو کیا امکان کا جواز ہی نہ تھا۔

اپنے جذبات، اپنی محبت، اپنے عشق سے الگ ہو کر جلالی پوری سنجیدگی اور دماغی صلاحیتوں سے ہر بات کا جائزہ لے رہے تھے۔

مسز ہیرلڈ کمرے میں آ گئی۔ جلالی سے وہ بہت مانوس تھی، ان کے دکھ سے اس کا دل کٹ رہا تھا۔ اپنی طرف سے وہ جیہ کو رام کرنے کی کوشش تو نہ کر سکی تھی کیونکہ اس وقت وہ طوفانی ریلے میں بہہ رہی تھی۔ ہاں جلالی سے اس کی ہمدردی عروج پر تھی۔

"مسٹر جلالی۔" وہ صوفے کے قریب آ کر بولی۔

جلالی نے آنکھیں کھول دیں۔ مسز ہیرلڈ کو دیکھا تو اٹھ بیٹھے۔ صوفے پر سیدھی طرح سے بیٹھتے ہوئے اپنے بالوں کو انگلیوں سے سلجھاتے ہوئے سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور ان کا سر واقعی چکرا رہا تھا۔

مسز ہیرلڈ ان کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کچھ کھانا پسند کریں گے آپ؟" وہ بولی۔

"مسز ہیرلڈ میں بہت پریشان ہوں۔" وہ اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے بولے۔

"پریشانی تو ہے لیکن ہمیں اچھے موڑ کی توقع رکھنی چاہیے۔"

"خوش فہمی میں مبتلا رہنے کا وقت نہیں رہا مسز ہیرلڈ۔"

"کچھ سوچنا چاہیے۔"

"میری سوچیں تو جامد ہو چکی ہیں۔"



"یہ صدمہ غیر متوقع نہیں، وہ تو جذباتی ہو رہی ہیں۔ آپ تو حوصلہ رکھیں۔"

جلالی نے سر اٹھا کر مسز ہیرلڈ کی طرف دیکھا اور ان کے موٹے موٹے جامنی ہونٹوں پر بڑی تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ ابھی تک پرامید ہیں۔"

"ہاں۔ یہ سب وقتی باتیں ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ کچھ نہ کچھ ضرور مولڈ ہوں گی۔"

"ان کی یہی حالت رہی تو مر بھی سکتی ہیں۔ ان سے شادی کرنے کا مجرم تو بنا ہوں۔ آپ چاہتی ہیں مارنے کا جرم بھی اپنے سر لے لوں۔"

"تو پھر کیا کریں گے؟"

"جو ناجیہ چاہتی ہے۔"

"واپس بھیج دیں گے؟"

"وہ مصر ہیں تو ایسا ہی کرنا پڑے گا۔"

"بری بات ہے۔"

"کوئی متبادل راستہ بھی تو نہیں۔"

"انہیں سمجھایا جا سکتا ہے۔"

"وہ نہیں سمجھیں گی۔"

"آپ تو بالکل ہی ناامید ہو گئے۔ کہیں تو میں کوشش کروں۔"

"کس بات کی؟"

"انہیں سمجھانے کی۔"

"کیا سمجھائیں گی؟"

"کہ ...... کہ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔ انہیں جذبات سے ہٹ کر سوچنا چاہیے۔"

"کسی کو اس کی مرضی اور خوشی کے مخالف چلنے کی تلقین کرنا بذات خود برائی ہے مسز ہیرلڈ۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

"جیہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں۔ انہیں مجبور بھی نہیں کرنا چاہیے۔ آخر وہ اپنی مرضی کی مالک ہیں۔"

"جیسے آپ مناسب سمجھیں مسٹر جلالی۔ بہر حال اس وقت وہ عقل سے کام نہیں لے سکتیں۔ وہ بے حد جذباتی ہو رہی ہیں۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔"

"میں نے بھی یہی مناسب سمجھا ہے۔"

مسز ہیرلڈ تھوڑی دیر بیٹھی پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "کھانا تیار کر کے میں نے اوون میں رکھ دیا ہے۔ میں اب اجازت چاہتی ہوں۔ ضرورت ہوئی تو رنگ کر لیجیے گا۔"

"شکریہ مسز ہیرلڈ۔ آپ جا سکتی ہیں۔" جلالی اٹھتے ہوئے بولے۔

مسز ہیرلڈ خدا حافظ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ کام ختم کر کے وہ اپنی ہٹ میں چلی جاتی تھی۔ آج بھی وہ اپنے مقررہ وقت پر ہٹ کی طرف چل دی۔ وہ جلالی اور جیہ کے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔

-------O-------



رات کا فسوں چار سو پھیلا تھا، خاموشی گھمبیر تھی۔

جلالی گھر کے باہر پھولوں سے بھرے لان میں ٹہلتے رہے تھے۔ ان کی سوچیں ایک ہی مرکز پر آ کر رک گئی تھیں۔ ایک ہی راستہ نظر آتا تھا اور اب وہ اس پر چل نکلنے کے لیے اپنے آپ کو ذہنی طور پر آمادہ کر چکے تھے۔

وہ گھر کے اندر آئے۔ چند لمحے لیونگ روم میں کھڑے رہے۔ پھر ان کے قدم بیڈ روم کی طرف اٹھنے لگے۔

مسز ہیرلڈ اپنے ہٹ میں جا چکی تھی۔ گھر میں ان کے اور ناجیہ کے سوا کوئی نہیں تھا اور یہ بات ان کے لیے قدرے سکون کا باعث تھی۔

وہ بیڈ روم کے دروازے کے قریب چند ثانیے رکے۔ دوپہر سے بیڈ روم میں خاموشی چھائی تھی۔ کسی سسکی کسی ہچکی کی آواز سنائی نہ دی تھی۔ جذباتی ریلا گزر چکا تھا اور اب ناجیہ یقیناً کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل تھی۔

دروازے کو ہلکا سا ناک کر کے وہ جواب کے انتظار میں تھے۔

لیکن

جواب کس نے دینا تھا۔ بیڈ پر اٹھ بیٹھنے کی حرکت سے ذرا سی سپرنگوں کی آواز نے خاموشی کو توڑا۔

جلالی اندر آ گئے۔

جیہ بیڈ پر اٹھ بیٹھی تھی۔ بال بکھرے تھے، آنکھیں متورم اور سرخ تھیں۔ مسلسل روتے رہنے سے ناک بھی سرخ ہو رہی تھی اور گال بھی، کپڑے مسلے ہوئے تھے۔

اس نے جلالی پر اک نگاہ ڈالی اور کراہت سے رخ دوسری جانب پھیر لیا۔

"ناجیہ۔" جلالی نے اس کی اس حرکت سے کوئی اثر نہ لیا۔ کرسی کی اونچی پشت پر بازو ٹکائے ہوئے وہ بیڈ سے چند فٹ کے فاصلے پر رک گئے۔

"ناجیہ صاحبہ۔" انہوں نے پھر بڑے تحمل سے کہا۔ "میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ رخ موڑے اسی بے دردی سے بیٹھی رہی۔ جلالی کی بات کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

جلالی چند لمحے چپ چاپ اسے تکتے رہے۔ پھر گھوم کر آئے اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے پشت کرسی کی بیک سے لگالی۔

جیہ جلالی کی طرف کمر موڑے بیٹھی تھی۔ اس نے شب خوابی کا مہین پنک رنگ کا لیس دار لباس پہنا ہوا تھا جس کی ڈوریاں کندھوں سے ڈھلکی ہوئی تھیں۔ لباس مسلا مسلا تھا۔ جیہ کے ننگے شانوں پر بال بکھرے تھے۔ پشت کا کافی حصہ کھلا تھا لیکن لمبے الجھے بالوں نے انہیں کافی حد تک ڈھانپ رکھا تھا۔

"ناجیہ۔" انہوں نے پھر پکارا۔

ناجیہ کو جیسے اب کسی اجنبی، کسی غیر آدمی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ جلدی سے کمبل کھینچا اور اپنے وجود کو کندھوں تک ڈھک لیا۔

"میں شرمندہ ہوں کہ آپ کو دکھ دینے کا باعث بنا۔" جلالی نے رک رک کر بڑے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"دکھ نہیں، دھوکہ کہیے۔" ناجیہ بھری بیٹھی تھی، پھٹ پڑی۔ اس نے شعلے برساتی آنکھوں سے جلالی کو دیکھا لیکن پھر جلدی سے نگاہیں پھیر لیں۔

"دو دن سے میں یہی الفاظ سن رہا ہوں ناجیہ صاحبہ۔" جلالی نے چند لمحے رک کر کہا۔ "میں اپنے ضمیر کو ٹٹولتا ہوں تو اس بات کی حیرانی ہوتی ہے، میں نے آپ سے کوئی دھوکہ نہیں کیا ناجیہ صاحبہ۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

وہ کرسی پر پہلو بدل کر ناجیہ کی طرف دیکھنے لگے۔ جیہ کا بس چلتا تو ان کا بدصورت چہرہ اپنے لمبے لمبے ناخنوں سے نوچ لیتی۔



"آپ اتنا بڑا الزام کس بات پر لگا رہی ہیں۔ میں نے مسز رفیق سے بار بار کہا تھا کہ میرے متعلق......" وہ کچھ رکے اور پھر گہری سانس لیتے ہوئے بولے۔ "میں نے انہیں جب بھی فون کیا، یہ بات کہی کہ آپ لوگوں پر میری خامی واضح کر دیں۔ میری خامی جو میرے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ بہر حال انہوں نے بھی یہی کہا تھا کہ آپ کو، سب کو بتا دیا گیا ہے کہ میں بری شکل و صورت کا مالک لیکن برا آدمی نہیں۔"

جیہ اسی خونخواری سے انہیں تکے گئی۔ اس کا سانس تیز ہو رہا تھا۔ ہونٹ بھنچ رہے تھے اور جسم میں اضطراری کیفیت لہریں لے رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا، انہوں نے آپ لوگوں کو میرے متعلق بتایا یا نہیں۔ لیکن......"

"بتایا تھا۔" جیہ طنزیہ انداز میں دانت پیستے ہوئے بولی۔ جلالی نے بے چینی سے پھر پہلو بدلا۔

"تصویر بھی دکھائی تھی۔"

"تصویر؟"

"جی ہاں۔"

"پھر۔ پھر کیا تصویر سے آپ کو صحیح اندازہ نہ ہو سکا کہ میں کیسا ہوں؟"

"ہوتا کیسے؟"

"کیوں؟"

"تصویر آپ نے اپنی بھیجی ہوتی تو جب۔"

"کیا مطلب؟"

"اب مطلب مجھ سے پوچھتے ہیں۔"

"بخدا ناجیہ۔ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا۔"

"ایک بار دھوکہ کھایا ہے۔ اب آپ کی باتوں کے دھوکے میں نہیں آؤں گی۔ آپ اتنے ہی صاف نیت کے تھے تو تصویر اپنی بھجوائی ہوتی۔ دھوکہ دینے کی کیا

ضرورت تھی۔ میرے ماں باپ تو مجبور تھے۔ غریب تھے، بہت سی بیٹیاں تھیں۔ وہ شاید آپ کی اصلی تصویر دیکھ کر بھی بیٹی کی قربانی دے دیتے۔"

جیہ کی آواز میں آبدار تلوار کی سی کاٹ تھی۔ طنز تھا۔ تمسخر تھا۔ اپنے والدین کی مجبوری کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئیں اور الفاظ حلق میں پھنس گئے۔

جلالی پریشان سے پریشان تر نظر آئے۔

"ناجیہ صاحبہ میں آپ کی باتیں سمجھ نہیں پارہا۔ میں نے کوئی تصویر نہیں بھیجی تھی۔ ہاں مسز رفیق کے پاس شاید میری کوئی تصویر ہو اور انہوں نے وہی......"

"زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کریں۔"

"میں بالکل انجان ہوں۔ تصویر کی کیا بات ہے، میں کچھ نہیں جانتا۔"

جلالی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ وہ کرسی میں آگے کو جھک آئے۔

"نہیں جانتے۔" جیہ نے کمبل پرے پھینکا۔ غصے سے بھنائی ہوئی بیڈ سے اتری۔ مخملی فردار بیڈ روم سلیپرز میں پاؤں ڈالے اور ڈریسنگ روم کی طرف گئی۔ دوسرے لمحے وہ ہاتھ میں بیگ لیے واپس آئی۔ بیگ کھولا اور وہ تصویر نکالی جو اس نے بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔

تصویر اس نے جلالی کی طرف بڑے غصے سے اُچھال دی۔ بیگ بیڈ پر پھینک دیا اور اپنے ہاتھ مروڑتے ہوئے کھا جانے والی نظروں سے جلالی کو دیکھنے لگی۔

تصویر جلالی کے قدموں کے قریب گری۔ جھک کر جلدی سے انہوں نے تصویر اٹھالی۔ پہلی نظر میں اپنی تصویر لگی لیکن تصویر ان کی نہیں، کسی اور کی تھی۔

صرف بالوں کا سٹائل ان سے ملتا تھا۔

یہ تصویر بھی کسی خوبصورت آدمی کی نہ تھی۔ بھدے سے نقش و نگار تھے لیکن تصویر جلالی کی ہرگز نہ تھی۔

جلالی نے ایک نہیں کئی بار تصویر کو دیکھا اور پھر حیران حیران استفہامیہ نظروں سے جیہ کو دیکھنے لگا۔



جیہ

جو مہین شب خوابی کے لباس میں سراپا دعوت تھی لیکن جو اپنے آپ سے بے خبر شعلہ مجسم تھی۔

"یہ تصویر میری نہیں ہے۔" جلالی ششدر سے بولے۔

"جی...... ہاں......" وہ غرائی۔

"میں نے یہ تصویر نہیں بھیجی تھی۔ میں نے سرے سے کوئی تصویر مسز رفیق کو دی ہی نہیں تھی۔" جلالی جلدی سے گھبرا کر بولے۔

جیہ نے تمسخر سے اک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"میری بات پر یقین کریں ناجیہ صاحبہ۔ میں نے کوئی تصویر نہیں بھجوائی تھی۔ مسز رفیق جب پاکستان گئی تھیں تو انہوں نے کچھ زیادہ سنجیدگی سے میری شادی کی بات نہیں کی تھی، سرسری سی بات ہوئی تھی۔ ان سب دوستوں نے مل کر پروگرام بنایا تھا...... ورنہ...... میں منہ من کہ من دانم...... یہ...... یہ۔" وہ ہکلا گئے۔

"ہونہہ۔" جیہ نے بڑی نخوت سے ناک سے آواز نکالی اور بیڈ کی طرف بڑھی۔

"آپ فوزیہ صاحبہ سے پوچھ سکتی ہیں ناجیہ۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا کہ یہ تصویر انہوں نے آپ کو کیوں دی۔"

"انہوں نے نہیں، آپ نے دی۔ دھوکہ دینے کے لیے۔ اپنا آپ چھپانے کے لیے۔ آپ اپنی تصویر بھیج دیتے تو کوئی سر پھرا ہی ایسا قدم اٹھاتا...... ہماری مجبوری کوئی ایسی شدید بھی نہ تھی کہ اسے ضروری بکنا تھا۔"

جلالی ششدر تھے۔

جیہ طنزیہ انداز میں بولتی گئی۔ وہ چپ چاپ سنتے رہے۔

"آپ فوزیہ سے پوچھ سکتی ہیں۔ میں اس سلسلے میں بالکل بے قصور ہوں۔" وہ اپنی صفائی میں صرف یہی کہہ سکے۔

"اب مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔ "میں واپس جاؤں گی۔"

جلالی سر جھکائے چند لمحے چپ بیٹھے رہے۔

پھر

سر اٹھا کر بولے۔ ”ٹھیک ہے۔ میں بھی آپ سے اسی سلسلے میں بات کرنے آیا تھا۔“

وہ جیہ کے جواب کے منتظر تھے لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ اس نے بیڈ سے بیگ اٹھا کر ٹیبل پر پھینکا اور تکیے پر تکیہ رکھتے ہوئے بولی۔ ”میری واپسی کا بندوبست کر دیں۔“

”بہتر۔“ جلالی نے یوں کہا جیسے گہری آہ بھری ہو۔ جیہ نے غیر شعوری طور پر گردن موڑ کر انہیں دیکھا لیکن جلدی سے منہ پھیر لیا اور بیڈ پر پڑے کمبل کو ٹھیک کرنے لگی۔

”انتظام کرنے میں کچھ دن لگ جائیں گے جیہ۔“ چند لمحوں کے توقف کے بعد جلالی بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ ”اتنے دن۔ آپ......“

”جی ہاں۔ اتنے دن مجھے انتظار کرنا ہوگا۔“ وہ تلخی سے بولی۔

”آپ اس گھر میں اطمینان سے رہیں...... میں آپ کو...... یقین دلانا...... چاہتا ہوں کہ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔ اور...... اور۔“

وہ چپ ہو گئے۔

جیہ نے گردن گھما کر انہیں دیکھا اور بڑے طنز سے بولی۔ ”شکریہ۔“

”آپ بے فکر ہو کر رہ سکتی ہیں۔ میری موجودگی...... غیر موجودگی کے برابر ہو گی۔“ انہوں نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

وہ چند ثانیے رک کر بولے۔ ”میں آپ کو...... کچھ...... نہیں کہوں گا۔“

جیہ نے پلٹ کر انہیں دیکھا اور چیخ کر کہنا چاہا۔ ”آپ مجھے کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔“ لیکن جلد ہی وہ ان کا مفہوم سمجھ گئی۔

اسے کچھ حجاب سا آ گیا۔

اور

منہ میں آئی بات کہہ نہ سکی۔ اس نے منہ پھیر لیا۔ چپ رہنے ہی میں مصلحت



سمجھی۔ ”مسز ہیرلڈ آپ کا ہر طرح سے خیال رکھیں گی۔“ وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔

جیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ چپ کھڑے رہے۔

پھر آہستگی سے بولے۔ ”ناجیہ......“

”آپ جتنے دن چاہیں بے تکلفی سے رہ سکتی ہیں۔“ وہ یوں بولے جیسے انتہائی کرب کے عالم میں ہوں۔

”شکریہ۔“ وہ بھرپور تلخی سے بولی۔ ”جتنی جلد ہو سکے میری واپسی کا انتظام کر دیں۔“

”وہ تو ہو ہی جائے گا ناجیہ صاحبہ...... ہم دونوں میں الگ...... ہونے...... کا معاہدہ ہو چکا ہے...... میری طرف سے اس کی پوری ایمانداری سے پابندی ہو گی۔“

”ہونہہ......“ طنز سے بھری ہونہہ جیہ کے نتھنوں سے نکلی۔ جلالی اس کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولے۔ ”جب تک ہم دونوں میں نام نہاد شادی کا بندھن ہے، آپ کا اس گھر پر پورا...... حق ہے۔ پیسہ جتنا چاہیں آپ مسز ہیرلڈ سے لے سکتی ہیں۔“

جیہ بھڑک اٹھی۔ جی چاہا جلالی کا گلا گھونٹ دے۔ ”مجھے کچھ نہیں چاہیے۔“ اس نے دوٹوک جواب دیا۔

جلالی چپ رہے۔

چند لمحے چپ کھڑے اسے تکتے رہے۔ پھر بولے۔ ”ناجیہ صاحبہ۔“

”ہوں۔“ وہ تنک کر بولی۔ ڈٹ کر ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

”آپ نے دو دن سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔“

”آپ کو اس سے کیا؟“

”آپ کو جانے کتنے دن واپسی کے انتظار میں یہاں ٹھہرنا پڑے، ظاہر ہے اتنے دن بھوکی پیاسی نہیں رہ سکتیں۔ میں آپ کو اپنے الفاظ دے چکا ہوں۔ اس لیے میری موجودگی کو غیر اہم سمجھئے۔ کچن میں کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہیں۔ اوون میں

کھانا بھی ہے، کھا لیجئے گا۔ میں بھی کھا لوں گا۔ ظاہر ہے کھائے پیئے بغیر زیادہ دن رہا نہیں جا سکتا۔"

وہ جیہ کا جواب سنے بغیر کمرے سے نکل گئے۔

اور

اپنی ٹرانسپرنٹ چھت والی خوابگاہ میں آ گئے۔ ان کے دل اور ذہن کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ ملنے سے پہلے ہی بچھڑ جانے والی بات ہوتی تو شاید دکھ اتنا گھمبیر نہ ہوتا۔ وہ تو جیہ کو دیکھ چکے تھے، چھو چکے تھے۔ اس کے وجود کی مہک اور حدت محسوس کر چکے تھے۔ پیاسے کے ہونٹوں سے ٹھنڈے پانی کا گلاس لگا کر چھین لینے والی بات تھی۔ پیاس زیادہ ہی بھڑک اٹھی تھی۔ طلب زیادہ ہی ہو گئی تھی۔

لیکن

لیکن

وہ اس سے الگ ہونے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس کے الگ ہونے کا فیصلہ سن چکے تھے۔ جیہ کی واپسی کے مطالبے کو پورا کرنے کا وعدہ پوری ایمانداری سے کر آئے تھے۔

بڑی بے قراری تھی۔ بے سکونی تھی۔ بے چینی تھی۔ وہ لباس تبدیل کر کے بیڈروم میں آن گرے۔ نیند کسے آتی۔ کروٹیں بدلتے بدلتے کافی وقت گزر گیا۔

پھر

انہیں بھوک کا شدت سے احساس ہوا۔ شاید بھوک کی وجہ سے نیند نہ آ رہی تھی۔ دونوں طرح کی بھوک تھی۔ پیٹ کی بھوک تو مٹا سکتے تھے، شاید تسکین کا کوئی پہلو اس بھوک کے مٹنے سے ہی نکل آئے۔ سوچتے ہوئے وہ اٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے کچن میں گئے۔ بتی جلائی، اوون کھولا۔ پلیٹ لی اور چند چیزیں نکال کر زہر مار کرنے لگے۔

کھانا کھا کر انہوں نے پلیٹ اور کانٹا سنک میں رکھا تو وہاں ایک پلیٹ پہلے بھی



پڑی تھی۔ انہوں نے انگلی سے پلیٹ کو چھوا۔ جھوٹی پلیٹ میں بچی چند چیزیں تازہ تھیں۔

یقیناً جیہ نے کھانا کھایا تھا۔

جلالی نے اطمینان کی سانس کھینچی اور فریج سے پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں انڈیلنے لگے۔

وہ جب خوابگاہ میں واپس آئے تو کچھ مطمئن تھے۔ تھوڑی سی کشمکش کے بعد انہیں نیند نے آ لیا اور وہ بے خبر سو گئے۔

-------O-------

redroses@pakistanipoint.com

مسز ہیرلڈ صبح صبح کام پر آئی تو جلالی جاگ رہے تھے۔ ناجیہ گہری نیند میں تھی۔ اس نے جلالی کے لیے بیڈ ٹی بنائی اور تیز اور گرم گرم چائے کی پیالی اس نے جلالی کو دی۔

دونوں کو الگ الگ کمروں میں پاکر مسز ہیرلڈ کو معاملے کی نوعیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ کچھ متفکر سی نظر آنے لگی تھی۔ جلالی کے پاس وہ کافی مدت سے تھی۔ جتنا خوبصورت دل اور ذہن جلالی نے پایا تھا، وہ آگاہ تھی۔ ویسے بھی پاس رہنے کی انسیت تھی۔ کبھی کبھی تو اسے جلالی کے پیکر میں اپنا مرحوم بیٹا نظر آتا اور وہ بڑے جوشیلے انداز میں انہیں پیار کرلیتی۔ جلالی بھی ان کی عزت واحترام میں کسر نہ اٹھا رکھتے۔

اسی لیے جلالی کے حالات جو سنگین موڑ اختیار کر گئے تھے، اسے تشویش ہو رہی تھی۔ وہ کچن میں چلی آئی۔

برتن اٹھائے۔ اوون میں سے چیزیں نکال کر فریج میں رکھیں۔ کارپٹ کو ویکیوم کلینر سے صاف کیا اور ناشتے کی چیزیں تیار کرنے لگی۔

آج اس نے جلالی کا پسندیدہ ناشتہ بنانے کا سوچا۔ اس نے فریج سے انڈے، مکھن، ڈبل روٹی، چیز، موٹی سبز مرچ اور میش کیے ہوئے آلو نکالے۔ سب چیزیں کاؤنٹر پر رکھ کر وہ برتن نکالنے لگی۔ انڈا پھینٹنے کی مشین بھی نکال لی۔

ناشتہ تیار کرنے سے پہلے اس نے جیہ کی خوابگاہ کا چکر لگایا۔ وہ بھی اٹھ چکی تھی۔ شاید باتھ روم سے نکلی تھی۔

"ہیلو۔" اس نے دروازہ کھلنے پر کہا۔

جیہ نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔



"بیڈ ٹی پسند کریں گی؟"

"لادیں۔"

"ابھی لائی۔"

"شکریہ۔"

مسز ہیرلڈ نے ایک بھرپور نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ اس کی آنکھیں ابھی تک سوجی ہوئی تھیں۔ چہرے پر شکست خوردگی کے آثار تھے۔ بہت نڈھال ہو رہی تھی۔ رنگت پھیکی تھی۔ ہونٹ بے رنگ تھے۔ نیند نکالنے کے باوجود وہ بہت تھکی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"میرا سر دکھ رہا ہے مسز ہیرلڈ۔ چائے کے ساتھ کوئی گولی مل جائے گی؟" اس نے ایک ادھوری انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں۔ ابھی لاتی ہوں۔" بھاری بھرکم مسز ہیرلڈ کے لپ اسٹک لگے ہونٹوں پر خوشگوار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بھاری بھرکم ہونے کے باوجود کافی چاق و چوبند تھی۔ میک اپ یا بال سنوارے بغیر وہ کبھی کام پر نہ آئی تھی۔ اس کا لباس سادہ لیکن صاف ستھرا ہوتا تھا۔

وہ چائے لینے چلی گئی۔

جیہ کو جمائیاں آرہی تھیں۔ اپنی ویران اور خشک نظروں سے اپنے گرد و پیش کو دیکھتے ہوئے وہ کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی۔

وہ لمبی اور اونچی پشت والی مخملیں کرسی پر گر گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور انگلیوں سے اپنی کنپٹیاں دبانے لگی۔ دو دن کی جنوں خیزی اور اشک ریزی نے اسے بدحال کر رکھا تھا۔

مسز ہیرلڈ چائے اور گولی لے آئی۔

"مسز جلالی۔" اس نے جیہ کو آہستگی سے پکارا۔

"اوہ۔ مسز ہیرلڈ۔" جیہ نے کرسی کے بازو پر زور سے ہاتھ مارا۔

مسز ہیرلڈ ڈر گئی۔ "کیوں مسز جلالی۔" اس نے تذبذب کے عالم میں پوچھا۔

"مسز جلالی نہیں......" اس نے دانت پیستے ہوئے کرسی کے بازو پر مکا مارا۔ "ناجیہ ہوں۔ میں جلالی کا نام...... میں اپنے ساتھ چسپاں نہیں کروں گی۔"

"اوہ......" مسز ہیرلڈ نے جبراً مسکراہٹ لبوں پر پھیلاتے ہوئے کہا۔ "سوری۔"

"آئندہ مجھے پکارنا ہو تو صرف ناجیہ کہنا۔"

"بہتر۔"

جیہ نے اس کے ہاتھ سے چائے اور گولی لے لی۔ گولی کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"فوری طور پر آرام آجائے گا۔ کھالیں۔" مسز ہیرلڈ نے کہا اور پھر بڑی ملائمت سے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔ "خدا تمہیں سکون دے۔"

جانے اس کے ہاتھ کے لمس میں کیا تھا۔ مادری شفقت تھی یا کوئی اور بات، اس کا دعائیہ انداز دکھ کا باعث بن گیا۔ جیہ نے چائے کا گھونٹ لیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

دو دن میں وہ اتنا رو چکی تھی کہ آنکھوں کے سوتے بالکل خشک ہو چکے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ پانی کا آخری قطرہ بھی آنکھوں سے بہہ چکا ہے لیکن شفقت کے احساس نے اس کو پھر پگھلا دیا۔

"بری بات ہے، روتے نہیں ناجیہ۔" ناجیہ کی آنکھوں میں ٹپ ٹپ آنسو گرتے دیکھ کر مسز ہیرلڈ نے پیار سے کہا۔

جیہ نے ان آنسوؤں کو پونچھا نہیں۔ اس کے گال بھیگنے لگے۔ چائے پینا دشوار ہو گیا۔

مسز ہیرلڈ نے بڑے پیار سے اسے چپ کرایا۔ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ "ناجیہ آپ سارے بوجھ اپنے ذہن سے جھٹک دیں۔ اپنے آپ کو مصروف رکھیں، خالی ذہن پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ آپ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔"

"میں واپس جا رہی ہوں مسز ہیرلڈ۔ اپنے وطن، اپنے ماں باپ کے پاس۔" ناجیہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔



"میرا خیال ہے جلالی آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔" مسز ہیرلڈ بولی اور پھر بے خیالی ہی میں کہہ گئی۔ "وہ بہت جنٹل اور نوبل ہیں۔"

جیہ اس کی بات پر کرسی میں بے قراری سے کروٹ بدل کر رہ گئی۔ چائے کے بڑے بڑے گھونٹ حلق میں اتارے اور پیالی واپس رکھتے ہوئے بولی۔ "میں جلالی کے بارے میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔" مسز ہیرلڈ ایک بار پھر جبراً مسکرائی۔

"ناشتہ آپ کتنے بجے لیں گی؟" اس نے بات بدلی۔

"جب تیار ہو جائے گا، اطلاع کر دینا۔" جیہ نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

مسز ہیرلڈ پیالی لے کر واپس آگئی اور جیہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ وہ ابھی تک شب خوابی کے لباس میں ہی تھی۔ اس کا ویڈنگ ڈریس بے ترتیبی سے میز اور الماری کے پٹ میں لٹک رہا تھا۔

اس نے وارڈروب میں ٹنگے ڈریس غصے اور جھلاہٹ سے پرے ہٹا دیئے۔ اپنا اٹیچی کیس نکالا اور کپڑے نکالنے لگی۔

اٹیچی کیس میں ساڑھیاں اور سوٹ تھے۔ ساڑھیاں بھاری پوت کی تھیں۔ کچھ پر طلے سلمے کا کام تھا۔ ایک مقیش سے بھری تھی۔ سوٹ بھی سادہ نہ تھے۔ وہ جھلا کر کپڑے نکالنے لگی۔ وہ ان کپڑوں سے بیزار تھی۔ ان کپڑوں سے اسے نفرت ہو رہی تھی۔ یہ کپڑے اسے لگتا تھا کہ اس کا منہ چڑا رہے ہیں۔ اس نے ہلکے فیروزی رنگ کا جوڑا نکالا۔ اس کے دوپٹے کے سروں پر سنہری کٹاؤ دار کام تھا۔ اس نے سارے کنارے پھاڑ ڈالے۔ دوپٹے کو سادہ بنا لیا۔ اس نے یہ کپڑے پہننے کے لیے منتخب کیے۔ باقی کپڑے پھر اٹیچی کیس میں ٹھونس دیئے۔ اسے قطعاً پروا نہ تھی کہ اتنے قیمتی کپڑے یوں ٹھونسنے سے آب و تاب کھو دیں گے۔

وہ غسل خانے میں چلی گئی۔ گرم پانی کے شاور تلے وہ کتنی دیر نہاتی رہی۔ اس کے تھکے ہوئے وجود کو کچھ سکون ملا۔

کپڑے پہن کر اس نے بالوں میں برش پھیرا اور ڈھیلی سی چوٹی بنا کر پشت پر چھوڑ دی۔ اس نے میک اپ کی کسی چیز کو چھوا تک نہیں۔ ہر چیز سے بیزار نظر آ رہی تھی۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد مسز ہیرلڈ پتلی سی ہیل والی جوتی ٹک ٹک کرتی اس کے بیڈروم میں آگئی۔

"ناشتہ تیار ہے، آئیں۔"

"کچن میں؟"

"جی ہاں۔"

"چلیے۔"

وہ مسز ہیرلڈ کے ساتھ بیڈروم سے باہر نکلی۔

"آج بڑا روشن اور چمکیلا دن نکلا ہے ناجیہ۔ میں آپ کو سیر کے لیے لے جاؤں گی۔ ہم لیک پر چلیں گے۔ آپ وہاں بڑی فرحت محسوس کریں گی۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"بری بات۔ جتنے دن آپ یہاں ہیں، میں آپ کو ضرور گھماؤں پھراؤں گی۔ آپ کو منفی رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے ناجیہ۔ ٹھیک ہے آپ کے ساتھ ٹریجڈی ہوئی ہے لیکن اس کو اپنے اوپر مسلط نہ کریں۔ آپ اپنی مرضی کی مختار ہیں۔ آپ نے مسٹر جلالی سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے، ٹھیک ہے لیکن آپ کو زندگی کی ہر بات سے متنفر تو نہیں ہونا چاہیے۔

آپ یہاں آچکی ہیں۔ خوب سیر کریں۔ میں آپ کو سب اچھی اچھی جگہیں دکھاؤں گی۔"

جیہ چپ چاپ اس کے ساتھ چلتی گئی۔ کچن تک مسز ہیرلڈ نے اسے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا۔

جیہ نے بھی دل میں سوچا کہ اب وہ یہاں آ ہی چکی ہے تو جانے سے پہلے مسز ہیرلڈ کی تجویز پر عمل کیوں نہ کر لے۔ آخر اتنے دن وہ گھر میں اکیلی اپنے آپ سے الجھتی اور اپنی ذات کے اندر مقید ہو کر کیوں رہے؟

مسز ہیرلڈ نے دروازہ ہاتھ سے دھکیلا۔ "آیئے۔"

جیہ نے کچن میں قدم رکھا۔



اس کی نظر دائیں چوکور ٹیبل پر پڑی جس پر بڑا فینسی رومال پڑا تھا۔ ناشتے کے برتن رکھے تھے۔ چاروں طرف کرسیاں تھیں۔

اور

ایک پر جلالی بیٹھے تھے۔

جلالی پر نظر پڑتے ہی جیہ نے قدم روک لیے اور اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ تنک کر مسز ہیرلڈ سے بولی۔ "مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟"

"ناشتہ کر لیں۔" وہ ٹرے اٹھاتے ہوئے بولی۔

"میرا ناشتہ کمرے میں پہنچا دو۔" وہ غصے سے بل کھا کر پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتے پھر بیڈروم میں آگئی۔

کمرے میں آ کر وہ غصے میں ٹہلنے لگی۔ کبھی رک کر کچھ سوچنے لگتی۔ کبھی مٹھیاں کس لیتی۔ اس نے دانت پیس لیے۔ ہونٹ کاٹے۔ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ مسز ہیرلڈ اس کا ناشتہ لے کر آئی تو وہ اس پر برس پڑی۔ "میں اس شخص کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔ وہ سمجھتا ہو گا کہ میں اس کے ساتھ رہ کر اپنے فیصلے میں لچک پیدا کر لوں گی تو یہ اس کی بھول ہے۔ یہ ناممکن ہے...... وہ دھوکے باز ہے۔ میں اسے کبھی بھی سچا تسلیم نہیں کروں گی۔"

مسز ہیرلڈ خاموش رہی۔ وہ اپنی زبان میں بول رہی تھی۔ کبھی نچی آواز میں اور کبھی اتنی اونچی کہ کچن کے دروازے میں کھڑے جلالی اس کی آواز سن سکتے تھے۔

مسز ہیرلڈ سر جھکائے واپس چلی آئی۔ ناشتہ اس نے میز پر رکھ دیا تھا۔

"بہت برا ہوا۔" اس نے کچن میں آتے ہی کہا۔ "مجھے آپ سے پوری ہمدردی ہے مسٹر جلالی۔"

جلالی واپس آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ کہنیاں ٹیبل پر رکھ کر انہوں نے اپنی ہتھیلیوں سے سر تھام لیا۔ وہ بہت پریشان ہو گئے تھے۔

جیہ کو تعلقات توڑ لینے کا وعدہ دے کر بھی انہیں سکون نہ ملا تھا۔ وہ ان کی صورت سے اس حد تک متنفر اور بیزار تھی کہ دیکھنے تک کی روادار نہ تھی۔

کیا ہو گا؟

باقی دن کیسے کٹیں گے؟

کیا انہیں یہ گھر چھوڑ کر چلے جانا چاہیے؟

دکھ کی تیز تیز لہریں ان کے سینے میں اٹھ رہی تھیں۔ بیٹھے بٹھائے انہوں نے کیا روگ پال لیا تھا؟ انہیں اپنے ان مشفق اور مخلص دوستوں پر غصہ آنے لگا جنہوں نے اتنی تگ ودو کے بعد انہیں اس طرح پھنسا دیا تھا کہ ذلت ورسوائی مقدر بن گئی تھی۔

"ناشتہ کرلیں مسٹر جلالی۔" مسز ہیرلڈ کی آواز پر انہوں نے سر ہاتھوں سے اٹھایا۔ مسز ہیرلڈ ناشتہ میز پر لگا چکی تھیں۔

"مسز ہیرلڈ۔" انہوں نے بوجھل آواز میں کہا۔

"ہوں۔" وہ کیتلی اٹھائے ہوئے بولی۔

"آئندہ محتاط رہیے گا۔ کھانا اور ناشتہ جیہ کے لیے ڈائننگ روم میں لگایا کریں۔"

"ایسا ہی کروں گی۔"

"میں خود بھی نہیں چاہوں گا کہ جتنے دن وہ یہاں ہیں، میرا ان کا سامنا ہو۔"

"ٹھیک ہے۔"

"آپ ان کا ہر طرح سے خیال رکھیں۔ جیسا میں آپ کو بتا چکا ہوں۔"

"میں سمجھ چکی ہوں۔"

"ہو سکے تو آج انہیں باہر لے جائیے گا۔ وہ جب سے آئی ہیں، گھر میں مقید ہیں۔"

"ہاں میں خود بھی یہی سوچ رہی تھی۔"

"یہ وقت بہر طور پر گزارنا ہی ہے۔ واپسی کے انتظامات کے علاوہ۔"

وہ چند لمحے رکے، پھر گمبھیر آواز میں بولے۔ "علیحدگی کے کاغذات بھی مکمل کرنا ہوں گے۔ یہ سب کچھ کرنے میں کچھ دن لگ جائیں گے۔"

"بالکل...... مسٹر جلالی۔ اور ہو سکتا ہے اس عرصے میں وہ......"

"مفروضہ باتیں مت کرو مسز ہیرلڈ۔ علیحدگی کے کاغذات کی تو فارمیلٹی



پوری کرنی ہے۔ علیحدگی تو ہو چکی۔"

"مسٹر جلالی۔"

"کچھ سمجھانے کی کوشش نہ کرنا مسز ہیرلڈ، میں تھک چکا ہوں۔"

مسز ہیرلڈ خاموش ہو گئی۔ اسے خاموش ہی ہو جانا چاہیے تھا۔ یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔ مسٹر جلالی کی ذاتی پرابلم تھی۔ جیہ کا اپنا مسئلہ تھا۔ پسند کے معاملے میں یہ لوگ آزاد خیال تھے۔ کسی پر جبری مسلط ہونا یا کسی کو اپنے اوپر جبراً مسلط ہونے دینا ان کی تہذیب اور معاشرے میں کہاں پنپتا تھا۔ اب تک تو وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، کچھ تو انسانی بنیادوں پر تھا۔ کچھ جلالی سے انسیت اور ہمدردی کی وجہ سے تھا۔

"پیسے میرے بریف کیس میں پڑے ہیں۔ ناجیہ کو ضرورت ہو گی، انہیں دے دیجیے گا۔"

مسز ہیرلڈ نے آہستگی سے سر ہلایا اور پھر ناشتے کی چیزیں جلالی کی طرف بڑھانے لگی۔

جلالی نے چند لقمے زہر مار کیے۔ ٹوسٹ حلق میں پھنس رہے تھے۔ انڈا نگلا نہ جا رہا تھا۔ کام پر جانے سے پہلے انہوں نے مسز ہیرلڈ کو تاکید کی کہ ناجیہ کا ہر طرح سے خیال رکھے۔ گھمانے پھرانے لے جائے اور جتنے پیسے جیہ کو ضرورت ہوں، جیہ کو دے دے۔

بڑی مشکلوں سے مسز ہیرلڈ نے جیہ کو باہر چلنے پر آمادہ کیا۔

"میرا جی نہیں چاہ رہا۔ باہر جا کر کیا کروں گی مسز ہیرلڈ۔"

"آپ کا جی بہل جائے گا۔"

"ہونہہ۔"

"ناجیہ آپ کو واپس جانے میں کچھ وقت لگے گا۔ سارے انتظامات ایک دن میں تو نہیں ہوں گے۔ یہ وقت آپ نے کسی نہ کسی طرح گزارنا ہی ہے۔"

"کتنے دن لگ جائیں گے؟"

"ہو سکتا ہے ایک ہفتہ یا دو ہفتے، تین ہفتے۔"

"جلدی نہیں ہو سکتا یہ سب کچھ؟"

"آپ نا سمجھ نہیں ہیں ناجیہ۔ سرکاری کام ہیں۔ جلالی کے بس میں تو نہیں کہ آپ کا ٹکٹ خریدے اور پلین میں بٹھادے۔"

جلالی کے نام پر جیہ نے برا سا منہ بنایا تو مسز ہیرلڈ بات بدل کر بولی۔ "آج بہت خوبصورت دن نکلا ہے۔ ہم یہاں سے ڈاؤن ٹاؤن جائیں گے۔ وہاں سے میڈونا پلازہ پر پھر بریکرز میں لنچ کریں گے۔ پھر پکچر دیکھیں گے۔ رات آپ کو لیک دکھانے لے جاؤں گی۔"

"سارا دن گھر سے باہر؟" جیہ نے مسز ہیرلڈ سے پوچھا۔

وہ ہنس کر بولی۔ "آپ کا گھر ہی کون سا ہے۔ یہاں رہیں یا پھر گھومتی پھریں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

جیہ کے دل کو ٹھیس لگی۔ واقعی یہ گھر اس کا گھر نہیں تھا۔ وہ تو اسے چھوڑ کر جا رہی تھی۔ یہ گھر تو اس کی تباہی کا ضامن تھا۔ سوچوں نے اسے پریشان کر دیا۔

"آپ تیار ہو جائیں۔ میں کچن صاف کر لوں۔ جلالی کے لیے کھانا بھی بنا دوں۔"

"میرے پاس اور کپڑے نہیں۔" جیہ نے کہا۔ "ایمبرائیڈری والے چمکیلے کپڑے پہن کر باہر جانا اچھا نہیں لگتا۔"

"اوہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں کوئی کسی کے معاملے میں نہیں الجھتا۔ جو بھی پہن لیں، ٹھیک ہے۔"

"نہیں۔"

"تو پھر ٹراؤزر اور بلاؤز پہن لیں۔ آپ کی وارڈروب میں سادہ کپڑے ٹنگے ہیں۔"

"میں انہیں ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہتی۔"

"چلو یہی ٹھیک ہے۔ اچھے لگ رہے ہیں۔ شاید صبح ہی پہنے ہیں؟"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ انتظار کریں۔ میں دس منٹ میں آتی ہوں۔"

مسز ہیرلڈ پتلی سی ہیل والے کورٹ شوز پر اپنی گول گول سفید سفید موٹی موٹی



ٹانگیں لیے ٹپ ٹپ کرتی کمرے سے نکل گئی۔

جیہ ڈریسنگ روم میں دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا سراپا ہر زاویے سے دیکھنے لگی۔ بستر میں لیٹے رہنے سے اس کے کپڑے سلوٹ زدہ تھے، دوپٹہ تو بالکل ہی مسلا ہوا تھا۔

آئرن بورڈ اور استری ایک دیوار کے ساتھ لگے تھے۔ جیہ نے سوچا کہ کپڑوں پر استری پھیر لے۔ وہ اس ارادے سے اس طرف بڑھی بھی، استری کا شو بھی سوچ میں لگا دیا۔

لیکن پھر

جانے کیا سوچ آئی۔

اس نے وارڈروب کھولی اور ہینگروں میں لٹکے ہوئے مختلف لباس ایک ایک کر کے دیکھنے لگی۔

مسز ہیرلڈ کا لیکچر اس کے کانوں میں اتر رہا تھا۔ جب وہ یہاں آ ہی چکی تھی اور اس کے ساتھ المیہ ہو ہی چکا تھا تو اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے تھا۔ زندگی سے متنفر ہو کر تو چند ثانیے بھی نہ گزر سکتے تھے۔

وہ ڈریس دیکھ رہی تھی اور اس کے اندر انتقامی حس کروٹ لے کر بیدار ہو رہی تھی۔ وہ یہ سب لباس پہنے گی، گھومے گی، پھرے گی اور جلالی کو جلائے گی۔

جلالی کو

جس نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا تھا۔

اور جس کے سنجیدگی سے لاعلمی کا اظہار کرنے پر بھی اسے یقین نہ آیا تھا۔

اس نے ایک ہینگر نکالا۔ اس پر ریڈ ٹراؤزر اور پیلا اونی بلاؤز لٹک رہا تھا۔ ہیر بینڈ بھی ساتھ تھا۔ نیچے ریڈ شوز بھی پڑے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد وہ آئینے کے سامنے اس نئے لباس میں کھڑی تھی۔ وہ اپنا آپ دیکھ کر حیران رہ گئی تھی کہ کتنی خوبصورت نظر آ رہی تھی وہ اس لباس میں۔ اس نے بالوں کو بھی کپڑوں کی مناسبت سے بڑے خوبصورت انداز میں سنوارا۔ ریڈ چوڑے

ربن کی پٹی بالوں میں بینڈ کی طرح لگالی۔ پھر اس نے میک اپ بھی کیا۔ پرفیوم بھی سپرے کی۔ میک اپ کی قیمتی چیزیں اس نے بڑی بے دردی سے استعمال کیں۔ لپ اسٹک توڑ ڈالی۔ ہینڈ لوشن کی آدھی شیشی الٹ ڈالی اور پھر اس لوشن کو جذب کرنے کے لیے اس نے کئی ٹشوز پیپر استعمال کیے۔ اس نے پرفیوم بھی اس بے دردی سے سپرے کی کہ سارے کمرے میں مہک پھیل گئی۔ آئی شیڈو اس نے استعمال نہیں کیا لیکن ٹشوز پیپرز پر رگڑ رگڑ کر اس کا ستیاناس ضرور کر دیا۔ یہ سارے کام کرتے ہوئے اسے اندر ہی اندر اک نامعلوم سی خوشی کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ چیزیں الٹ پلٹ کر کے شاہانہ سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے اٹھی۔ بڑا سا بیگ اٹھایا اور اس کا فیتہ کندھے پر ڈالا اور کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا۔

پھر تیزی سے مڑی اور کمرے سے باہر آگئی۔ وہ مسز ہیرلڈ کو بلانے کچن کی طرف جانا چاہتی تھی، وہ لیونگ روم میں داخل ہو رہی تھی کہ مخالف سمت کے دروازے سے جلالی اندر آگئے۔

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

جلالی بوکھلا کر پیچھے ہٹنے کو تھے کہ وہ زور سے پیر پٹختی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ اسے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ جلالی جان بوجھ کر اس کا سامنا کرتے ہیں، دانستہ اسے دیکھ کر اندر آئے ہیں۔

لیکن

اس نے دانت پیستے ہوئے سوچا۔ ”میں تمہیں مزہ چکھادوں گی۔ دھوکے کی سزا ایسی دوں گی کہ یاد کرو گے۔“

”مسز ہیرلڈ۔“ اس نے کچن میں آتے ہوئے کہا۔ کتنا شاندار کچن تھا۔ دن کی روشنی میں شاید وہ پہلی بار ہر چیز کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ ہر چیز اسے از خود متوجہ کر رہی تھی۔

”بس میں فارغ ہو چکی ہوں۔“ وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔ پھر اس نے اپنا بیگ اٹھایا۔ عینک آنکھوں پر لگائی اور مسکرا کر بولی۔ ”آئیے۔“



دونوں کچن سے باہر نکل آئیں۔ لیونگ روم سے کوریڈور میں آئیں۔ جلالی کی خوابگاہ دائیں ہاتھ تھی۔ مسز ہیرلڈ بولی۔ ”چند منٹ انتظار کریں، میں آتی ہوں۔“

جیہ کوریڈور میں لگی نایاب پینٹنگز دیکھنے لگی۔ کوریڈور میں ریڈ قالین پڑا تھا۔ اتنا موٹا اور اتنا نرم کہ چلتے وقت پاؤں اندر دھنس جاتے تھے۔ دیواریں بھی پینٹ کی ہوئی تھیں اور جگہ جگہ پینٹنگز، تصویریں اور مصنوعی آرائشی پھول اس خوبصورتی اور نفاست سے سجائے ہوئے تھے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی جیہ کی نظروں میں ستائشی جذبات امڈ آئے۔

مسز ہیرلڈ دائیں ہاتھ مڑ کر خوابگاہ تک گئی۔ دروازے پر ہلکا سا ناک کیا اور پھر اندر چلی گئی۔

”ہم باہر جا رہے ہیں مسٹر جلالی۔ شاید رات واپس آئیں۔“

”ٹھیک ہے۔“

”آپ کچھ پیسے دینا پسند کریں گے؟“

”ضرور مسز ہیرلڈ۔ کیا آپ نے ناجیہ سے پوچھا ہے؟“

”کیا؟“

”کہ انہیں کتنے پیسے درکار ہیں؟“

”اوہ نہیں۔ ان کے سامنے ایسی کوئی بات نہیں کرنا چاہیے۔ وہ بات بات پر بھڑک جاتی ہیں۔“

”ہوں۔“

مسز ہیرلڈ نے حساب کتاب لگاتے ہوئے ان سے ضرورت کے پیسے مانگے۔

”زیادہ لے جائیں۔ ہو سکتا ہے، انہیں کوئی چیز پسند آجائے اور وہ خریدنا چاہیں۔“

جلالی نے کئی سو ڈالر کے نوٹ بریف کیس سے نکال کر مسز ہیرلڈ کو دے دیے۔

”تھینک یو۔“ کہتے ہوئے مسز ہیرلڈ نے پیسے بٹوے میں ڈالے اور بائے بائے کہتے ہوئے خوابگاہ سے باہر نکل آئی۔

”چلیے۔“ وہ جیہ کو ساتھ لیے گھر سے باہر نکلی۔

باہر کتنا خوبصورت منظر تھا۔ جیہ کو یوں لگا جیسے واقعی وہ کسی فردوسی گوشے میں کھڑی ہے۔ سبزہ ہی سبزہ، پھول ہی پھول تھے۔ ایک طرف پہاڑی سلسلہ تھا جو فاصلوں کے بعد اٹھتا ہی چلا گیا تھا۔ ہر اٹھان کے دامن میں کوئی خوبصورت گھر تھا۔ ڈھلانی ریڈ چھتیں۔ سبزے میں گھری بے حد پیاری لگ رہی تھیں۔

مسز ہیر لڈ اسے ساتھ لے کر ڈرائیو وے کی طرف آئی۔ تین گاڑیاں آگے پیچھے کھڑی تھیں۔

مسز ہیر لڈ نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا۔

"بیٹھیے۔" اس نے جیہ سے کہا۔ جو آگے پیچھے کھڑی دو شاندار گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ نیلی گاڑی جلالی کی تھی اور بالکل نئی چمکیلی شاندار ریڈ رنگ کی گاڑی جیہ کے لیے تھی۔

"ڈرائیونگ سکھانے کے لیے مسز ہڈسن موجود ہیں۔ آپ پسند کریں تو چند دن میں وہ آپ کو ڈرائیونگ سکھا دیں گی۔ جلالی کا یہی خیال تھا۔ اب جیسے آپ پسند کریں گی، وہی ہوگا۔" مسز ہیر لڈ نے جیہ سے کہا۔

وہ کوئی جواب دیئے بغیر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ مسز ہیر لڈ اس کے برابر بیٹھ گئی۔ وہ گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "اپنا موڈ بالکل خوشگوار بنائیں ناجیہ، خوب انجوائے کریں۔ وقت ٹھہرتا نہیں۔ اس کے لمحے لمحے سے آسودگی کشید کر لینی چاہیے۔"

جیہ نے مضطربانہ انداز میں اسے دیکھا۔ صرف ہونٹ کا گوشہ دانتوں تلے دبا کر رہ گئی۔ مسز ہیر لڈ کی باتوں سے وہ بے چین ہو رہی تھی۔

جہاندیدہ مسز ہیر لڈ بڑی موقع شناس بھی تھی۔ جونہی جیہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات دیکھے۔ بات بالکل ہی بدل دی۔ "پہلے ڈاؤن ٹاؤن چلتے ہیں، کیوں کیا خیال ہے؟"

"میں کچھ نہیں جانتی مسز ہیر لڈ۔ نہ ہی مجھے یہاں کی کسی جگہ کا علم ہے۔ آپ کے کہنے پر باہر آگئی ہوں جہاں لے جائیں گی، بس ٹھیک ہی رہے گا۔"



"شاباش، بہادر لڑکی بنو۔"

"اتنی بہادر بنوں گی کہ دن میں تارے دکھا دوں گی۔"

مسز ہیر لڈ نے اس کی بات پر چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔ شاید جیہ کے اندر مچلنے والے انتقامی جذبات سے وہ باخبر نہ تھی۔

وہ اس سے باتیں کرتے ہوئے گاڑی ڈرائیو وے سے باہر نکال لائی۔ شفاف سرمئی سڑک اونچے نیچے ڈھلانی راستے بناتی نیچے شاہراہ پر جا ملتی تھی۔ سڑک کے دونوں کناروں پر گھنے درخت تھے جن کے پیچھے حد نگاہ تک سبزہ ہی سبزہ، پھول ہی پھول تھے۔ اِکّادُکّا مکانوں کے برآمدے نظر آجاتے تھے۔

ایک مکان کے سامنے دو سرخ وسپید موٹے تازے خوبصورت بچے اپنے کتے سے کھیل رہے تھے۔ لڑکے نے نیلی نیکر پر ریڈ جرسی پہنی ہوئی تھی۔ لڑکی پنک اونی فراک میں ملبوس تھی۔ جرابیں بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ کتنے سمارٹ اور کیسے پیارے لگ رہے ہیں یہ بچے۔ جیہ کو اپنی گلی میں ننگ دھڑنگ کھیلتے بچے یاد آگئے۔ پاؤں سے ننگے میلے کچیلے کپڑے۔ میل سے اٹے چہرے۔ گلی کی گندگی سے بے نیاز۔ کتنے ہی بچے تھے جو کیڑوں مکوڑوں کی طرح کوڑے کے ڈھیروں پر رینگ رینگ کر پل جاتے تھے۔

گاڑی تیزی سے بل کھاتی سڑک پر چلی جا رہی تھی۔ مناظر گزر رہے تھے۔ دائیں ہاتھ ایک بنگلے پر جیہ کی نظر پڑی۔ یوں لگتا تھا مکان کسی درخت کی چھال سے بنا ہوا ہے۔ اس مکان کے سامنے لان میں دو بوڑھی عورتیں آمنے سامنے خوبصورت کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ صاف ستھرے فراک اور پل اوور پہنے ہوئے تھے۔ بالوں کے سٹائل خوبصورت تھے۔ ایک ذرا بھاری بھرکم تھی۔ دوسری دبلی پتلی۔ بھاری بھرکم عورت کے قدموں میں کتا بیٹھا تھا۔ اپنی لال زبان لٹکا رکھی تھی۔ دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ وہ عورت سلائیاں بن رہی تھی۔ دوسری کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی۔

دونوں عورتوں کو دیکھ کر جیہ کو اپنے یہاں کی بوڑھی عورتیں یاد آگئیں۔

مجبور، معذور اور عمر سے پہلے بوڑھی ہو جانے والی عورتیں۔

گھبرا کر اس نے رخ دوسری طرف پھیر لیا۔

گاڑی ہائی وے پر آ گئی۔ اتنی کشادہ، اتنی صاف ستھری اور ایسی خوبصورت سڑکیں وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ بیک وقت کئی کئی گاڑیاں ایک ہی سمت ایک ہی رفتار سے جا رہی تھیں۔ گاڑیوں کی تعداد حیران کن تھی۔ مسز ہیرلڈ ساتھ ساتھ اسے سڑکوں اور جگہوں کے متعلق بتاتی جا رہی تھی۔

اوپر نیچے بنی ہوئی چوڑی چوڑی سڑکیں دیکھ کر جیہ انسان کی صناعی کی داد دے رہی تھی۔ یہاں ٹریفک بہتے پانی کی طرح تھی۔ بنا رکاوٹ کے بہتی چلی جا رہی تھی۔ انہیں ڈاؤن ٹاؤن جانا تھا۔ مسز ہیرلڈ نے شاہراہ سے گاڑی نسبتاً چھوٹی سڑک پر اتار لی۔ یہ چھوٹی سڑک بھی اتنی بڑی تھی کہ آٹھ دس گاڑیاں پہلو بہ پہلو بڑی آسانی سے گزر رہی تھیں۔

یہاں کافی گہما گہمی اور رونق تھی۔ لوگ آ رہے تھے، جا رہے تھے۔ دکانیں کھلی تھیں۔ شاپنگ ہو رہی تھی۔ عورتیں، مرد اور بچے سبھی تھے۔ کسی نے باسکٹ اٹھا رکھی تھی۔ کوئی بچوں کو زنجیر سے باندھے اپنی کمر کی بیلٹ میں ڈالے گھوم رہی تھی۔ سب نے پورے اور صاف ستھرے لباس پہن رکھے تھے۔ بوڑھی سی عورتیں بھی اچھے لباس میں تھیں اور خوش رنگ کپڑے پہن رکھے تھے۔ بال بنائے ہوئے تھے اور میک اپ سے چہرے سجا رکھے تھے۔ نوجوان لڑکیاں چاق و چوبند تھیں۔ اکثر نے بلاؤز اور جینز پہن رکھے تھے۔ سرخ و سپید رنگت کے لوگ تھے۔ کچھ کالے لوگ بھی نظر آ رہے تھے۔ گرانڈیل حبشی عورتیں بھی تھیں اور موٹے ہونٹوں، گھنگریالے بالوں اور چمکتی سیاہ رنگت والے اونچے لمبے مرد بھی کہیں کہیں نظر پڑ رہے تھے۔

مسز ہیرلڈ نے ساری جگہ جیہ کو دکھائی۔ صاف ستھری دکانیں جیہ نے مرعوبانہ انداز میں دیکھیں۔ پھر مسز ہیرلڈ اسے میڈونا سٹور لے گئی۔

سٹور تھا یا چھوٹا سا شہر آباد تھا۔ آئینوں اور شیشوں کی یہ دنیا نرالی ہی تھی۔ سٹور کے کئی حصے تھے۔ کئی منزلیں تھیں۔ دنیا کی ہر چیز یہاں سے مل سکتی تھی۔ جیہ مسز ہیرلڈ کے ساتھ اس سٹور کو بڑے تجسس اور شوق سے دیکھ رہی تھی۔ یہ حصہ انتہائی صاف ستھرا اور دیدہ زیب تھا۔ الماریاں صرف گلاس کی تھیں۔ کاؤنٹر چمک رہے



تھے، جگہ جگہ چیزیں اٹھانے کی سہولت کے لیے ٹرالیاں تھیں۔

ہر چیز پر اس کی قیمت کا لیبل لگا تھا۔ کوئی سیل مین ساتھ ساتھ نہ پھر رہا تھا۔ لوگ مطلوبہ چیزیں اٹھا اٹھا کر ٹرالیوں میں رکھ رہے تھے۔ پیسے کا حساب انہوں نے کاؤنٹر پر پہنچ کر کرنا تھا۔ ٹی وی کیمرے ہر حصے میں نصب تھے اور لوگوں کی نقل و حرکت کا حساب منیجر کے کمرے تک بڑی مستعدی سے پہنچا رہے تھے۔ جیہ کے لیے یہ سسٹم بھی خاصا حیران کن تھا۔

دونوں ٹہلتی ٹہلتی اس حصے کی طرف نکل آئیں جس میں بچوں کے ریڈی میڈ گارمنٹس تھے۔ انتہائی خوبصورت فراک، شرٹس، نیکریں، پتلونیں، جانگئے۔ غرضیکہ بچوں کی ہر چیز تھی۔ لڑکیوں کے الگ شیلف تھے، لڑکوں کے الگ۔ جیہ کو تانو باجی کے گڈو اور ربو یاد آ گئے۔ بے ساختہ اس نے تین چار فراک اور تین چار لڑکوں کے ڈریس ہاتھ میں پکڑ پکڑ کر دیکھے۔

"میری بہن کے دو بچے ہیں۔" وہ مسز ہیرلڈ سے بولی۔

"ان کے لیے کچھ خریدنا پسند کریں گی؟" مسز ہیرلڈ نے کہا۔

جیہ کا جی چاہتا تھا، یہ سارے ڈریس ان کے لیے خرید لے۔ تانو کی کسمپرسی اور اس کے بچوں کی زبوں حالی پر اس کی آنکھوں میں نمی تیر گئی لیکن اس کے پاس یہ کپڑے خریدنے کے لیے پیسے کہاں تھے۔ بیگ میں کچھ ڈالر تھے جو مسز فوزیہ رفیق نے جہاز میں اسے دیئے تھے۔

"پیسے میرے پاس ہیں۔ آپ چیزیں پسند کریں۔" مسز ہیرلڈ نے کہا۔

"نہیں رہنے دو۔" جیہ نے بے چارگی سے کہا۔

"اوہ ناجیہ۔ آپ ضرور خریدیں یہ ڈریس۔ آپ کی بہن اور ان کے بچوں کا آپ پر بھی کچھ حق ہے۔"

"میرا حق مجھ پر نہیں تو ان کا کیا ہوگا۔" جیہ افسردگی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

مسز ہیرلڈ نے وہ سارے ڈریس اٹھا لیے جنہیں جیہ نے چھوا تھا۔

پھر وہ دونوں اس حصے میں آ گئیں جہاں میک اپ کی چیزیں تھیں۔ شینل کی

بڑی سی بوتل جیہ نے اٹھا کر دیکھی اور پھر رکھ دی۔

وہ آگے بڑھی تو مسز ہیرلڈ نے یہ سینٹ بھی جیہ کے لیے خریدنے کو اٹھا لیا۔

جب دونوں باہر جانے کے لیے کاؤنٹر کی طرف آئیں تو مسز ہیرلڈ کی ٹرالی میں ہر وہ چیز تھی جو جیہ نے جانے کس کس کے خیال سے چھوئی اور پسندیدگی کی نظروں سے دیکھی تھی۔

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا مسز ہیرلڈ۔" جیہ نے مسز ہیرلڈ کو سامان گاڑی میں رکھتے دیکھ کر کہا۔

"کوئی بات نہیں۔"

"میں اس شخص کا کوئی احسان نہیں لینا چاہتی۔ یہ سب چیزیں آپ اپنے پاس ہی رکھیں گی سمجھیں۔ میں ان کو چھونا بھی پسند نہ کروں گی۔"

مسز ہیرلڈ نے جیہ کا چہرہ دیکھا جو بے حد سنجیدہ تھا۔

لیکن اب چیزیں خریدی جا چکی ہیں۔ وہ چپ ہو گئی۔

اب وہ دونوں لنچ کے لیے بریکرز جا رہی تھیں۔ خاصی اونچائی پر بنا یہ ریسٹورنٹ اپنی مثال آپ تھا۔ نیچے ہائی وے تھی اور اس کی شیشے کی اونچی اونچی چوڑی چوڑی دیواروں کے پاس پڑی کرسیوں پر بیٹھ کر نیچے گاڑیوں کے بہتے سیلاب کو دیکھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"آپ کیا کھانا پسند کریں گی؟" مسز ہیرلڈ نے پوچھا۔

"جو منگوا لو۔"

"میں اپنی پسند کا کھانا آپ کو کھلاؤں گی۔"

"میری طبیعت کھانے کی طرف مائل نہیں۔"

"ہو جائے گی۔"

مسز ہیرلڈ نے اس کے لیے سٹیک اور کوک منگوائی۔ چکن بھی منگوایا۔ خاصا مہنگا لنچ تھا لیکن پیسے کی کیا اہمیت تھی۔ جیہ کا دل بہلانا تھا جو بہلنے کی بجائے زیادہ ہی بور ہو رہا تھا۔



جیہ نے پکچر بھی بے دلی سے دیکھی۔ سارا وقت ذہنی بے چینیوں سے پریشان ہوتی رہی۔ اسے اپنی امی اور ابا شدت سے یاد آنے لگے۔ چپکے چپکے وہ روتی بھی رہی تھی۔

پکچر کے بعد بھی وہ دونوں گاڑی میں گھومتی پھرتی رہیں۔ مسز ہیرلڈ اسے جہاں بھی لے گئی، وہ چل دی۔ گھر واپس آ کر بھی کیا کرنا تھا۔ یوں وقت کچھ اچھا ہی گزر رہا تھا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے جب دونوں واپس آئیں۔ ڈاؤن ٹاؤن میں تو وہی دن کا سماں تھا لیکن اپنے علاقے میں رات پوری طرح اتر چکی تھی۔ گھروں کے دروازے بند ہو چکے تھے اور حفاظتی کتوں کے بھونکنے کی کبھی کبھی آواز آ جاتی تھی۔

-------O-------

"صبح بخیر ناجیہ۔" مسز ہیرلڈ نے اپنی موٹی کمر پر بندھی چمڑے کی بیلٹ کو قدرے ڈھیلا کرتے ہوئے مسکرا کر جیہ سے کہا۔

"شکریہ۔" جیہ نے جواب دیا۔

"کل کی تھکان تھی جو آپ بڑی بے خبر سو رہی تھیں۔ میں بیڈ ٹی کے لیے آئی تھی۔" اس نے کہا۔

"میں بیڈ ٹی لینے کی عادی نہیں۔" جیہ نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دے کر چہرے پر گر آنے والے بالوں کو پیچھے کیا اور پھر دونوں ہاتھ کانوں کے پیچھے گردن کی طرف لے جاتے ہوئے بالوں کو سمیٹا۔ انہیں چٹیا کی صورت میں گوندھتے ہوئے بال کندھے کے اوپر لا کر آگے گرا لیے۔

وہ نہا دھو کر باتھ روم سے نکلی تھی۔ چہرہ آج بھی پژمردہ اور لپ اسٹک سے ہونٹ عاری تھے۔ آنکھوں میں سوجن بھی تھی اور سرخی بھی یا تو اسے رات ٹھیک سے نیند نہ آئی تھی یا پھر روتی رہی تھی۔

"ناشتہ ڈائننگ روم میں رکھوں یا کچن میں آجائیں گی؟" مسز ہیرلڈ نے پوچھا۔

آئینے کے سامنے کھڑی جیہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں استفہامیہ کھوج تھی جسے مسز ہیرلڈ سمجھ گئی۔ جلدی سے بولی۔ "جلالی ناشتہ کر چکے ہیں۔ آپ کو ان کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"پھر کچن ہی میں کر لوں گی۔" جیہ چٹیا پشت پر ڈالتے ہوئے بولی۔ اس نے کل والے سادہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ بڑی اجڑی اجڑی لگ رہی تھی۔

"ناشتے کے ساتھ کوئی جوس لینا پسند کریں گی؟"



"مسز ہیرلڈ۔ میری پسند ناپسند کو اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ بنا سکتی ہو، بنا دو۔ مجھے کسی چیز سے رغبت ہے نہ شوق۔ کھانا زہر مار کرنا پڑتا ہے بس۔"

مسز ہیرلڈ اثبات میں سر ہلاتے بنا کچھ کہے کمرے سے نکل گئی۔

"اس لڑکی کے مسائل واقعی دشوار ہیں۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا اور کچن کی طرف چلی گئی۔

اس نے جیہ کے لیے سادہ سا ناشتہ بنایا۔ جوس کا ایک گلاس ساتھ رکھا اور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

جیہ سر جھکائے دبے دبے پاؤں چلتی کچن میں آگئی۔ کل سے سیر سپاٹے سے تازہ دم ہونے کی بجائے وہ کچھ زیادہ ہی افسردہ اور بیزار بیزار نظر آرہی تھی۔ یہ گھر اور اپنی زندگی قید خانہ محسوس ہو رہی تھی۔ ذہن اتنا تھک چکا تھا کہ مثبت منفی سب ایک لگ رہے تھے۔ امی، ابا بہن بھائی سب شدت سے یاد آرہے تھے اور ان کے پاس اڑ کر پہنچ جانے کی خواہش تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔

مسز ہیرلڈ کا وجود بھی اب ذہن پر بار تھا۔ اس کی نرم روی اور شفقت سے الجھ رہی تھی۔ اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ قید تنہائی اذیت ناک ہوتی جا رہی تھی۔ ناشتہ کر کے وہ چپ چاپ کچن سے اٹھ آئی۔ مسز ہیرلڈ نے بھی کوئی بات کرنا مناسب نہ سمجھی۔

جیہ کو سمجھ نہ آرہا تھا کہ کیا ہوگا اور یہ دن کیسے گزریں گے۔ بڑی مشکلوں سے اس نے اپنے آپ کو سمجھایا۔ کسی نہ کسی طور یہ وقت گزارنا ہی تھا۔ واقعی جلالی کے پاس کوئی جادو کی چھڑی تو نہ تھی جو گھماتا اور اسے آنکھیں بند کرنے کو کہتا۔ جب وہ آنکھیں کھولتی تو اپنے وطن میں اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں میں پہنچ چکی ہوتی۔

وہ وقت گزاری کے لیے گھوم پھر کر گھر دیکھنے لگی۔ ایک ایک کمرے میں گئی۔ اس کی سیٹنگ دیکھی۔ چیزیں دیکھیں۔ جلالی کی بے پناہ دولت کا احساس ہوا لیکن یہ احساس خوشگوار ہرگز نہیں تھا۔ اس بھوت نما چہرے والے آدمی سے وہ نہ مرعوب ہونے

کا قصد کر چکی تھی۔

وہ لیونگ روم میں کافی دیر بیٹھی رہی۔ سٹیریو کو دیکھتی رہی، پھر اس نے کیسٹیں دیکھیں۔ پاکستانی، ہندوستانی، عربی، فارسی، انگریزی ہر زبان کے گانوں کے کیسٹس موجود تھے۔ انہیں الگ الگ شیلفوں میں بڑے سلیقے سے رکھا گیا تھا۔

اس نے بغیر دیکھے ایک کیسٹ اٹھایا اور ٹیپ آن کر دیا۔ آواز ایک دم گونجی۔ اس نے جلدی سے آواز کا بٹن گھمایا اور پھر کمرے کی فضا میں ہلکی ہلکی موسیقی کی لہریں پھیلنے لگیں۔ کوئی بڑی ہی پرسوز انڈین دھن تھی۔ جیہ نے سر صوفے کی پشت پر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

درد کے دریا بہہ رہے تھے اور جیہ ان میں ڈوبتی چلی جا رہی تھی۔ دل کا گوشہ گوشہ اذیت زدہ تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر کانوں کی لوؤں کو چھوتے صوفے کے کپڑے میں جذب ہونے لگے۔

کتنے ہی لمحے گزر گئے۔ پھر جیہ نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ بند کر دیا۔ جانے اکتا گئی تھی یا درد کے ریلے میں اور بہنے کی ہمت نہ رہی تھی۔ دوپٹے کے گوشے سے آنکھوں کو پونچھتے ہوئے وہ اٹھی۔ ناک رگڑ کر صاف کی اور کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگی۔ باہر کا منظر بڑا ہی دیدہ زیب تھا۔ دھوپ جیسے نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ کتنی دھیمی دھیمی کیسی فرحت بخش لگ رہی تھی۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر باہر جانے کے ارادے سے مڑی۔

چند قدم اٹھا کر سلائیڈنگ ڈور کے قریب آئی۔ اسے گھمانے ہی والی تھی کہ وہ خود گھوم گیا اور اندر آنے والے جلالی سے اس کی ٹکر ہوتے ہوتے بچی۔

"سوری۔" جلالی کے منہ سے نکلا۔

جیہ نے ایک گہری نگاہ ان پر ڈالی۔ اس نگاہ میں تلخی، بیگانگی اور بیزاری تھی۔ جلالی قدرے ٹیڑھے ہو کر جیہ کے قریب سے گزر کر اندر آ گئے۔ جانے انہوں نے کون سی مردانہ خوشبو لگا رکھی تھی جو جذبات کی آنچ پکڑنے کی صلاحیت رکھتی تھی یا یہ ایک مرد کی خوشبو تھی، مہک تھی جو قربت کے لمحوں میں عورت کے یخ بستہ وجود کو پگھلا



دیتی ہے۔ گھبرا کر جیہ نے انہیں تیز قدموں سے اندر جاتے دیکھا اور پھر اسی تیزی کے ساتھ وہ باہر نکل آئی۔

وہ دھیرے دھیرے کانپ رہی تھی اور اس کی سانسوں کی رفتار کچھ تیز ہو گئی تھی۔ اسے پتہ نہیں چل رہا تھا۔ یہ کیوں ہو رہا ہے۔

وہ الجھی الجھی کھڑی رہی۔ روش پر ٹہلتی رہی۔ موسم خاصا ٹھنڈا تھا لیکن اسے تپش محسوس ہو رہی تھی۔ اک گھنے چھتنار درخت تلے اس کی موٹی سی نیچے گری شاخ پر بیٹھ کر وہ اپنے ناخن چباتے ہوئے اپنی عجیب و غریب اندرونی کیفیت کے متعلق سوچنے لگی۔

یہاں بھی چین نہیں آیا، سکون نہیں ملا تو وہ اندر چلی آئی۔ ایک کمرے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے میں گئی۔ بیکار وقت گزارنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ اسے اب احساس ہو رہا تھا۔ اس نے فوزیہ کو فون کرنے کا سوچا۔

اسی لیے وہ مسز ہیرلڈ کے پاس آئی۔ "مسز فوزیہ کے گھر کا نمبر آپ کو معلوم ہے؟"

"ہاں۔"

"ذرا ملا دیں۔"

"کیوں؟"

"میں ان سے بات کروں گی۔"

"ایک بات مائی ڈیئر۔"

"کیا؟"

"مسٹر جلالی انہیں کہہ چکے ہیں کہ آپ لوگ تفریح کے لیے گئے ہوئے ہیں اور دو تین ہفتے بعد لوٹیں گے۔"

"یہ کیوں؟" جیہ نے حیرانگی سے پوچھا اور پھر غصہ دودھ کے ابال کی طرح اٹھا۔ اس کے دماغ میں سوں سوں ہونے لگی۔ ہونٹ کاٹنے لگی۔ ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"آپ کو برا لگا؟" مسز ہیرلڈ نے نرمی سے پوچھا۔

"ہر بات میں دھوکہ۔ ہر بات میں دھوکہ۔" جیہ جیسے پھٹ پڑی۔

"نہیں ناجیہ۔ آپ مسٹر جلالی کے متعلق غلط رائے قائم کرتی جا رہی ہیں۔"

"تمہاری صفائی کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اس مکار آدمی کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔"

مسز ہیرلڈ اس کی اس نادانی کی بات پر ہنس پڑی۔ پھر پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ملائمت سے بولی۔ "مرد کو سمجھنے کے لیے تو عورت کی ساری زندگی صرف ہو جاتی ہے۔ آپ نے دو تین دن میں مسٹر جلالی کو کیسے سمجھ لیا۔"

"وہ جھوٹا ہے۔ دھوکے باز ہے۔ بے ایمان ہے۔"

"ناجیہ میرا تجربہ اس کے برعکس ہے۔ میں اک عرصے سے مسٹر جلالی کی خدمت پر مامور ہوں۔ ان جیسا ایماندار، انصاف پسند اور اچھا آدمی شاید ہی کوئی ہو۔"

"آپ اپنا تجربہ اپنے پاس ہی رکھیں۔ حق نمک ادا کرتے ہوئے آپ مجھے مرعوب نہیں کر سکتیں۔"

"آپ اپنے خیالات کی مختار ہیں۔"

"مجھے فوزیہ کا نمبر ملا دو۔"

"سوری۔"

"مسز ہیرلڈ!"

"آپ مسٹر جلالی سے پوچھ سکتی ہیں۔ میں ان کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی۔"

"تم بھی ان کی سازش میں شریک ہو۔"

جیہ غصے سے کہتے ہوئے پلٹی اور اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مسز ہیرلڈ اور جلالی مل کر کوئی منصوبہ بنا چکے ہیں۔ اس کے خلاف سازش کر رہے ہیں، اسے پھنسانے کا کوئی حیلہ کر رہے ہیں۔

وہ گھبرا گھبرا کر انہی لائنوں پر سوچنے لگی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کشادہ کمرے کی دیواریں سمٹ رہی ہیں۔ چھت نیچے بیٹھ رہی ہے اور اس کا جیتا جاگتا وجود اس



میں پستا جا رہا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی لیکن اس کی ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں۔ اپنا بار اٹھانا مشکل ہو گیا۔ وہ بیڈ پر گر گئی۔

جانے کتنی دیر اوندھی پڑی رہی کہ مسز ہیرلڈ اس کے لیے کافی کی پیالی اور سینڈوچ لے کر آ گئی۔

"ناجیہ۔" اس نے پکارا۔

"ناجیہ۔" جواب نہ پا کر وہ پھر بولی۔ پھر جھک کر اس کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا۔ "سو گئیں؟"

ناجیہ نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ بھی تپ رہا تھا۔ بے بسی سے بولی۔ "مسز ہیرلڈ مجھے لگتا ہے میں سخت خطرے میں ہوں۔"

"ناجیہ......" مسز ہیرلڈ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ کافی سینڈوچ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے۔

"آپ متوحش نظر آ رہی ہیں۔" وہ بولی۔

"ہاں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔"

"وہ......وہ جلالی۔"

"ہاں، ہاں۔"

"ہر وقت گھر پہ کیوں رہتے ہیں۔"

"ان کا اپنا گھر ہے ناجیہ......ویسے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ گھر پہ سارا دن تھوڑا ہی گزارتے ہیں۔ وہ تو بے حد مصروف آدمی ہیں۔ آپ کے سلسلے میں وہ ایمبیسی سے تھوڑی دیر ہوئی واپس آئے ہیں، سارے کام چھوڑ کر وہ آپ کے لیے انتظامات کر رہے ہیں۔"

جیہ نے اک گہری سانس لی۔ بستر میں سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے ہاتھ گود میں رکھے سر جھکائے وہ کچھ دیر بیٹھی رہی۔ مسز ہیرلڈ نے کافی اور سینڈوچ اسے دیے۔

"شکریہ۔" وہ بولی۔

"آپ الٹی سیدھی باتیں مت سوچا کریں۔" مسز ہیرلڈ نے کہا۔ "اسی لیے میں کہتی ہوں نا۔ گھر میں پھریں اور اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھیں۔ دھیان بٹانے کے لیے آپ کو کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے اور مسٹر جلالی سے آپ بالکل خائف نہ ہوں۔ وہ جو بات آپ سے کہہ چکے ہیں، اس پر کاربند رہیں گے۔ ان کی طرف سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔"

خطرہ کہتے ہوئے مسز ہیرلڈ شوخی سے مسکرادی۔ جیہ کو جانے اس مسکراہٹ سے کیوں حجاب آگیا۔

"ہوں۔" مسز ہیرلڈ نے اٹھتے ہوئے پھر اس کا کندھا دبایا۔ "آپ بالکل بے فکر رہیں۔ مسٹر جلالی آپ سے وعدہ کر چکے ہیں کہ آپ سے کوئی سروکار نہیں رکھیں گے تو ان الفاظ کو پتھر پر لکیر سمجھیں۔ وہ اصول کے پکے اور قول کے سچے آدمی ہیں۔"

جیہ نے بڑے معصومانہ انداز میں اسے دیکھا۔ وہ بالکل چھوٹی سی نا سمجھ بچی لگ رہی تھی جو اکیلے پن کے خوف میں مبتلا تھی۔

"آپ کافی پی کر تیار ہو جائیں۔ میں گروسری لینے جا رہی ہوں۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ میں آج آپ کو شہر کے دوسرے حصے میں لے جاؤں گی۔"

جیہ کچھ ہچکچائی تو اس نے اس کی پشت تھپکی۔ "اٹھو اور تیار ہو جاؤ۔ کل تم اس ڈریس میں بہت سمارٹ لگ رہی تھیں۔ آج بھی کوئی اسی طرح کے کپڑے پہن لو۔ آج میں تمہیں اپنی ایک دوست مس میری جون سے ملانے لے جاؤں گی۔ وہ بڑی زندہ دل اور بڑی بامذاق عورت ہے۔ تم اسے مل کر بہت خوش ہو گی۔"

مسز ہیرلڈ کی باتوں سے جیہ کو کچھ تسلی ہوئی۔ ایک بار پھر اس نے اپنے خوف جھٹک دیئے اور اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے تیار ہو گئی۔ کیوں نہ اس نئی دنیا کو اچھی طرح سے دیکھ لیا جائے، اس نے سوچا اور ڈریس بدلنے کے لیے اندر چلی گئی۔

آج اس نے ریڈ بلاؤز کے ساتھ جینز پہنی۔ میک اپ بھی کیا، بالوں کو بھی سنوارا اور بیگ اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔



مسز ہیرلڈ کے ساتھ وہ دو گھنٹے تک گھومتی پھرتی رہی۔ مس میری جون سے ملاقات بھی کی۔ ہنسنے ہنسانے والی مس جون اسے بہت پسند آئی۔ وہ مسز ہیرلڈ ہی کی عمر کی عورت تھی۔ جوانی میں دو عشق کیے تھے، دونوں ناکام ہو گئے تھے جن کے نتیجے میں کنواری بیٹھی رہ گئی تھی۔ زندگی گزارنے کا ڈھنگ اس نے سیکھ لیا تھا۔ وہ ایک اخبار کے دفتر میں کام کرتی تھی۔ خوب مصروف اور خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی۔

مسز ہیرلڈ نے اس کے متعلق مختصراً جیہ کو بتایا تو جیہ بڑی متاثر ہوئی۔

"زندگی سوچ کے مرہون منت ہے ناجیہ۔ منفی انداز اپنالو یا مثبت، یہ انسان پر منحصر ہے۔ آپ بھی ذرا مثبت انداز اپنائیے۔ آپ خوش رہ سکیں گی۔"

مسز ہیرلڈ کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے جیہ گاڑی میں آ بیٹھی۔

مسز ہیرلڈ گروسری شاپ پر گئی اور ضرورت کی چیزیں لے کر دونوں کچھ وقت مصروف گزار کر واپس آ گئیں۔

-------O-------

redroses@pakistanipoint.com

دل تو نہیں چاہتا تھا
لیکن
وہ سب کچھ کر رہے تھے۔
اور
دل کے خلاف کچھ کرنا جتنا اذیت دہ اور مشکل ہوتا ہے، جلالی کرب کی اس بھٹی سے گزر رہے تھے۔

انہوں نے شادی بربادی کے لیے نہ کی تھی۔ بڑی خوشگوار امیدوں کے بھروسے انہیں دلائے گئے تھے۔ وہ راضی نہ تھے، انہیں جبراً راضی کیا گیا تھا۔ اپنی خواہش کو تو انہوں نے دل کے نہاں خانوں میں دفن کر رکھا تھا۔ تنہائی کو اپنا مقدر مان چکے تھے لیکن دوستوں کے خلوص نے مارا تھا۔ انہوں نے خوابیدہ امنگیں جگا دی تھیں۔ نہاں خانوں میں چھپی خواہشوں کو عیاں کر دیا تھا۔
لیکن
یہ سب کچھ انہیں کس قدر مہنگا پڑا تھا، سب کچھ پا کر بھی تہی دامن تھے۔ قربت میں بھی اتنی دوری تھی کہ جیہ کے تصور سے بھی ڈر لگنے لگا تھا۔

جیہ کو دیکھے بنا یہ سب کچھ ہو جاتا تو شاید کرب کی منزلیں اتنی تکلیف دہ نہ ہوتیں۔ جیہ کو دیکھا تھا، چھوا تھا، قریب کیا تھا۔

ان سب باتوں نے ان کے اندر جذبات کے طوفان اٹھا دیئے تھے۔ ایسے جھکڑ چلائے تھے۔ اتنے طوفان اٹھائے تھے کہ کسی وقت وہ بالکل ہی بے بس ہو جاتے۔
دل بھی تو عجیب شے ہے۔ گوشت کا لوتھڑا جو بظاہر ایک پمپنگ مشین ہے جس کا کام



لگا بندھا ہے۔
لیکن
جو انتہائی خودسر ہے۔ اپنی بات منوانے والا ہے۔ بڑا جابر بڑا قاہر۔ اپنی بات پر اڑ جائے تو کسی کی نہیں سنتا۔ جو لذت درد سے آشنا ہے جو دھڑکنوں میں پیغام دیتا ہے جو اپنے تقاضوں کے سامنے انسانی وجود کو بے بس کر کے رکھ دیتا ہے۔

جلالی اسی دل کے ہاتھوں سخت اذیت پا رہے تھے۔
دل
جو جیہ پر بری طرح آ چکا تھا۔ جس نے جیہ کو اپنا مان لیا تھا۔ جس نے جیہ سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں جو جیہ کے نام پر دھڑکتا تھا۔ جو جیہ کے لیے تڑپتا تھا۔

جیہ نے الگ ہونے کا فیصلہ سنا دیا تھا۔
اور
وہ بھی اس سے الگ ہونے کا وعدہ کر چکے تھے۔

دل کے خلاف اک مہم جاری تھی۔ وہ اسے کچلنے کے ہر حربے کو استعمال کر رہے تھے لیکن جب وہ سوچتے تو یوں لگتا جیسے دل دنیا کی سب سے بڑی، سب سے وزنی شے ہے جو ایک لمحے میں کچل ڈالنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

وہ جیہ سے علیحدگی کے بندوبست میں مصروف تھے۔ اک مشین کی طرح کام کر رہے تھے۔ صبح ایمبیسی گئے تھے۔ ضروری کاغذات کی خانہ پری کی تھی۔ کچھ کاغذات ساتھ لائے تھے جن پر جیہ کے دستخط کروانا تھے۔

ان کا بس چلتا تو ان کاغذات کے پرزے پرزے کر دیتے۔ آگ میں جھونک دیتے۔ جھیل کی تہہ میں بٹھا دیتے۔
لیکن
وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔
اور اب جیہ اور مسز ہیرلڈ گروسری شاپ سے ہو کر واپس گھر آئی تھیں، وہ

اسی سلسلے میں باہر جانے کے لیے ڈرائیو وے پر آئے تھے۔ اپنی گاڑی ادھر ہی کھڑی کی تھی۔

جیہ نے دور ہی سے انہیں دیکھا۔ ”مسز ہیرلڈ مجھے یہیں اتار دو۔“ وہ جلدی سے بولی۔

”کیوں؟“

اس نے بے ساختہ جلالی کی طرف اشارہ کیا۔

”کوئی بات نہیں۔ وہ آپ سے کچھ نہیں کہیں گے۔“ مسز ہیرلڈ گاڑی ڈرائیو وے پر لے آئی۔

گاڑی جلالی سے چند فٹ کے فاصلے پر رکی۔

جیہ نے دروازہ کھولا۔ تیزی سے باہر نکلی اور پھر دروازہ پٹخنے کے انداز میں بند کرتے ہوئے پاؤں پٹختے چلی گئی۔

جلالی نے اک حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔ دکھ کی تیز دھار سینے میں اتر گئی۔ قدرت کی بے رحمی پر وہ تڑپ گئے۔ کنوئیں کے کنارے برسوں کے پیاسے انسان کی مثال تھی۔ کنواں ممنوعہ جگہ تھی۔ پیاس سے انہیں اپنا دم ٹوٹتا محسوس ہوا۔

وہ اندر چلی گئی۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر نہ دیکھا۔ پلٹ کر نہ دیکھنا ظاہر کرتا تھا کہ اس کے فیصلے میں لچک پیدا ہونے کی کوئی گنجائش نہیں۔ جلالی بے حد مایوس نظر آنے لگے۔

انسان بھی عجیب و غریب شے ہے۔ تضادات کا مجموعہ ہے۔ اندر سے کچھ، باہر سے کچھ۔ ڈوبتے ڈوبتے بھی سہارے تلاش کرنا اس کی فطری عادت ہے۔ یہ ڈوبنا نہیں چاہتا۔ پھر بھی ڈوب جاتا ہے۔ دکھ سے اسے ازلی بیر ہے لیکن دکھوں سے لپٹ لپٹ کر زندگی گزارنے کا عادی ہے۔ جو وہ نہیں چاہتا وہی کرتا بھی ہے۔ انتہائی خود غرض ہے۔ اپنا آپ ہی دیکھتا ہے۔ پھر بھی اس کے خلاف چلتا ہے۔ اپنی غرض کو قربان کر دیتا ہے۔ اپنے آپ کو مٹا ڈالتا ہے لیکن یہ سب کچھ وہ کبھی بھی اپنی خوشی سے نہیں کرتا۔ ایسا کرتے ہوئے آگ اور شعلوں کی محرابوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ دکھ کی بھٹی میں جلنا پڑتا



ہے۔ تیز دھار کی تلوار کے وار سہنے پڑتے ہیں۔ کٹار سے کلیجہ کٹتا ہے۔ پھر بھی ہے بڑا ہی سخت جان۔ سب کچھ سہہ جاتا ہے۔ آگ اور شعلوں کی محرابوں تلے سے گزر جاتا ہے۔ تلوار کے زخم کھالیتا ہے۔ کٹار کے وار سہہ لیتا ہے۔ دکھ کی بھٹی میں جل جاتا ہے۔

جلالی بے دلی سے گاڑی میں بیٹھے اور اسے ڈرائیو وے سے نکال کر لے گئے۔

گاڑی بیرونی سڑک پر آئی تو انہوں نے اپنے خوبصورت گھر کو دیکھا، شاید یہ اس علاقے کا خوبصورت ترین گھر تھا۔ جدید ترین سامان سے آراستہ تھا لیکن جلالی کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی آسیب زدہ جگہ ہے جہاں ڈر، خوف اور دھڑکا اعصاب پر مسلط رہتے ہیں۔

اپنی بے حد و حساب دولت انہیں ناگ کی طرح ڈس رہی تھی۔ وہ تڑپ کر سوچ رہے تھے۔ کاش وہ عام سے آدمی ہوتے۔ عام سی شکل و صورت والے عام سے ذرائع والے جن کا چھوٹا سا پرسکون سا گھر ہوتا۔ محبت کرنے والی بیوی ہوتی اور پھر اس پرسکون گھر میں محبت کے پھول کھلتے۔

لیکن

یہ ساری سوچیں بیکار تھیں۔ ان کا حقیقت کے روپ میں ڈھل جانا ان ہونی بات تھی۔

وہ سیدھے اپنے آفس گئے۔ اپنے منیجر مسٹر ہڈسن سے تھوڑی دیر بزنس کی باتیں کیں۔

”آپ کو تین لاکھ ڈالر کا منافع ہوا ہے جناب۔“ مسٹر ہڈسن نے انہیں شپنگ کمپنی سے آئی خوشخبری سنائی۔ ”آپ بہت لکی ہیں سر۔“

جلالی نے اک گہری سانس کھینچی۔ ”مجھ سا بد نصیب انسان شاید ہی کوئی ہو گا مسٹر ہڈسن۔“

”اوہ نہیں، ایسا مت کہیے۔“

”لندن آفس سے بھی آج بات ہوئی تھی۔“

”ہوں۔“

”ہاں کچھ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو تین چار آدمی

وہاں کے لیے مسٹر راک فیلر بھرتی کریں؟"

"میں اس وقت ضروری کام سے ٹاؤن ہال جا رہا ہوں۔ صبح آ کر اس سلسلے میں بات کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"ویسے آدمی وہاں ضروری چاہئیں؟"

"جی ہاں۔ کام کافی پھیل رہا ہے سر۔ اسی لحاظ سے آدمیوں کی بھی ضرورت ہے۔ مسٹر راک فیلر بتا رہے تھے کہ کچھ پاکستانی یا ہندوستانی نوجوان وہاں کام کے طلب گار ہیں۔ آپ کہیں تو ان کے انٹرویو لے لیں؟"

"کل دیکھیں گے۔"

جلالی کچھ ضروری ہدایات دے کر آفس سے باہر آ گئے۔

مطلوبہ آدمی سے مل کر وہ جب گھر واپس لوٹے تو شام اتر رہی تھی۔ آسمان کے کنارے سرخ ہو رہے تھے۔ چڑیاں چہچہاتے ہوئے اپنے اپنے ٹھکانوں کو لوٹ رہی تھیں۔ ہوا ساکن تھی۔ پھر بھی فضا میں اتنی ٹھنڈک رچ چکی تھی کہ جلالی کو گاڑی کا ہیٹر آن کرنا پڑا۔

وہ سیدھے اپنی خوابگاہ میں چلے گئے۔ خاصے پریشان نظر آ رہے تھے۔ وہ مسٹر جیرالڈ کو مل کر آئے تھے جو ڈائیورس کنسلٹنٹ تھے۔ چونکہ جلالی کو امریکی سٹیزن شپ ملی ہوئی تھی، اس لیے طلاق کے سلسلے میں مشورہ ضروری تھا۔ مسٹر جیرالڈ نے اپنی بھاری فیس وصول کی تھی اور انہیں بتا دیا تھا کہ وہ ہفتے عشرے کے اندر اندر یہ سارا معاملہ نپٹا لیں گے۔ جلالی کا دل ڈوب گیا تھا۔

کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے انہوں نے کئی سگریٹ پھونک ڈالے۔ گھبراہٹ کچھ زیادہ ہوئی تو انہوں نے کلب یا ہوٹل جانے کا فیصلہ کیا۔ ڈریسنگ روم میں جا کر کپڑے نکالے۔

پندرہ بیس منٹ میں وہ تیار ہو کر کمرے سے باہر آ گئے۔ طبیعت اب بھی بے طرح گھبرا رہی تھی۔



مسز ہیرلڈ کو بتانے کے لیے وہ اندر آ گئے۔ لیونگ روم کچن ڈرائنگ روم دیکھ ڈالا۔ مسز ہیرلڈ کہیں نہ تھیں۔ پچھلے برآمدے سے ہو گئے تو پھولوں لدی بیلوں والے شیشے کے بڑے بڑے پٹوں والے دروازوں میں سے ایک کے سامنے کرسی پر جیہ بیٹھی تھی۔ راکنگ چیئر ہلکے ہلکے ہولے لے رہی تھی۔ جیہ نیم دراز تھی۔ اس نے صبح والے کپڑے ریڈ بلاؤز اور جینز پہنے ہوئے تھے۔ بال سنورے تھے اور میک اپ بھی کیا ہوا تھا۔ جلالی اس کا روپ دیکھ کر چند لمحے تو ششدر رہ گئے۔

جیہ کرسی کو ہلنے سے روک کر تنک کر بیٹھ گئی۔ جلالی بوکھلا سے گئے۔ جیہ نے ایک تند ہی نگاہ ان پر ڈالی۔

"شاید مسز ہیرلڈ گھر پر نہیں ہیں۔" جلالی جلدی سے بولے۔

"جی ہاں۔" اس نے ناگواری سے ناک سکوڑتے ہوئے قہر آلود نگاہ ان پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"بتا سکیں گی کہ کہاں گئی ہیں؟" وہ جیسے کچھ دیر جیہ کو دیکھنے کے لیے رک جانے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے۔

"اپنے ہٹ میں ہیں۔" وہ رخ دوسری طرف پھیرتے ہوئے بولی۔

"اچھا۔" جلالی کے قدم زمین کے سینے میں گڑ گئے۔ وہ چند لمحے اسی انداز میں کھڑے رہے۔

جیہ غصے سے کرسی کو دھکیلتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "مسز ہیرلڈ گھر میں نہیں ہیں۔"

"آپ بتا چکی ہیں اور میں سن چکا ہوں۔" جلالی بولے۔

"پھر آپ کیوں کھڑے ہیں؟" وہ غصے سے سرخ ہوتے ہوئے بولی۔

"اوہ۔" جلالی کچھ نہ کہہ سکے۔ صرف مسکرا دیئے۔ یہ دکھ بھری مسکراہٹ خاصی کریہہ المنظر تھی۔ جیہ نے غصے سے بھڑکتے ہوئے کہا۔ "شاید مجھے اکیلا سمجھ کر آپ آ گئے ہیں۔"

جلالی تلخی سے ہنس پڑے۔ "اکیلی تو آپ ہر رات بھی ہوتی ہیں۔"

جیہ کا جی چاہا کہ وہ کرسی اٹھا کر ان کے سر پر دے مارے۔

"میں آپ سے جو وعدہ کر چکا ہوں، اس پر پوری طرح کاربند ہوں۔ اسے ایک شریف انسان کا وعدہ سمجھئے۔ مسز ہیرلڈ گھر پہ ہوں یا نہ ہوں، مجھے اپنے الفاظ کا پاس ہے۔"

جیہ نے چاہا چیخ کر کہے۔ "پھر دفع ہو جائیے۔ کیوں ہیبت طاری کرنے کو سامنے کھڑے ہیں۔"

"میں مسز ہیرلڈ کو بتانے آیا تھا کہ رات کھانے پر میرا انتظار نہ کریں۔ میں کلب جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے رات دو تین بجے واپس لوٹوں۔ پلیز انہیں بتا دیجیے گا۔" انہوں نے واپسی کے لیے کمر موڑی۔

جیہ نے ایک بھرپور نگاہ ان پر ڈالی۔ کتنے وجیہ اور کتنے پُروقار نظر آ رہے تھے۔ کاش ان کا چہرہ اتنا بدنما اور بھیانک نہ ہوتا۔ جیہ نے دل ہی دل میں سوچا۔

جلالی دروازے کے قریب پہنچ کر رکے۔ رخ پھیرے بغیر ذرا سی گردن موڑ کر بولے۔ "آپ سے پوچھنا تو بیکار ہی ہوگا کہ کلب جانا چاہیں گی۔"

"شکریہ۔" تڑاخ سے جیہ بولی۔ "زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش مت کریں۔ میرا آپ سے کوئی......"

"شکریہ۔" جلالی جلدی سے قدم اٹھا کر باہر نکل گئے۔

وہ اب زیادہ ہی پریشان تھے۔ گاڑی میں بیٹھے اور ہائی وے پر لے آئے۔ پھر وہ کئی گھنٹے صرف ہائی وے کی لمبائیاں ہی ناپتے رہے۔

پھر

کلب چلے گئے۔ ان کے کئی جاننے والے یہاں موجود تھے۔

"مسٹر جلالی مبارک ہو شادی کی۔ دلہن کہاں ہے؟"

"آپ اکیلے کیسے آئے۔ بیوی کو کہاں چھوڑا؟"

"کیا وہ ابھی پاکستان سے نہیں آئیں؟"

"شادی ہو جائے تو یہ انتظار بڑی اذیت کا باعث ہوتا ہے۔"



"میں نے سنا تھا، دلہن پہنچ گئی ہے۔"

ان کے کینیڈین، میکسیکین اور امریکن جاننے والے ان سے پوچھ رہے تھے۔ جلالی گول مول سے جواب دے رہے تھے۔ ان سوالوں کی اذیت مسکراہٹوں میں چھپانی پڑ رہی تھی۔

زیادہ دیر یہ کیفیت اپنے اوپر طاری نہ کر سکے۔ کلب سے باہر چلے آئے۔ رنگ و نور کی اس دنیا سے وہ دور بھاگ جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے گاڑی کو پوری رفتار سے چھوڑ دیا اور بلا مقصد راستے ناپنے لگے۔

-------O-------

redroses@pakistanipoint.com

جلالی ریوالونگ روم میں تھے۔ گول کمرے کی ساری دیواریں شیشے کی تھیں جن کے آگے نفیس لیس کے پردے تھے۔ کمرے میں موٹا اور نرم و گداز کارپٹ تھا۔ فوم کے گول صوفے تھے جن پر قالین کی مناسبت سے موٹی ویلوٹ چڑھی تھی۔ کانچ کی نازک نازک میزیں تھیں۔ آرائشی چیزیں یہاں بھی خوبصورت اور نایاب تھیں۔ میوزک کلاک بھی تھا اور جکارتہ سے بطور خاص منگوائے ہوئے سیپ اور موتیوں کے انتہائی نفیس لیمپ شیڈز بھی تھے۔ کمرہ اپنی بناوٹ کے لحاظ سے ہی منفرد تھا۔ اس پر سجاوٹ بھی ایسی تھی کہ یوں لگتا تھا کوئی خواب، اچھوتا، انوکھا اور سہانا خواب حقیقت کے روپ میں ڈھل گیا ہے۔

جلالی رات دو بجے کے قریب واپس آئے۔ بے مقصد ڈرائیونگ اور آوارہ گردی نے تھکا دیا تھا۔ ذہن مضمحل اور پریشان تھا۔ اس لیے ویلیم کھائی تھی جس کے نتیجے میں صبح 10 بجے تک بے خبر سوتے رہے۔ اب ناشتہ کر کے وہ اس کمرے میں آ گئے تھے۔ اندر ہی اندر جو بے چینی اور ہلچل تھی، اسے کسی طور سکون نہ مل رہا تھا۔

مسز ہیرلڈ سے کہہ کر انہوں نے جیہ کا پاسپورٹ منگوایا تھا اور یہاں ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھے وہ پاسپورٹ ہی کو دیکھ رہے تھے۔ انٹرنیشنل پاسپورٹ جس پر صرف ایک ہی سفر کی انٹری تھی۔ باقی کاغذات بھی میز پر پھیلائے ہوئے تھے۔ جیہ کی واپسی کے انتظامات کے ساتھ ساتھ انہیں علیحدگی کے کاغذات بھی مکمل کرنا تھے۔ قانونی نقطے وہ کل مسٹر جیرالڈ سے سمجھ آئے تھے۔ آج ایمبیسی پھر جانا تھا۔ پاکستان کے قانون کے متعلق بھی معلومات حاصل کرنا تھیں۔

انہوں نے پاسپورٹ میز پر رکھ دیا اور دوسری فائل اٹھالی۔



اچانک ہی سامنے کا دروازہ کھلا اور جیہ اندر آ گئی۔

اس کے اندر آتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا اور گھومنے والا کمرہ آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگا۔

جیہ نے فوراً پلٹنا چاہا لیکن دروازہ نہیں کھلا۔

"آ جایئے۔" جلالی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دروازہ کھول دیں۔"

"کیوں؟"

"میں واپس جاؤں گی۔"

"آئی ہیں تو بیٹھ جایئے۔ میں آپ سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ......"

"مجھے واپس جانا ہے۔"

"یہ دیکھئے۔ آپ کی واپسی ہی کے کاغذات ہیں۔ میں اسی کوشش میں ہوں کہ جلد سے جلد آپ کو اس اذیت سے چھٹکارا دلا دوں۔"

جیہ نے پشت دروازے سے لگا دی۔ اس کی نظریں شیشے کی دیواروں کے پار دیکھ رہی تھیں۔ گھومتے ہوئے مناظر کتنے دلفریب تھے۔ کمرہ دھیرے دھیرے گھوم رہا تھا لیکن یوں لگتا تھا جیسے باہر کے مناظر آہستہ آہستہ رینگ رہے ہوں۔

"محترمہ تشریف رکھیے۔ تعلقات ٹوٹ ہی چکے ہیں۔ آپ میرے لیے اجنبی ہیں اور میں آپ کے لیے۔ پھر بھی انسانی ناطے سے اگر ہم کچھ دیر اکٹھے بیٹھ جائیں تو اعتراض والی کوئی بات تو نہیں۔"

"مجھے...... واپس...... جانا ہے۔" جیہ نے ایک ایک لفظ پر غیر شعوری طور پر زور دیتے ہوئے کہا۔

جلالی مسکرا کر اسے دیکھنے لگے۔ اس نے نگاہیں دوسری طرف پھیر لیں۔

"بیٹھ جایئے۔ اطمینان سے بھی بات کی جا سکتی ہے۔"

"دروازہ کھولیے۔"

"یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ ایک چکر پر دروازہ خود بخود کھل جائے گا۔"

جیہ نے حیران نظروں سے انہیں دیکھا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ اس عالم میں وہ جلالی کے بے بس دل پر کتنی شدت سے وار کر رہی ہے۔

"ناجیہ، میں نے کہا نا، کچھ دیر کے لیے بیٹھ جائیے۔"

"کیوں؟"

"اس کیوں کا کوئی جواب تو نہیں۔ پھر بھی...... اخلاقاً ہی سہی۔"

جیہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو جلالی تلخ اور دکھ بھری مسکراہٹ سے بولے۔ "شاید آپ مجھے انسان نہیں سمجھتیں۔ یقین جانیے ناجیہ۔ میں اک انسان ہوں، عام انسانوں کی طرح۔"

جیہ کے دل پر پہلی بار چوٹ سی لگی۔ جلالی کے گلے میں جیسے پھندہ سا پڑ گیا تھا۔ عجیب بے بسی ان پر چھائی تھی۔ ان کا دکھ جانے کیوں جیہ کے دل کو تیز دھاری تلوار کی طرح کاٹ گیا۔

لیکن

اس نے جلدی سے پہلو بدلا۔ بے قراری سے ہاتھوں کی مٹھیاں کھولیں اور بند کیں لیکن یہ کیفیت چند ثانیے ہی رہی۔ اس نے ہمدردی کا ہر خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ دھوکہ، دھوکہ، دھوکہ۔ اس کے ذہن میں شور سا مچ گیا۔ وہ آنکھیں جھپک جھپک کر انہیں دیکھنے لگی۔

اور اس کے اندر کی ہلچل سے بالکل بے خبر جلالی اپنے دکھ سے کراہتے ہوئے بولے۔ "اسی چکر پر دروازہ کھل جائے گا۔ آپ جاسکتی ہیں۔"

"میری واپسی میں کتنے دن لگیں گے؟" جیہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

جلالی نے اس کی آواز کی تبدیلی محسوس کرتے ہوئے حیرانگی سے پوچھا۔

"کیوں؟"

"کتنے دن لگیں گے؟"

"شاید دو ہفتے۔ اس سے کم بھی ہوسکتے ہیں اور زیادہ بھی۔ ویسے میری کوشش



یہی ہے کہ کم سے کم دنوں میں آپ کو چھٹکارا مل جائے۔ بہرحال دو ہفتے۔"

"دو ہفتے۔"

"ہاں۔"

"میں یہ دو ہفتے یہاں نہیں رہوں گی۔"

"تو کہاں رہیں گی؟"

"فوزیہ باجی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ مجھے آج ہی ان کے ہاں بھیج دیں۔"

جلالی کے سر پر جیسے کسی نے لوہے کے وزنی ڈنڈے سے ضرب لگائی۔ وہ صوفے کے ہتھوں پر ہاتھوں کی مضبوط گرفت رکھتے قدرے آگے کو ہوگئے۔

"میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔" وہ ان کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"آپ فوزیہ کے ہاں بھی نہیں جاسکتیں۔" جلالی کا موڈ ایک دم بدل گیا۔ اب تک اپنے اوپر بے بسی اور بے چارگی کی جو ردا اوڑھ رکھی تھی، وہ کھسکنے لگی۔

"میں جاؤں گی۔" اس نے ضد کی۔

"ناجیہ۔" وہ بڑے تحمل سے بولے۔ "آپ وہاں نہیں جائیں گی۔ اب تک جو کچھ ہو چکا ہے۔ میں اسے اپنی تقدیر سمجھ کر چپ ہو گیا ہوں لیکن میں نہیں چاہوں گا کہ اس ذلت و رسوائی کی داستان کا ایک لفظ بھی میرے دوستوں تک پہنچے۔ میں ان لوگوں کو کہہ چکا ہوں کہ ہم لوگ گھر پر نہیں ہیں۔"

جیہ نے بھنوئیں اچکا کر انہیں بڑے طنزیہ انداز میں دیکھا اور بولی۔

"جھوٹ۔"

جلالی اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔ "ناجیہ میں انا کے معاملے میں بہت زیادہ حساس ہوں۔"

ان کے لہجے کی درشتگی سے جیہ کو ریڑھ کی ہڈی میں کپکپی سی محسوس ہوئی لیکن ڈھٹائی سے بولی۔ "میں وہاں جاؤں گی...... آپ مجھے یہاں رہنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔"

......اور جلالی کرسی سے اٹھتے ہوئے انتہائی غصے میں بولے۔ "کر سکتا ہوں۔"

جیہ سہم گئی لیکن غصہ تو اپنی جگہ تھا۔ تنک کر بولی۔ "میں رعب نہیں سہہ

سکتی۔ آپ کو ایسا کرنے کا حق ہی کیا ہے۔"

"حق ہے......" جلالی کے لہجے میں جیسے بادلوں کی طوفانی گرج اتر گئی۔

جیہ گھبرا گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کو دیکھنے کے سوا ایک لفظ نہ کہہ سکی۔

"آپ میری منکوحہ ہیں۔ جب تک علیحدگی قانونی، مذہبی اور اخلاقی طور پر نہیں ہو جاتی۔ میرا ہر حق اپنی جگہ موجود ہے۔ میں چاہوں تو اپنا حق موصول بھی کر سکتا ہوں۔"

جیہ کے ہونٹ خشک ہونے لگے۔ اس نے گھبرا کر انہیں دیکھا۔

"میں شرافت سے کام لے رہا ہوں۔ میں نے آپ کی ہر بات کا احترام کیا ہے۔ آپ کو کسی بات پر مجبور نہیں کیا۔ آپ نے واپس جانا ہے۔ میں اسی دن سے اس تیاری میں مصروف ہوں۔ آپ نے میرے سامنے سے گریز کیا ہے۔ میں نے حتی الامکان سامنے آنے سے اپنے آپ کو روکا ہے۔ میں نے شادی کی تھی، یہ جرم نہیں تھا، گناہ نہیں تھا۔ شادی میں یہاں بھی کر سکتا تھا۔ کچھ عورتیں یہاں بھی تھیں جو میری قدرتی محرومی کے باوجود مجھے اپنانے کو تیار تھیں۔ لیکن......"

جلالی کے صبر و تحمل کے سارے بند ٹوٹ چکے تھے۔ غصے میں بول رہے تھے۔ چند لمحے رکے اور بولے۔ "میں نے اپنے دوستوں کے خلوص اور محبت کو دیکھتے ہوئے آپ سے شادی کی۔ صرف اس لیے کہ ان کے کہنے کے مطابق ہمارے وطن کی لڑکیاں جیسے بھی حالات ہوں، اپنے آپ کو ایڈجسٹ کر لیتی ہیں...... میرا تجربہ تلخ ہی نہیں، ناکام بھی ہوا ہے۔ میں نے سب کچھ خاموشی سے برداشت کیا ہے۔ اتنے دنوں سے آپ گھر میں ہیں لیکن میں نے...... میں نے آپ سے کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔"

جیہ مجبوری اور بے بسی کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ ڈری ہوئی تھی۔ سہمی ہوئی بھی تھی اور کچھ نہ ہو سکا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

جلالی نے رخ دوسری طرف موڑ لیا۔ "آپ کی ہر تکلیف کا ہر ذہنی کوفت کا مجھے احساس ہے۔ میں خود بھی نہیں چاہتا کہ اس جھنجٹ میں آپ زیادہ دیر پڑی رہیں۔ میں اسی کوشش میں ہوں کہ آپ کو جلد از جلد واپس بھجوانے کے انتظامات کر سکوں۔



میں آپ کے لیے اتنا کچھ کر رہا ہوں۔ آپ میرے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں کہ میری رسوائی کو مشتہر نہ کریں۔ اپنے اوپر تھوڑا سا جبر کر کے باقی دن اسی قید خانے میں گزار لیں۔"

جیہ کی آنکھوں میں آنسو بھر بھر آ رہے تھے۔ وہ ضبط کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

جلالی کا رخ دوسری طرف تھا۔ جیہ کی طرف دیکھنے کی انہیں ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ چند قدم دوسری طرف چلتے ہوئے بنا اس کی طرف دیکھے، بولے۔ "آپ کو دو ہفتے کی زحمت برداشت کرنا ہی پڑے گی۔ پندرہ دن کے اندر اندر میں ہر صورت آپ کی واپسی کا انتظام کر لوں گا اور طلاق نامہ بھی حاصل کر لوں گا۔"

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازہ کھل گیا تھا۔

طلاق نامہ

جیہ کے دل و دماغ پر جیسے ایکا ایکی ہتھوڑے برس گئے۔ گھبرا کر اس نے جلالی کو دیکھا۔

وہ دروازے سے باہر جا چکے تھے۔

طلاق!

طلاق!

طلاق!

جیہ کے دل و دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے۔ آندھیوں کی زد میں آئے ہوئے تنکے کی طرح وہ ادھر سے ادھر ڈولنے لگی۔ بمشکل اس نے صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھا اور جانے کیسے سامنے آ کر اس پر گر گئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور دماغ کمرے سے زیادہ تیزی سے گھوم رہا تھا۔

طلاق کا لفظ پوری سفاکی سے اس کے دل و دماغ کے پرخچے اڑا رہا تھا۔

وہ

تو

معاملے کی نوعیت اور سنگینی کو شاید اب سمجھی تھی۔

"ناجیہ بیگم، پھر کیا سوچا ہے؟"

"کچھ سمجھ نہیں آرہا۔"

"واپسی کا خیال چھوڑ دو، وہاں جا کر کیا کرو گی؟ تانو باجی کا حال دیکھو۔ کولہو کا بیل بننا پسند ہے تمہیں؟"

"ہوں۔"

"اچھی طرح جان لو۔ اب اس گھر میں تم بیٹی نہیں اک طلاق یافتہ عورت کی حیثیت سے جاؤ گی۔ لڑکی کی جب تک شادی نہ ہو، اس کا ماں باپ کے گھر پر ہر طرح کا حق ہوتا ہے لیکن شادی ہو جائے تو وہ پرائی ہو جاتی ہے۔ پرائی پھر لوٹ آئے تو اپنوں کی فہرست میں نہیں آتی۔ اس کا وہاں کوئی حق نہیں ہوتا۔ اسے کوئی پرانی حیثیت نہیں دیتا۔ وہ اک بوجھ ہوتی ہے۔ بوجھ تو گھر بیٹھی بیٹی بھی ہوتی ہے۔ تم ہی سوچو، جس بوجھ کو سر سے اتار دیا جائے اور وہ پھر سر پر آن پڑے تو کیا کیفیت، کیا حالت ہوتی ہے۔"

"اف۔"

"تانو کی مثال تمہارے سامنے ہے ناجیہ بیگم۔ اس کے تاثرات سے بھی تم ناواقف نہیں۔ کئی بار وہ تمہارے سامنے دل کے پھپھولے پھوڑا کرتی تھی۔ تمہیں یاد نہیں، وہ کہا کرتی تھی۔ اس زندگی سے تو اچھا تھا کہ وہ شوہر کے ہاں ہی سختیاں برداشت کرتے کرتے مر جاتی۔"

"ہاں۔ ہاں مجھے یاد ہے۔"

"تو پھر...... شادی کے بعد شوہر کا گھر ہی عورت کا گھر ہوتا ہے ناجیہ جی۔ وہاں جاؤ گی تو تمہیں کچھ نہیں ملے گا، دھتکاری جاؤ گی۔ دھتکاری تو تم پہلے بھی جا چکی



ہو۔ کیا یہ غلط ہے؟"

"نہیں۔"

"نوید کے والدین نے کس بے دردی سے تمہیں ٹھکرا دیا تھا۔ خود نوید نے کون سا تمہارے لیے جان کی بازی لگا دی تھی۔ تمہیں اور تمہارے والدین کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ کیا یہ بھول چکی ہو؟"

"نہیں۔ نہیں۔"

"پھر وہاں جانے پر کیوں بضد ہو؟ تمہاری شادی نے تمہاری اور تمہارے خاندان کی اپنوں کے ہاتھوں ہونے والی تذلیل کو دھو دیا تھا۔ تمہارے والدین کے سر اونچے ہو گئے تھے۔ تمہارے اپنوں کے چہرے پھیکے پڑ گئے تھے۔ تائی کے دانت بند ہو گئے تھے۔ وہ اور تو کچھ نہ کہہ سکی تھی۔ یہی جل کر کہا تھا، یہ لڑکیاں گھر آباد تھوڑا ہی کریں گی۔"

"ہاں مجھے یاد ہے۔"

"اس نے یہ طنز کیا تھا۔ کتنا بڑا طعنہ دیا تھا اور تم...... تم وہی کر رہی ہو جو اس نے کہا تھا۔ تم اس کی طنزیہ بات کو تمسخرانہ جملے کو حقیقت کا جامہ پہنا رہی ہو۔ سوچو بے وقوف لڑکی سوچو۔ تمہارے لیے کون سا طعنہ ہوگا جو فٹ نہیں آئے گا۔ تمہیں تو کیا، تمہارے گھر والوں کے سینے یہ لوگ چھلنی کر دیں گے۔ طعنے دے دے کر۔"

"پھر؟"

"تم بچی نہیں ہو سوچو۔ پھر کوئی قدم اٹھانا۔ تمہاری پانچ بہنیں ابھی گھر پر بیٹھی ہیں۔ تانو کے ساتھ المیہ ہو چکا ہے۔ لوگ اسے ہی قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ اب تم طلاق لے کر وہاں پہنچ جاؤ گی تو تمہاری باقی بہنوں کے ساتھ رشتے کون جوڑے گا۔ دنیا تو تم لوگوں کے نام سے ہی ڈر جائے گی۔ کوئی قدم بھی نہیں رکھے گا گھر میں۔"

"ہاں شاید یہ سچ ہے۔"

"شاید نہیں، ہے ہی سچ۔ تمہاری شادی جس دھوم دھام سے ہوئی ہے اور لوگوں نے جو کچھ دیکھا ہے، اس سے تمہارے والدین کی پوزیشن بن گئی ہے۔ یاد نہیں

تمہاری شادی کے فنکشن میں کتنی معزز اور امیر بیگمات تمہاری دونوں چھوٹی بہنوں کو کیسے دیکھ رہی تھیں۔ کتنا پیار کر رہی تھیں۔ ایک کا بیٹا انجینئر ہے، تم جانتی ہو۔ دوسری کا ڈاکٹر، تمہاری شادی نے ان لوگوں کے لیے رستہ کھول دیا ہے۔"

"ہاں۔"

"تو کیا تم اپنی چھوٹی بہنوں کے راستے میں یوں وزنی پتھر کی طرح آن گرو گی جسے ہٹانا نہ تمہارے گھر والوں کے بس میں ہوگا۔ نہ ان معزز اور امیر بیگمات کے۔ ناجیہ تم تباہی کے راستے پر چل رہی ہو۔"

"میں تباہ ہو گئی ہوں۔"

"یہ تمہاری جذباتیت ہے، تم اپنے آپ کو اتنا مظلوم نہ بناؤ۔ تم مظلوم نہیں، تم ظالم ہو۔ ظلم کرو گی اپنے آپ پر بھی اور اپنے اہل خاندان پر بھی۔ تمہیں اپنی ماں کے چہرے پر خوشیوں کی چمک یاد نہیں۔ تمہیں اپنے ابا کا خوشیوں سے چہکنا بھول گیا۔ کمبخت تم نے تو اپنی ساری عمر میں ان کے چہروں پر سوائے افسردگی، پریشانی، تفکر اور بے چینی کی دھول کے کچھ دیکھا ہی نہیں تھا۔"

"ہاں۔ ہاں...... میں تسلیم کرتی ہوں۔"

"پھر تم ان کو ملی ہوئی خوشیاں اک دھماکے سے اڑا دینا چاہتی ہو۔ دھماکہ صرف ان کی خوشیاں ہی بھک سے نہیں اڑائے گا۔ ہو سکتا ہے یہ دھماکہ ان کی ذات کو بھی اڑا دے۔"

"نہیں۔ نہیں...... ایسا نہ کہو۔"

"کہنے نہ کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ حقیقت ہے تم اس سے آنکھیں پھیر بھی لو تو تب بھی یہ اپنی جگہ قائم ہے۔ تمہارے ایسا کہنے سے اسے ٹالا نہیں جا سکے گا۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟ میں کیا کروں؟"

"عقل سے کام لو، جذبات کی رو میں بہت بہہ چکیں۔"

"عقل سے۔"

"ہاں۔"



"کیا کروں؟"

"ناجیہ تم نے جلالی کو صرف اس لیے ٹھکرا دیا ہے کہ وہ بدصورت آدمی ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا خوبصورتی ہی زندگی کی ضامن ہے۔ نوید بھی تو خوبصورت تھا۔"

"اس کا نام نہ لو۔"

"اس کے علاوہ بھی جلالی میں کوئی عیب دیکھا؟"

"ہاں۔"

"کون سا؟"

"اس نے مجھے دھوکہ دیا۔"

"کیسے؟"

"اس نے بدصورتی کو چھپانے کے لیے غلط تصویر بھیجی۔"

"تمہیں یقین ہے کہ اس نے ایسا کیا؟"

"یقین نہ کرنے والی کوئی بات تو نہیں۔"

"وہ اس بات کی صحت سے انکار کر چکے ہیں۔"

"جھوٹ بولتے ہیں۔"

"وہ جھوٹا نہیں ہے۔ مسز ہیرلڈ اس کے ساتھ برسوں سے کام کر رہی ہے۔ اس نے تمہیں کتنی بار یقین دلانے کی کوشش کی ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔"

"جلالی نے دھوکہ دیا ہوتا یا جھوٹ بولا ہوتا تو وہ اس طرح تم سے دستبردار نہ ہوتے۔ وہ تم سے اک شوہر کی حیثیت سے اپنا ہر حق منوا سکتے تھے۔ چھین سکتے تھے۔ کیا انہوں نے ایسا کیا؟"

"نہیں۔"

"تم نے سوچا نہیں کہ کیوں نہیں کیا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

''اس لیے کہ وہ انتہائی شریف انسان ہیں۔ قول کے پکے ہیں۔ جو بات وہ کہہ دیں، اس پر پوری دیانتداری سے قائم رہتے ہیں۔ کیا اتنے دنوں سے تمہیں اس بات کا تجربہ نہیں ہوا؟''

''ہوا ہے۔''

''تو ناجیہ سوچو، اک ایماندار قول کا پکا اصولوں کا سچا آدمی جھوٹ بول سکتا ہے۔''

جیہ چپ رہی۔

''بولو نا۔ جلالی جنہوں نے تمہیں فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا ہے۔ جنہوں نے بے حساب روپیہ خرچ کر کے تمہیں اور تمہارے خاندان کو اتنی عزت بخشی۔ وہ چاہتے تو تم سے بدلے میں اپنے شوہرانہ حقوق حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے ایسا کیا؟''

''نہیں۔''

''تم پھر بھی انہیں دھوکے باز اور جھوٹا کہتی ہو؟''

''میں...... میں۔''

''ناجیہ بیگم جی۔ تم ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہ رہی ہو۔''

''ہاں۔''

''اکیلی۔''

''ہاں۔''

''کیا تم اتنی ناسمجھ ہو کہ نہیں جانتیں۔ عورت اور مرد ایک جگہ ہوں تو......''

''نہیں...... نہیں۔''

''انہیں اپنے اوپر پورا قابو ہے ناجیہ بیگم ورنہ وہ بھی جوان مرد ہیں۔ ان کی جوانی کے بھی کچھ تقاضے ہیں اور ان تقاضوں کو شریفانہ انداز میں پورا کرنے ہی کے لیے انہوں نے شادی کی ہے۔''

''لیکن......؟''

''تمہاری ہر دلیل بے معنی ہے ناجیہ بیگم۔ جوان اور خوبصورت عورت تو



غیر مرد کے لیے چیلنج بن جاتی ہے۔ کیا کچھ نہیں ہو جاتا۔ اغوا اور آبروریزی کی داستانیں تو تم نے بہت سن رکھی ہیں۔ وہ تو تمہارے شوہر ہیں۔ ان کا تو قانوناً اور مذہباً حق ہے لیکن ان کی شرافت دیکھو۔ انہوں نے تمہیں چھوا تک نہیں۔ حالانکہ رات تو تم بالکل اکیلی ہوتی ہو...... وہ چاہیں...... تو......''

''ہائے۔ بس کرو۔''

''بس نہیں کروں گی۔ میں تمہیں جلالی کی شرافت اور عالی ظرفی کا قائل کر کے چھوڑوں گی۔''

''خدایا۔''

''پاگل نہیں بنو۔ ہوش سے کام لو۔''

''کیا کروں، مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا۔''

''سوچو۔ ہر بات کو ہر پہلو سے سوچو۔ پھر تمہارے لیے فیصلہ کرنا دشوار نہیں ہوگا۔ ایک شریف اور عظیم انسان کو پانا تمہاری خوش قسمتی ہی نہیں، خوش قسمتی کی معراج ہے۔ تم اسے صرف اس لیے چھوڑ رہی ہو کہ وہ ایک انتہائی بدصورت انسان ہے۔ اس میں اس کا قصور بھی کیا ہے۔ وہ جرم وار کیوں ہے؟ کیا اپنی شکل بنانے کا اسے اختیار تھا اور پھر ناجیہ سطحی باتیں مت سوچو۔ اس بدصورت انسان کے سینے میں انتہائی خوبصورت دل ہے۔ اس دل کو دیکھو۔ اس دل کی قدر کر۔ بدصورتی بذات خود حسن ہے۔ اس رخ سے سوچو۔''

''ہونہہ......''

''سوچ کے انداز بدل ڈالو ورنہ ساری عمر پچھتاوے کے سوا تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔''

''اف۔''

''ٹھنڈے دل سے سوچو۔ دماغی صلاحیتوں سے کام لے کر سوچو۔ اک پُرتعیش خوبصورت اور آسودہ زندگی تمہاری منتظر ہے۔ سوچو کہ تم کیا تھیں اور اب کیا ہو۔ تمہارا وہ گھر جس میں تم اب تک رہیں اور تمہارا یہ گھر جس میں تم ہمیشہ رہ سکتی ہو۔

ذرا موازنہ کرو۔"

"خوشیاں دولت کا نام نہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن خوشیاں اور آسودگیاں تمہیں میسر ہیں۔ ان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ تمہارے معاملے میں دولت خوشیوں کی ضامن بنی ہے۔ عزت اور افتخار کا باعث ہے۔ تم اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی۔ ظلم نہ کرو ناجیہ، اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اپنے ماں باپ بہن بھائیوں پر ظلم نہ کرو۔ تم ان سب کے لیے بہت کچھ کر سکتی ہو۔ تانو کے بے سہارا بچوں کو تمہاری ضرورت ہے کہ نہیں؟"

"ہے۔"

"تم اپنی برباد بہن کی کفالت کر سکتی ہو۔ اس کے بچوں کو کیڑوں کی طرح رینگ رینگ کر زندگی گزارنے سے بچا سکتی ہو۔"

"ہاں۔"

"تو پگلی، پھر یہ سب کچھ کیوں کر رہی ہو؟ ایک شریف انسان کا محبت بھرا دل تم نے چور چور کر ڈالا ہے۔ دل توڑنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اسے تو شاید خدا بھی معاف نہ کرے گا۔"

"اف اللہ۔"

"جلالی انسان ہیں، حیوان نہیں۔ آخر وہ اس دنیا میں لوگوں کے درمیان ہی رہ رہے ہیں نا۔ مسز ہیرلڈ کتنے برسوں سے ان کی خدمت کر رہی ہے۔ ان کے دفتر میں لوگ کام کرتے ہیں۔ ان سے مل جل کر رہتے ہیں۔ کاروباری لوگ ان سے رابطہ رکھتے ہیں۔ وہ بھی تو لوگ ہی ہیں اور پھر ان کے سارے دوست پاکستانی، ہندوستانی اور امریکی بھی تو ہیں۔ وہ بھی تو ان کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔ انہیں تو ان سے خوف محسوس نہیں ہوتا۔ وہ تو جلالی کو اس حد تک جان گئے ہیں کہ ان کی اندرونی خوبصورتی ان کی ظاہری بدصورتی کو فنا کر چکی ہے۔"

"اچھا؟"

"بالکل۔ تمہیں فوزیہ کے خیالات سے تو آگاہی ہے ہی۔"



"ہاں۔"

"جس دن تم یہاں آئی تھیں۔"

"ہاں۔"

"اس دن بھی تو ان کے تقریباً سارے دوست جمع تھے۔"

"ہوں۔"

"وہ کس انداز میں جلالی کی باتیں کر رہے تھے؟"

"جیسے۔ جیسے وہ ان کے بے حد عزیز دوست ہوں۔"

"مانتی ہو؟"

"ہوں۔"

"پھر وہ تمہیں عزیز کیوں نہیں ہو سکتے۔ تم ان سے پیار کیوں نہیں کر سکتیں؟"

"میں۔ میں!"

"ہاں ہاں۔ ناجیہ بھول جانا بڑی آسان چیز ہے لیکن پچھتاوا، شاید اس دنیا کی بدترین شے ہے۔"

"مجھے...... پتہ ہے۔"

"پھر۔"

"پھر؟"

"یہ جذباتی باتیں چھوڑ دو۔ جلالی کے قریب آؤ، انہیں سمجھو۔ انہیں اپناؤ۔ انہیں اتنا پیار دو، اتنا پیار دو کہ وہ ساری دنیا کے لگائے ہوئے چرکوں کے دکھ بھول جائیں۔ ناجیہ وہ بہت دکھی ہیں۔ بہت کم لوگ انہیں اندر سے جانتے ہیں۔ ان کے دکھ بانٹ لو۔ ان دکھوں کو سکھوں میں بدل دو۔ ان کا کمپلیکس مٹا دو۔ انہیں ان کے اندر کی برتری جتاؤ۔ تم نے تو ان کے دکھوں میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ حیرانی ہوتی ہے۔ وہ جی کیسے رہے ہیں۔"

"اف...... خدایا...... میں کیا کروں۔"

میں کیا کروں۔

redroses@pakistanipoint.com

میں کیا کروں۔
میں...... کیا...... کروں......
میں
کیا
کروں

جیہ نے تکیے پر سر پٹختے ہوئے بے اختیار ہو ہو کر کہا۔

وہ جب سے بیڈ پر لیٹی تھی۔ اپنے آپ سے لڑ رہی تھی لیکن اس کے اندر کی عورت بیدار ہو گئی تھی۔ وہ اس کو زیر کر رہی تھی۔ سمجھا رہی تھی...... حقیقت کا احساس دلا رہی تھی۔

انسان کے اندر کتنا حقیقت پسند انسان چھپا ہوتا ہے۔ باہر کے انسان نے اسے اخلاق، معاشرتی حد بندیوں اور اسلام کی زنجیروں سے جکڑ رکھا ہوتا ہے۔ اس کے منہ میں بناوٹی اصولوں اور وضع داری کا کپڑا ٹھونس رکھا ہوتا ہے۔

لیکن

یہ بھی بڑا وحشی، غیر مہذب، تہذیب نا آشنا ہے۔ قدرت کی تراشی ہوئی اصلی صورت، جس پر ماحول، معاشرے، اخلاق و کردار کی حد بندیوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، یہ کبھی کبھی اپنا آپ دکھا ہی دیتا ہے۔ ہر قید کو توڑ ڈالتا ہے۔ ہر رسم کو روند ڈالتا ہے۔

وہی کہتا ہے۔
جو کہنا چاہیے۔
وہی کرتا ہے۔
جو کرنا چاہیے۔

وہ باہر کے انسان کو مروڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اس کی صورت مسخ کر دیتا ہے۔ اسے توڑ پھوڑ ڈالتا ہے۔ پھر اسے اپنے انداز سے جوڑتا ہے۔
اپنے طریق سے سنوارتا ہے۔
اپنے ذہن کے مطابق اس کی تخلیق کرتا ہے۔



جیہ کے اندر کا انسان بھی بے قابو ہو گیا تھا۔

اندر کا انسان سچائی کا پیغامبر، حقیقت کا تراشہ بے لاگ بے روک۔ برملا کہنے والا۔ احساس کمتری اور برتری سے بے پروا۔ جس کے اپنے ہی اصول تھے۔ اپنے ضابطے اور اپنی ہی قدریں تھیں۔

اندر کا یہ انسان کبھی بے قابو نہ ہو جائے تو دنیا میں تصنع، بناوٹ اور ظاہر داری کا ہی دور دورہ ہو جائے۔

جیہ کی ظاہری شکل، اس کی سوچ، اس کا ذہن، اس اندر کے انسان نے وحشیانہ انداز سے توڑ پھوڑ ڈالا۔

اور پھر
اس کی تخلیق اپنے انداز سے کی...... اس کو اپنے طریق سے سنوارا۔

بعض اوقات ہم کسی نقطے کو کسی نظریئے کو کسی خیال کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس میں ہفتے، مہینے، برس اور کئی دفعہ صدیاں لگ جاتی ہیں۔

لیکن بعض اوقات۔

ہفتوں، مہینوں، برسوں اور صدیوں کا سفر لمحوں میں طے ہو جاتا ہے۔ یہ بھی انسانی ذہن کا کرشمہ ہی ہے۔

جیہ اپنے اندر ہی اندر محو سفر تھی۔ گردش کر رہی تھی۔ گھوم رہی تھی لیکن فیصلے کے اک تابناک لمحے نے اسے اک نقطے پر روک لیا کہ وہ سر تا پا بدل گئی۔

اس کی سوچ
اس کی فکر
اس کا ذہن
اس کا انداز خیال
سب کچھ بدل گیا تھا

-------O-------

"یہ ہیں سارے کاغذات۔" جلالی نے کاغذات میز پر جیہ کے سامنے پھینک دیئے۔ "اور یہ ہے طلاق نامہ۔اس پر آپ کو بھی دستخط کرنا ہیں۔ میں نے لال نشان لگا دیئے ہیں،وہاں دستخط کر دیں۔ شام تک آپ کو واپس لادوں گا۔ ساری کارروائیاں مکمل ہو چکی ہیں۔"

جیہ کی آنکھیں پھٹ جانے کی حد تک کھل گئی تھیں۔ طلاق! طلاق کا شور سا ذہن میں مچا تھا۔

"اور یہ ہے آپ کا ٹکٹ۔ سیٹ کنفرم ہو چکی ہے، آپ پرسوں شام کی فلائیٹ سے وطن واپس چلی جائیں گی۔"

جیہ کے ہونٹ سپید پڑ گئے۔ سارے وجود میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ "یہ گاڑی کے کاغذات ہیں۔ میں نے آپ کے لیے خریدی تھی۔ آپ کے لیے میں نے گاڑی بھی بک کروادی ہے۔"

جیہ متوحش سی جلالی کو تکنے لگی۔

"اور یہ کچھ ہزار ڈالر ہیں۔ یہ آپ کے کام آئیں گے۔ چاہیں تو بہن بھائیوں کے لیے کچھ شاپنگ کرلیں۔"

جیہ ایک ٹک نئے نئے نوٹوں کی گڈیوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

"مسز ہیرلڈ کو میں نے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ آپ کو پلین پر وہی سوار کروانے جائیں گی۔ میرا آپ کا بندھن ٹوٹ چکا، آپ آزاد ہو گئیں، مبارک ہو۔"

جلالی کے الفاظ جیہ کا کلیجہ چیر گئے لیکن وہ بالکل سنجیدہ تھے۔ کچھ غصہ بھی تھا۔ بالکل ہی بے تعلقی تھی۔ جیسے جان پہچان ہی نہ ہو۔



جیہ کی زبان گنگ تھی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ وہ تو جذبات کا اظہار آنسوؤں سے بھی نہ کر سکی۔ جانے یہ سوتے کیوں خشک ہو گئے تھے۔ خوشی اور غم دونوں موقعوں پر یہ آنسو کتنی صداقت سے اظہار کر دیتے ہیں۔

جیہ بت بنی بیٹھی اپنے سامنے پھیلے کاغذوں، طلاق نامے اور نوٹوں کو تک رہی تھی۔

"خدا حافظ۔" جلالی نے کہا اور کمرے سے نکل گئے۔

ان کے جاتے ہی مسز ہیرلڈ اندر آ گئی۔ سارے انتظامات اس نے مکمل کر لیے تھے۔

"آپ شاپنگ کے لیے جانا پسند کریں گی؟" مسز ہیرلڈ نے اس سے پوچھا۔ "آپ کو ضرور جانا چاہیے۔ یہاں سے کوئی نہ کوئی چیز اپنے بہن بھائیوں ماں باپ کے لیے ضرور لے جائیں۔"

جیہ کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔

مسز ہیرلڈ اسے زبردستی ڈاؤن ٹاؤن ہال لے گئی۔ جلالی کے دیئے ہوئے پیسے کچھ تو اس نے جیہ کے بیگ میں ڈالے۔ کچھ اندر اٹیچی کیس میں رکھ آئی۔

مسز ہیرلڈ نے ہی شاپنگ کی۔ تانو باجی کے بچوں کے لیے اس نے ڈھیر سارے فراک، ڈریس بش شرٹس، نیکریں، سویٹرز، جرابیں، بوٹ جانے کیا کچھ خریدا۔ جیہ کے ابو کے لیے گھڑی خریدی جو بیش قیمت تھی۔ اس کی امی کے لیے ڈائمنڈ کی رنگ لی۔ اسی طرح سب بہن بھائیوں کے لیے قیمتی تحفے خریدے۔

تیسرے دن شام کی فلائیٹ سے جیہ واپس جا رہی تھی۔ ایئرپورٹ پر صرف مسز ہیرلڈ اسے چھوڑنے آئی تھی۔ جلالی نہیں آئے تھے۔ جلالی تو گھر پر بھی نہیں ملے تھے۔ اسی دن سے جانے کہاں چلے گئے تھے۔ جیہ مسز ہیرلڈ کے گلے مل کر رو دی۔ اتنا روئی کہ مسز ہیرلڈ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

چوبیس گھنٹے کی مسلسل پرواز کے بعد جب وہ لاہور ایئرپورٹ پر اتری تو اسے لینے کے لیے کوئی نہیں آیا تھا۔ آتا بھی کون، اس نے کون سا کسی کو اطلاع دی تھی۔

اطلاع دینے کی سوچ اسے آئی تو تھی لیکن ضرورت نہ سمجھی تھی۔

وہ ہوائی اڈے سے باہر آئی۔ دو تین فلائیٹس پہلے بھی دوبئی اور کراچی سے آئی ہوئی تھیں۔ اس لیے اڈے پر کافی رش تھا۔

لیکن جیہ ہجوم میں بھی اکیلی تھی۔ اس نے اپنا وزنی بیگ اور اٹیچی کیس اٹھا رکھا تھا۔

باہر آکر اس نے ٹیکسی لی۔

اور

گھر آگئی۔

صحن میں اس کی چھوٹی بہنیں اور امی تھیں۔ امی تخت پر بیٹھی تھیں۔ ثانو اور مانو اب خوبصورت لباسوں میں ملبوس تھیں۔ اماں نے بھی آف وائٹ ریشمی جوڑا پہن رکھا تھا۔ گھر کا حلیہ بھی خاصا بدلا ہوا تھا۔ نئے پلستر تھے۔ سفیدی بھی کی گئی تھی۔ تخت پر قالین پڑا تھا جس پر ریشمی گاؤ تکیے تھے۔ صحن میں کھلنے والے کمروں کے دروازے پر بھی ریشمی پردے لہرا رہے تھے۔ گھر بالکل بدلا بدلا لگ رہا تھا۔

وہ دبے دبے قدم اٹھاتی صحن میں آگئی۔

"کون؟" مانو چیخی۔

"جیہ باجی۔" ثانو کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

"پاگل ہوگئی ہو لڑکیو!" اماں نے تخت پر بیٹھے بیٹھے کہا۔ "خواب تو نہیں دیکھ رہی ہو۔ جیہ تو خیر سے امریکہ میں ہے......اور......"

لیکن امی کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"جیہ......" وہ اسے پہچان کر سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے گھبرا کر تخت سے اتریں۔

"تم......تم......جیہ تم......اکیلی ہو......یا جلالی۔" اماں نے لٹی پٹی جیہ کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر پاگلوں کی طرح پوچھا۔

جیہ ماں کے سینے سے لگ کر چیخیں مار مار کر رونے لگی۔



"کیا ہوا......کیا ہوا" سامنے والے کمرے سے ابا سفید کرتے پاجامے میں ملبوس باہر نکل آئے۔

"کون ہے امی؟" ثانو چھری اور آلو وہیں پھینک کر لپکی۔ "تم کیسے آگئیں جیہ۔ یہ حلیہ کیا بنا رکھا ہے۔ کچھ تو کہو۔"

تھوڑی ہی دیر میں اس کے سارے گھر والے اس کے گرد جمع تھے اور وہ رو رو کر بتا رہی تھی کہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے۔

اماں زمین پر ہی بیٹھ گئی تھیں۔ سارا جسم کانپ رہا تھا۔ ابا کے منہ سے بھی بات نہ نکل رہی تھی۔ تھر تھر کانپے جا رہے تھے۔

جیہ ماں کے گھٹنے سے لگ کر روتے ہوئے بولی۔ "وہ بے حد بدصورت آدمی ہے امی۔"

"یہ بات تو فوزیہ نے ہمیں بتائی تھی۔" ثانو بولی۔

"لیکن تصویر کا دھوکہ کیوں دیا؟" ناجیہ نے کہا۔

"تصویر کا دھوکہ؟" امی بولیں۔

"ہاں۔"

"تصویر کا دھوکہ نہیں دیا تھا۔ فوزیہ نے اک تصویر دکھا کر کہا تھا کہ کچھ اسی سے ملتے جلتے ہیں جلالی۔" ثانو نے بتایا۔

جیہ حیرانگی سے اس کا منہ تکنے لگی۔

"جلالی سے فون پر تو میری بات بھی ہوئی تھی۔" ثانو نے کہا۔ "انہوں نے اپنی بدصورتی کا اقرار کیا تھا۔"

"آپ لوگوں نے پھر بھی میری شادی کر دی۔" جیہ چیخ کر بولی۔

"تو کیا صرف شکل وصورت کے لیے اتنا اچھا رشتہ چھوڑ دیتے؟" ثانو نے غصے سے کہا۔ "صرف شکل ہی اچھی نہیں تھی نا اس کی۔ اور بھی تو خوبیاں ہوتی ہیں۔ میرا خاوند خوش شکل ہی تھا نا، کیا سکھ پایا تھا میں نے۔"

"میں نے۔ میں نے طلاق لے لی۔" جیہ نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"طلاق...... طلاق......" ابا دھڑام سے گرے۔

"طلاق۔" امی نے سر پیٹ لیا۔

"طلاق۔" تانو نے ماتھا پیٹا۔

"طلاق۔" بھائی چیخے۔

"طلاق۔" چھوٹی بہنیں سہم گئیں۔

شور اس قدر مچا کہ گلی محلے کے لوگ آ گئے۔ عورتیں مرد اور بچے ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے اندر آ گئے۔ صحن بھر گیا۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

"کیا ہوا؟"

"جیہ کیسے آ گئی؟"

"کچھ تو بتاؤ۔"

"ہائے ہائے بچی کے ساتھ کیا ہوا؟"

لوگ تجسس سے پوچھ رہے تھے۔ جیہ مجمعے میں گھری ہوئی تھی۔ کسی کو کسی کی بات کے جواب دینے کا ہوش نہیں تھا۔ امی نے سینہ پیٹ پیٹ کر اپنے آپ کو بے حال کر لیا تھا۔ ابا بھی سر پر ہاتھ رکھ کر رو رہے تھے۔

"تو نے اتنی سی بات پر طلاق لے لی۔" تانو نے جیہ کے پہلو میں زور سے چٹکی بھری۔ جیہ تڑپ گئی۔

"اپنے حالات کا علم نہیں تھا تجھے۔ کون سے شہزادے تیری راہ دیکھ رہے تھے۔ حسین گلفام شہزادے تیرے لیے کمربستہ تھے نا۔ بدنصیب بدبخت تو نے یہ کیا کیا؟" تانو نے روتے ہوئے کہا۔

"وہی کیا جو تو نے کیا تھا۔" طنز سے کلیجہ چیرتی تائی کی آواز آئی۔ "میں نہ کہتی تھی جیسی ایک ہے ویسی دوسری ہو گی۔ یہ لڑکیاں کسی کا گھر آباد نہیں، برباد کرنے والی ہیں۔ دیکھ لیا نا۔ اسی لیے تو ہم نے نوید کا رشتہ نہیں کیا تھا۔ ہمیں تو خدا نے بچا لیا، توبہ ہے توبہ۔ جیسی بڑی تھی ویسی چھوٹی۔"

اور نوید کی بڑی بہن نے جگر خراش لہجے میں کہا۔ "بڑی تو خیر ویسے ہی



سسرال اور شوہر کو چھوڑ کر آئی تھی۔ چھوٹی اس سے بھی تیز نکلی...... طلاق ہی لے آئی۔ بیچارے جلالی نے ناحق روپیہ پانی کی طرح بہایا۔"

"یہ سارا فراڈ ہی تھا بیٹی۔" تائی بولی۔ "خوب مال مار کے لائی ہو گی۔ یہاں تھوڑا بے دریغ خرچ کروایا تھا اس کا پیسہ۔"

"ہونہہ۔ جیہ کی شادی وہاں کیا ہو گی تھی، سارے گھر والوں کے دماغ ہی پھر گئے تھے۔ کسی کو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے۔ باقی بہنوں کے دماغ تو عرش پر پہنچ گئے تھے۔ سنا ہے بیگم جعفر کے بیٹے پر ڈورے ڈال رہی تھیں۔ دو دفعہ وہ ان کے گھر بھی آئیں۔"

ماں کی بات پر بیٹی نے زہریلی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "اب تو ضرور ہی نیا رشتہ ہو گا۔ بیگم جعفر تو جانے کیسے ان لوگوں کے دام میں آ گئی تھی۔ جب سنیں گی کہ اک بہن گھر بیٹھی ہے۔ دوسری طلاق لے کر آ گئی ہے تو ضرور ہی کریں گی رشتہ۔ ہونہہ۔"

تائی اور ان کی بیٹی زہر بھرے نشتر چبھو رہی تھیں۔ جیہ کے کلیجے کے آر پار یہ سب باتیں ہو رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد جب لوگ جیہ کے متعلق پوری معلومات حاصل کر کے لوٹے تو سب قصوروار جیہ کو ہی ٹھہرا رہے تھے۔

"شریف بھی تھا۔ دولت مند بھی۔ پھر کیا صرف شکل ہی کی خاطر طلاق لے لی۔"

"نہیں بھئی یہ بھی کوئی ماننے والی بات ہے۔"

"لوگ تو اندھوں سے نباہ کر لیتے ہیں۔ وحیدہ کو کون نہیں جانتا۔ اندھے خاوند کی لاٹھی بنی ہوئی ہے۔"

"اور کیا۔ وہ فاطمہ نہیں۔ بھئی جس کے شوہر کی ٹانگیں حادثے میں کٹ گئیں، کس طرح گزارہ کر رہی ہے۔ دنیا جانتی ہے۔"

"اس میں لڑکی ہی کا قصور ہے۔ اگر لڑکا بدصورت تھا تو کون سی بڑی بات تھی۔ لنگڑا لولا تو نہیں تھا۔ کانا بھینگا بھی نہ تھا۔ بس شکل اچھی نہ تھی۔"

"دولت کا تو کہتے ہیں شمار نہیں۔ کروڑوں کا مالک تھا۔"

"کوئی اور ہی بات ہوگی۔ یہاں کسی سے آنکھ مٹکا ہوگا جو الٹے پاؤں بھاگ آئی۔"

"بات یہ ہوگی ورنہ صرف بدصورتی کے لیے بھی کوئی اتنا بڑا قدم اٹھاتا ہے۔"

گلی محلے میں بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ نمک مرچ لگا کر باتیں بنانے لگے۔

جیہ کی حالت دگرگوں تھی۔ سب لوگوں کے جانے کے بعد امی نے اس کو پرے دھکیلتے ہوئے کہا۔ "بدبخت ہمارے مسائل پہلے ہی کیا کم تھے جو تو نئے اٹھا لائی۔ تیری شادی سے تو پھر خاندان کی قسمت بدل گئی۔ تانو اور چھوٹی کے رشتے آرہے تھے۔ اتنے بڑے گھرانوں میں بات ہو رہی تھی۔ تیرے بھائیوں کے مقدر روشن ہو رہے تھے۔ جلالی نے انہیں اپنی لندن والی فیکٹری کے لیے بلانے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ تو پاسپورٹ اور ویزوں کے چکر میں تھے۔ تو نے آکر لٹیا ہی ڈبو دی۔"

"میں لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گا۔" ابا کراہتے ہوئے بولے۔ "طعنے سننے کی تو اب مجھ میں ہمت نہیں۔ ابھی تو پانچ بیٹیاں باقی ہیں۔ کیسے بار اتریں گے ان کے۔"

"طلاق تو ہمارے خاندان میں سے کسی کو نہیں ہوئی تھی۔ تانو کے حالات اتنے خراب ہوگئے تھے، پھر بھی طلاق نہ لی۔" ماں نے چھم چھم آنسو بہاتے ہوئے بین کیا۔

"اب باقی بیٹیوں کے گلے گھونٹ دو ماں۔" بڑا بھائی غصے سے چلایا۔ اس کی آواز حلق میں گھٹ گئی اور وہ منہ چھپا کر رونے لگا۔ "ہم باہر کس منہ سے لوگوں کا سامنا کریں گے۔ لوگ تو تانو باجی کی وجہ سے جینے نہ دیتے تھے۔ یہ تو طلاق لے کر آگئی۔"

"طلاق سے بڑی گالی عورت کے لیے کوئی نہیں ہوتی۔" تانو نے غصے سے جیہ کو دیکھا۔ پھر بولی۔ "طلاق لینے سے تو بہتر تھا، کہیں چلو بھر پانی میں ڈوب مرتیں۔"

طلاق!

طلاق!

طلاق!

اک شور مچ گیا۔ جیہ سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ آنکھیں بند کر کے کانوں میں انگلیاں ٹھونستے ہوئے زور زور سے چیخی۔



"ناجیہ۔ ناجیہ۔" کسی نے اس کو کاندھے سے پکڑ کر ہلاتے ہوئے پکارا۔

جیہ نے آنکھیں کھول دیں۔

مسز ہیرلڈ اس پر جھکی ہوئی تھی۔ وہ ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔

"تم بے حد پریشان ہو ناجیہ۔" مسز ہیرلڈ نے صوفے میں اسے سیدھا کر کے بٹھاتے ہوئے کہا۔

جیہ ابھی تک حواس باختہ تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ مسز ہیرلڈ نیلی اسکرٹ اور آف وائٹ سویٹر پہنے ہوئے تھی۔ وہی صبح والے کپڑے جیہ نے اسے دیکھا اور پھر ڈرتے ڈرتے چھوا۔

پھر اس نے گردوپیش پر نگاہ ڈالی۔ وہ ریوالونگ روم میں تھی۔ کمرہ آہستہ آہستہ گھوم رہا تھا۔ کلاک کا ہلکا ہلکا میوزک بج رہا تھا۔ بیرونی مناظر دھیرے دھیرے بدلتے جا رہے تھے۔

جیہ کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ رنگ ہلدی کی طرح زرد تھا۔ ہونٹ کانپ رہے تھے۔ وہ پریشان تھی۔ بہت پریشان۔ بہت ہی پریشان۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور بے یقینی کے عالم میں بولی۔ "میں کہاں ہوں۔"

"آپ ریوالونگ روم میں ہیں ناجیہ۔" مسز ہیرلڈ اس کی اندرونی اذیت دہ کیفیت سے بے خبر تھی۔ "شاید آپ سو گئی تھیں اور کسی بھیانک خواب نے آپ کو ڈرا دیا۔ اٹھیے، میں آپ کو باہر لے جانے کے لیے آئی ہوں۔ آج میں آپ کو اپنی ان ہمسایوں سے ملاؤں گی۔" مسز ہیرلڈ دور ایک ڈھلانی ریڈ چھتوں اور درختوں کی چھال جیسی دیواروں والے گھر کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

جیہ نے اٹھنا چاہا لیکن لہرا گئی۔

"اوہ ناجیہ۔ آپ کو کمزور نہیں ہونا چاہیے۔" اس نے جیہ کا ہاتھ پکڑا اور پھر گھبرا کر اس کا ہاتھ چھوتے ہوئے بولی۔ "آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ چلیے، بیڈروم میں چل کر کچھ دیر آرام کریں۔"

وہ اسے سہارا دے کر بیڈ روم میں لے آئی۔

"آپ لیٹ جائیں۔ میں آپ کے لیے کافی لاتی ہوں۔ کافی یا چائے کیا پسند کریں گی؟"

جیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ تکیے میں منہ چھپالیا۔

اور

پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس کی حالت اس پرندے کی سی تھی جو پنجرے میں بند تھا لیکن جسے رہائی بھی مل جائے تو آزاد نہیں ہوتا۔ قید ہی قید اس کا مقدر ہوتی ہے کیونکہ وہ دراصل پنجرے کا قیدی نہیں ہوتا، ذات کا قیدی ہوتا ہے۔

اور

ذات کے قیدی کو

چاہے آزاد فضاؤں میں چھوڑ دیا جائے۔

قید کے سلسلے نہیں ٹوٹتے۔

کبھی نہیں ٹوٹتے۔

-------O-------



مسز ہیرلڈ نے ڈاک دیکھی۔ مسٹر جلالی کے نام دو خط تھے۔ ایک خط ناجیہ کے نام تھا۔ جلالی کے خط اور ناجیہ کے خط پر تقریباً ایک ہی طرح سے پتہ لکھا تھا۔ جلالی کا دوسرا خط کسی سٹیٹ سے آیا تھا۔

جلالی اور ناجیہ کے خطوں سے مسز ہیرلڈ کو اندازہ کرنا مشکل نہ رہا کہ یہ دونوں خط ناجیہ کے والدین کے ہیں۔ انہوں نے جلالی اور جیہ کو الگ الگ خط لکھے ہیں۔

جلالی کے دونوں خط وہ ان کی آفس کی ٹیبل پر رکھ آئی۔ دائیں ہاتھ ان کا چھوٹا سا آفس نما کمرہ تھا۔

ناجیہ کا خط ہاتھ میں لیے وہ اندر چلی آئی۔ اس کا خیال تھا کہ جیہ اپنے کمرے ہی میں ہو گی۔

"ناجیہ۔" مسز ہیرلڈ نے نیلا لفافہ لہراتے ہوئے دروازے میں داخل ہوتے ہی اسے پکارا۔ یقیناً وہ پاکستان سے آئے ہوئے خط کو پانے کے لیے بے تاب ہو گی۔ مسز ہیرلڈ اسے ذرا ستا کر اس کا شوق و صبر آزمانے کے موڈ میں تھی۔

جیہ بیڈ روم میں نہ تھی۔

مسز ہیرلڈ لیونگ روم میں آئی۔ پھر ڈرائینگ روم دیکھا۔

جیہ وہاں بھی نہیں تھی۔

"ناجیہ۔" مسز ہیرلڈ نے ہال میں کھڑے ہو کر آواز دی۔

"کیوں مسز ہیرلڈ؟" جیہ کی آواز عقبی کمرے سے آئی۔

"آپ کے لیے کچھ لائی ہوں۔"

"کیا؟"

"یہ دیکھیں۔"

مسز ہیرلڈ نے دروازے میں کھڑے ہو کر شوخی سے مسکراتے ہوئے ہاتھ اونچا کر کے نیلا لفافہ لہرایا۔

"خط؟"

"ہاں۔"

"کہاں سے آیا؟"

"میرا خیال ہے پاکستان سے۔"

"پاکستان سے۔"

"ہاں۔"

جیہ بے تابی سے اٹھی اور لپک کر مسز ہیرلڈ کی طرف آئی۔ "لائیں۔"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"پہلے مسکراؤ۔ پھر دوں گی۔"

"مسز ہیرلڈ پلیز۔ مجھے خط دے دیں۔"

"اوں ہوں، پہلے مسکرائیں۔"

"کیسے مسکراؤں؟"

"ایسے۔" مسز ہیرلڈ نے مسکرا کر دکھایا تو جیہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں بالکل ایسے۔ اپنے اوپر ہر وقت ڈپریشن طاری نہ کیا کریں۔ اچھی لڑکی زندگی کو جس رنگ سے دیکھوگی، ویسی ہی نظر آئے گی۔"

"مجھے نصیحتوں سے زیادہ اس خط کی ضرورت ہے مسز ہیرلڈ، پلیز۔"

"یہ لیجیے۔"

اس نے جیہ کو لفافہ پکڑا دیا۔ "یقیناً آپ کے والدین کا خط ہے۔"

جیہ نے لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پتہ اس کے ابو کے ہاتھ کا لکھا تھا۔ ابو کی تحریر دیکھ کر جانے کیوں دل بھر آیا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے گیلے ہوگئے۔ دوپٹے کی



کنی سے آنکھیں پونچھتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ایسا ہی خط مسٹر جلالی کے نام بھی آیا ہے۔" مسز ہیرلڈ نے کہا۔

"کیا۔" جیہ کے ہاتھ لفافہ چاک کرتے ہوئے رک گئے۔

"آپ کے والدین تو اس ٹریجڈی سے آگاہ نہیں جو یہاں ہو چکی ہے۔ انہوں نے اپنے پیار اور نیک خواہشات کا اظہار جلالی کے لیے کیا ہوگا۔"

"کہاں ہے وہ خط؟"

"میں مسٹر جلالی کی آفس ٹیبل پر رکھ آئی ہوں۔"

جیہ چند لمحے تذبذب میں رہی۔ پھر جلدی سے بولی۔ "گھر میں بھی ان کا آفس ہے۔"

"ہاں کچھ کام انہیں رات کو بھی کرنا ہوتا ہے۔ لندن والے کاروبار کی فائلیں وہ اکثر گھر کے آفس میں ہی رکھتے ہیں۔"

"لندن میں بھی ان کا کاروبار ہے؟"

"ہاں بہت وسیع کاروبار ہے اور مسٹر جلالی اس کام کے لیے آپ کے دو بڑے بھائیوں کو بلانے والے تھے۔ مسز فوزیہ رفیق سے فون پر کافی باتیں طے ہو گئی تھیں۔ اب صورتحال تو یقیناً مختلف ہو گی۔"

جیہ نے سر جھکا لیا۔ لفافہ کھولتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"آپ مسٹر جلالی والا خط مجھے دکھا سکتی ہیں؟" جیہ نے پوچھا۔

"وہ ان کا ہے اور ان کی ٹیبل پر رکھا ہے۔"

"یہ آفس کس طرف ہے؟"

"ان کے بیڈروم کے ساتھ باہر کی طرف والا چھوٹا کمرہ۔ جب میں نے آپ کو گھر دکھایا تھا، وہ کمرہ بند تھا۔"

"ذرا خط لائیں۔"

مسز ہیرلڈ نے پس و پیش کی۔ "کیا کریں گی۔ خط ان کے نام ہے۔"

"کھا جاؤں گی۔" جیہ غصہ سے بولی۔ "میں صرف لکھائی دیکھنا چاہتی ہوں کہ

ابو ہی کی ہے۔ خیر میں خود دیکھ لوں گی۔ آپ جائیں۔"

مسز ہیرلڈ کمرے سے نکل گئی۔ جیہ نے لفافہ کھولا لیکن الجھن اس خط کی ہو رہی تھی جو جلالی کے نام آیا تھا۔

وہ لفافہ میز پر رکھ کر تہہ شدہ خط ہاتھ میں لیے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ کوریڈور سے ہوتی ہوئی وہ جلالی کی خوابگاہ تک گئی۔

خواب گاہ کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے کپکپی محسوس ہوئی، وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ ساتھ ہی آفس تھا۔

اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

"اوہ۔" اس کے لبوں سے نکلا۔

جلالی ٹیبل پر پڑے دونوں خط اٹھا کر دیکھ رہے تھے، وہ شاید ابھی ابھی آئے تھے۔ ان کا بریف کیس کرسی پر رکھا تھا اور وہ ٹیبل کے سامنے کھڑے تھے۔

جیہ کو اندر آتے دیکھ کر ان کی حیرانگی کی حد نہ رہی لیکن کل کی تلخ کلامی کا اثر ابھی تک باقی تھا۔ وہ خوش نہ ہوئے۔

"فرمایئے۔" انہوں نے انتہائی تلخ لہجہ میں پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" جیہ لہجے کی کاٹ محسوس کرتے ہوئے بولی۔

"پھر یہاں کیوں آئی ہیں؟" وہ اسی لہجے میں گویا تھے۔

"یہ خط۔" اس نے بے اختیاری سے جلالی کے ہاتھ میں پکڑے خط کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ خط میرے نام ہے، آپ کے نہیں۔"

"کس کا ہے؟"

"میں نے ابھی کھولا نہیں۔ ویسے......" جلالی بڑے روکھے اور دل جلا دینے والے لہجے میں بولے۔ "آپ کو بتانے کی ضرورت بھی نہیں۔"

"خط......شاید...... میرے ابو کا ہے۔" جیہ نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔



"ہوگا۔" وہ لاپروائی سے خط میز پر رکھتے ہوئے بولے۔ "خط میرے نام ہے محترمہ۔"

"ہاں......ہاں۔"

"آپ کے نام کوئی پیغام ہوا تو بتا دوں گا۔"

جلالی نے کوٹ اتار کر کرسی کی پشت پر ڈالا اور ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئے۔

جیہ چند لمحے تذبذب اور بے بسی کے عالم میں کھڑی رہی۔ وہ ان کی پشت پر نظریں جمائے تھی۔

"آپ جا سکتی ہیں۔" وہ لفافہ چاک کرتے ہوئے بولے۔

جیہ کو یوں لگا جیسے جلالی اسے دھکے دے کر کمرے سے نکال رہے ہیں۔ وہ مڑی، جلالی اس کا عکس سامنے والی دیوار میں دیکھ رہے تھے۔ اس کے کمرے سے نکل جانے سے پہلے بولے۔ "میں اپنے آفس میں کسی کا یوں بلا اطلاع چلے آنا پسند نہیں کرتا، آئندہ خیال رہے۔"

جیہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس کے ذہن میں ہلچل مچی تھی۔ وہ کئی لمحے کرسی میں پڑی رہی۔ پھر اپنے آپ کو سنبھالا اور ہاتھ میں پکڑا خط پڑھنے لگی۔

خط اس کے ابو، امی اور تانو کی طرف سے مشترکہ طور پر لکھا ہوا تھا۔ کتنی نیک تمناؤں کا اظہار تھا۔ کیسی خوشیوں کا اظہار تھا۔ کتنے جذبوں کی ترجمانی تھی۔ ایک ایک لفظ خوشی سے محو رقص تھا۔ گھنگھروؤں کی چھن چھن ہر جملے میں محسوس ہوتی تھی۔ خط کیا تھا، طربیہ موسیقی تھی۔

یہ خط وہ جلالی کے آفس میں جانے سے پہلے پڑھتی تو شاید اثر اور ہوتا لیکن جو واقعہ رونما ہوا تھا، اس نے جیہ کو مضطرب و بے چین کر دیا تھا۔ اس کا دھیان خط سے بار بار ہٹ کر جلالی کی طرف جا رہا تھا۔

جلالی

جو اتنے دنوں سے مہر و محبت، عاجزی و انکساری کا پتلا نظر آ رہے تھے۔ ایکا ایکی اتنے بیزار، ایسے سخت مزاج اور اتنے بے تعلق ہو گئے تھے۔ وہ کوشش کے باوجود سنبھل نہ پا رہی تھی۔

دھیان بٹانے کو اس نے پھر خط پڑھنا شروع کر دیا۔ تمام تر توجہ اس کی طرف بٹانے کی کوشش کی۔ ابو نے نصیحتیں ہی نصیحتیں کی تھیں۔

"تم بہت خوش نصیب ہو بیٹی۔ تمہاری اس شادی سے تمہارے خاندان کا نصیب ہی بدل گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں خوشیاں مبارک کرے۔ تم خوش رہو۔ ہماری خوشی اسی میں ہے۔ تم وہاں شاید اداس ہو جایا کرو گی لیکن بیٹی وہی اب تمہارا گھر ہے۔ اپنا دل وہیں لگانا۔ اپنے شوہر کی خوشنودی حاصل کرنا۔ اس کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کرنا کہ اب وہ تمہارا خدائے مجازی ہے۔"

جیہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

امی کا خط بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ انداز ذرا جذباتی تھا۔ پیار و دعا کے بعد لکھا تھا۔

"جب سے تم گئی ہو، گھر سونا سونا لگتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ابھی کمرے سے نکل آؤ گی۔ ابھی ڈیوڑھی سے اندر آ جاؤ گی۔ تمہاری آواز تو جانے کہاں سے کانوں میں اتر آتی ہے۔ جدائی کی اس تکلیف کے باوجود ہم سب اتنے خوش ہیں کہ بتا نہیں سکتے۔ تمہاری تائی نے اب ہم سے کافی راہ و رسم بڑھا لی ہے۔ اپنے امیر امیر رشتہ داروں کو بڑے فخر سے ہم سے ملاتی ہیں۔ نوید کے سسر کو کل ہمارے ہاں لے آئیں۔ یقین مانو سارا وقت تمہاری شادی کے قصے ہی اسے سناتی رہیں۔ اللہ کی شان ہی ہے نا۔ خدا تمہیں نظر بد سے بچائے۔ بیٹی اب جلالی کے گھر کو ہی اپنا گھر سمجھنا۔ اس کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔ خاوند کی خدمت عبادت سمجھ کر کرنا بیٹی کہ زندگی کی کامرانی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ ہماری دعائیں ہمیشہ تمہارے اور جلالی بیٹے کے ساتھ رہیں گی۔ کاش تم لوگ ہمارے قریب ہوتے۔ خیر چھ مہینے سال بعد تو چکر لگاؤ گے ہی نا۔ جب تک صبر سے انتظار کرتی رہوں گی۔"

جیہ کی آنکھوں میں اُمنڈ اُمنڈ آنے والے آنسو بہہ نکلے۔ وہ خط پڑھ کر روتی رہی۔



تانو کا خط آخری صفحے پر تھا۔ یہ ذرا مزے دار قسم کا خط تھا۔ نصیحتیں تھیں، نہ دعائیں۔ بس شوخ سا خط تھا۔ جیہ کی آنکھوں سے آنسو گرتے رہے اور وہ خط پڑھتی گئی۔

بہت سی باتوں کے بعد اس نے لکھا تھا۔

"جیہ سناؤ۔ نئی زندگی کیسی لگی۔ تمہاری شادی ہم لوگوں کی شادی سے کچھ الگ قسم کی ہے۔ تمہارا تجربہ بھی الگ ہو گا۔ جلالی بھائی سے کب اور کیسے ملاقات ہوئی۔ کیا ایئرپورٹ پر ہی تم نے انہیں اور انہوں نے تمہیں دیکھ لیا تھا یا باقاعدہ حجلۂ عروسی میں نقاب کشائی کی رسم ادا ہوئی تھی۔ ضرور لکھنا اور یہ بھی لکھنا کہ رونمائی میں کیا ملا۔ جلالی تمہیں کیسے لگے۔ فوزیہ نے ان کے متعلق سب کچھ بتایا تھا۔ صورت کے اتنے اچھے نہیں یعنی ذرا بدشکل ہیں۔ جیہ سمجھو تو نے میدان مار لیا۔ تم اتنی پیاری خوبصورت ہو، میاں صاحب بدصورت ہیں۔ اس لیے ہمیشہ تم سے مرعوب رہیں گے اور یقین جانو، دل سے ہر عورت یہی چاہتی ہے کہ میاں اس کا غلام بن کر رہے۔ یہ بتا دوں کہ ایسا ہوتا نہیں۔ ہر مرد اپنی برتری منواتا ہے لیکن جلالی کی قدرتی محرومی انہیں ہمیشہ اپنے آپ کو تمہارا غلام سمجھنے پر مجبور کرے گی، دیکھ لینا۔"

ہاں تو جیہ ایک بات بتاؤں۔ نوید کی ٹرانسفر یہاں ہو گئی ہے۔ کل آیا ہوا تھا۔ اس نے منہ کی کھائی ہے۔ سارا وقت بدمزہ بدمزہ سا بیٹھا رہا۔ اپنی منگیتر کو جانے کیا عرش کا کنگرہ سمجھتا تھا۔ تمہاری شادی کی چند تصویریں آئی ہیں۔ تمہارے ڈائمنڈ خوب چمک رہے ہیں۔ میں نے خاص طور پر اسے یہ تصویریں دکھائیں۔ دھتکار دیا تھا ان لوگوں نے، اب خود دھتکارے ہوئے لگتے ہیں۔

جیہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ عجب سی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اس کے گھر والوں نے الگ الگ خط لکھے تھے لیکن تاثر سب کا ایک ہی تھا، خوشی بہک رہی تھی۔ تفاخر کا اظہار ہر لفظ سے ہوتا تھا۔ تانو باجی نے تو جلالی کی بدصورتی کا بھی ذکر کیا تھا۔ جیہ کے سینے میں احساس جرم بری طرح کروٹیں لینے لگا۔ فوزیہ نے یقیناً تانو باجی اور باقی گھر والوں سے جلالی کی بدصورتی کا کھل کر ذکر کیا تھا۔

لیکن

لیکن

جیہ نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ کیا کر چکی تھی؟ اس کا انجام کیا تھا؟ سوچ سوچ کر اس کا دماغ چکرانے لگا۔ اس کی حالت گردش میں آئے ہوئے اس سیارے کی سی تھی جو انتہائی خطرناک مقام پر پہنچنے والا ہو۔

--------O-------



جلالی نے نیلا لفافہ اٹھایا، الٹا پلٹا اور پھر میز کی چکنی سطح پر رکھ دیا۔ وہ میز کے سامنے گھومنے والی گدے دار کرسی پر بیٹھے تھے۔ سامنے لمبی چوڑی شیشے ایسی سطح والی میز تھی جس پر دائیں ہاتھ فون رکھے تھے۔ ٹرے میں کاغذات تھے۔ بائیں ہاتھ آٹھ دس فائلیں اوپر تلے رکھی تھیں۔ کچھ کاغذات پیپر ویٹ تلے دبے تھے۔ کچھ خطوط چھوٹی سی چاندی کی طشتری میں پڑے تھے۔ ایک فون بائیں ہاتھ بھی پڑا تھا۔ آفس سادگی سے آراستہ تھا۔ چند فوم کی کرسیاں تھیں جو میز کے دوسری طرف پڑی تھیں۔ ان کی پشت پر چوڑے در کی کھڑکی تھی جس کے آگے آف وائٹ پردہ لٹک رہا تھا۔ کمرے کی دیواریں چھت اور فرش ٹیک وڈ کا تھا۔ فرنیچر کا رنگ نیوی بلیو تھا۔ پردے آف وائٹ تھے۔ چھوٹے سے ایرانی قالین کا آف وائٹ پھولدار ٹکڑا میز کے نیچے اور کرسیوں کے درمیان پڑا تھا۔ ویسٹ پیپر باسکٹ میز کے نیچے ایک طرف رکھی تھی۔ سائیڈ لیمپس کے علاوہ دیواروں کے ساتھ بھی فینسی بتیاں نصب تھیں۔

جلالی کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ شادی انہیں راس آئی ہوتی تو شاید سسرال کی طرف سے آیا ہوا یہ پہلا خط ان کے شوق، تجسس اور دلچسپی کا باعث ہوتا۔

لیکن

اب

یہ خط

وہ پڑھ بھی لیں تو کیا ہوگا اور پڑھے بغیر پھاڑ کر ویسٹ پیپر باسکٹ میں ڈال دیں تو بھی فرق نہ پڑے گا۔

جیہ سے تعلقات تو قائم ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ گئے تھے۔ پہلے دن ہی

آخری گھڑی آن پہنچی تھی۔ ابتدا ہی انتہا کے روپ میں ڈھل گئی تھی۔

لیکن

پھر بھی

اک آس تھی

جو دل کے کسی خفیہ گوشے میں دفن ہونے سے بچ گئی تھی۔

ایک

دو

تین

اور پھر چوتھا دن بھی اسی آس کے سہارے گزرا تھا کہ شاید جیہ جذباتی دھاروں میں بہتے ہاتھ بڑھا کر کناروں کو چھو ہی لے۔ ان کی بدصورتی کے قصور کو بخش کر ان کے قریب آ ہی جائے۔ اس نے جو کچھ کیا تھا، جو کچھ کہا تھا، اس موہوم سی آس نے جلالی کو سب کچھ درگزر کرنے، معاف کر دینے، نظرانداز کر دینے کی تلقین کی تھی۔

اور وہ اس آس کا کہا مان بھی گئے تھے۔

لیکن کل جیہ کا رویہ صبر آزما تھا۔ جلالی بھی انسان تھے، برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ اتنی ذلت و رسوائی سہنے کی ان میں طاقت نہ رہی تھی۔ انہوں نے دل کے خفیہ گوشے میں چھپی آس کا اس سختی سے گلا گھونٹا تھا کہ اپنے دل کو بھی مسل ڈالا تھا۔

اب تک تو جیہ کے واپسی کے فیصلے پر وہ بے دلی سے عمل پیرا تھے لیکن کل انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ جلد سے جلد اس کوفت اور اذیت سے اسے بھی نکال دیں گے اور خود بھی نکل آئیں گے۔

ایسا کرنے میں وہ حق بجانب بھی تو تھے۔

ان کے اعتماد کو زبردست ٹھیس پہنچی تھی۔ اپنے دیس کی لڑکیوں کے متعلق ان کا بھی یہی خیال تھا کہ مجبوری کے تحت حالات سے سمجھوتہ کرنے کی زبردست صلاحیت رکھتی ہیں لیکن یہ بات غلط ثابت ہوئی تھی۔ جیہ کو دیکھ کر تو انہیں اندازہ ہوا تھا کہ یہ لڑکیاں مغربی لڑکیوں سے بھی زیادہ عجلت پسند ہوتی ہیں۔ عجلت پسند ہی نہیں



جذباتی اور بے وقوفی کی حد تک خود پسند۔

ایسی لڑکی ان کی آئیڈیل نہیں تھی۔

ہر نوجوان کی طرح انہوں نے بھی کچھ رنگین و حسین سپنے سجا رکھے تھے۔ بیوی کا تصور قائم کیا ہوا تھا۔ اپنی بدصورتی کے سنگین احساس کے باوجود حسین لڑکی جو صرف صورت ہی نہیں، سیرت کی بھی حسین ہو۔ ان کے من میں جگہ بنا چکی تھی۔

کتنی ہی دیر جلالی خط کو بے معنی سی نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر کرسی میں آگے ہو کر خط کو اٹھا لیا۔

لفافہ چاک کرتے ہوئے ان کے لبوں پر بے رنگ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

کس کا خط ہے۔

اس کا جس کے ساتھ ناطہ ہے بھی اور نہیں بھی۔

جلالی نے اک گہری سانس چھوڑتے ہوئے خط لفافے سے نکال لیا اور پشت کرسی کی بیک سے لگا کر خط ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

خط ان کے نام تھا اور ناجیہ کے ابو نے لکھا تھا۔

بڑی پیار بھری تحریر تھی۔ انداز مشفقانہ تھا۔ جلالی کا دل جانے کیوں پگھل پگھل گیا۔

کاش ان کی بزرگانہ شفقت انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حاصل ہو جاتی۔

انہوں نے ایک جگہ لکھا تھا۔

"جلالی بیٹے ہم تم سے دور ہیں، بہت دور۔ تمہیں دیکھا بھی نہیں لیکن یوں لگتا ہے تم ہم میں سے ہو۔ ہمیشہ سے ہو۔ میرے اور ناجیہ کی امی کے دل میں تمہارے لیے اتنا ہی پیار امنڈ رہا ہے جتنا اپنے بیٹوں کے لیے۔"

ایک جگہ تحریر تھا۔

"ناجیہ ہم سے کبھی جدا نہ ہوئی تھی۔ اب ہزاروں میل دور چلی گئی ہے۔ بیٹے بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں۔ انہیں ماں باپ کا گھر چھوڑنا ہی ہوتا ہے لیکن یہ بات ذہن میں ضرور رکھنا کہ لڑکی یہ قربانی صرف ایک انسان کے لیے دیتی ہے۔ اپنے شوہر کے لیے۔ شوہر پر بھی اس کا ہر طرح سے خیال رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔"

پھر ایک جگہ رقمطراز تھے۔

"جلالی بیٹے، ناجیہ کی خوش بختی میں کوئی شک نہیں لیکن میں تمہیں بتادوں بیٹا کہ ناجیہ بھی لاکھوں میں ایک ہے۔ ایک باپ بن کر میں تعریف نہیں کر رہا۔ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ ناجیہ نے ایسی ماں کی آغوش میں پرورش پائی ہے جو صلح جو، انصاف پسند، خدمت گزار، اطاعت شعار اور دوسروں کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے والی عورت ہے۔ جیہ نے یہ سب صفات ان سے ورثے میں پائی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک فرمانبردار، خدمت گزار اور جاں نثار کرنے والی بیوی ثابت ہو گی۔"

جلالی نے خط میز پر ڈال دیا۔ اک باپ کی خوش فہمی پر ان کا جی چاہا کہ فلک شگاف قہقہے لگائیں۔

لیکن قہقہے کہاں۔ ان کے حلق میں تو جیسے کوئی سخت سا گولہ پھنس گیا تھا۔ سر میز پر رکھ کر انہوں نے اسے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔ ان کا جی چاہ رہا تھا کہ یہ خط ابھی جا کر جیہ کو دے دیں تاکہ اسے احساس ہو سکے کہ وہ ایسے شفیق اور پرامید والدین پر کتنا بڑا بم بن کر گرنے والی ہے۔

بم، جو ان کی خوشیوں اور امیدوں کے پرخچے اڑا دے گا۔

جلالی کو ان بے چارے والدین پر بے طرح رحم آنے لگا۔ پھر سوچوں نے رخ بدل لیا اور اس ساری تباہی کے مجرم وہ اپنے آپ کو گرداننے لگے۔

کشمکش میں کافی وقت گزر گیا۔

پھر انہوں نے سر اٹھایا۔ خط تہہ کر کے لفافے میں ڈال کر ٹرے میں رکھ دیا۔ ناجیہ کے ابو نے خط کا واپسی جواب مانگا تھا۔

جلالی جواب دینے کی پوزیشن ہی میں کہاں تھے۔ کسے لکھتے، کیسے لکھتے۔

گھڑی پر نگاہ پڑتے ہی انہیں وقت کا احساس ہوا۔ گیارہ بجے انہیں اپنے وکیل سے ملنا تھا۔ گیارہ بجنے میں صرف بیس منٹ تھے۔

جلالی نے جلدی جلدی دو فائلیں دراز سے نکالیں۔ کچھ کاغذات بڑے سے لفافے میں پڑے تھے۔ وہ بھی اٹھا کر بریف کیس میں رکھ لیے۔ اپنے وکیل سے مل کر



انہوں نے مسٹر جیر اللہ سے ملنے جانا تھا۔ وہیں سے ایمبیسی بھی جانا تھا۔

چند لمحے رک کر انہوں نے ساری چیزوں کا جائزہ لیا۔ پھر کرسی کی پشت پر لٹکتا کوٹ اٹھا کر پہنا۔ باتھ روم میں جا کر بال وغیرہ درست کیے۔

اپنا بریف کیس اٹھا کر وہ کمرے سے باہر نکلے۔ مسز ہیرلڈ دوسری طرف جا رہی تھیں، ان کے ساتھ ناجیہ بھی تھی۔ اس نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے جن پر سفید مقیش کا کام تھا۔

"مسز ہیرلڈ۔" جلالی نے پکارا۔

اور مسز ہیرلڈ کے ساتھ ناجیہ نے بھی پلٹ کر دیکھا۔

"جی۔" مسز ہیرلڈ ان کی طرف آئی۔ جیہ نے رخ پھیر لیا لیکن وہیں کھڑی رہی۔

"لنچ میں باہر ہی کروں گا۔ میرا انتظار نہ کیجیے گا۔" جلالی نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم لوگ بھی باہر جا رہے ہیں۔"

"ہوں۔"

"آج میں انہیں بیچ پر لے جا رہی ہوں۔"

"ضرور لے جائیں۔ یہ اتفاق سے امریکہ آگئی ہیں۔ اب بہتر ہے جانے سے پہلے سیر و تفریح ہی کر لیں۔"

جلالی کے لہجے میں بڑی کاٹ تھی، جیہ کا جی جل گیا۔

"بالکل۔" مسز ہیرلڈ نے مسکرا کہا۔ وہ مڑ کر جیہ کو دیکھنے لگی جو رخ پھیرے سر جھکائے کھڑی تھی۔

"ہاں مسز ہیرلڈ۔" جلالی بولے۔ وہ متوجہ تھی۔

"ان کے والد کا خط میری آفس ٹیبل پر پڑا ہے۔ شاید انہیں خط پڑھنے کی خواہش ہو۔"

"ہو گی، ضرور ہو گی۔"

"آپ یہ خط انہیں دے دیں۔"

"اچھا۔"

جلالی نے اک بیگانہ سی نگاہ جیہ پر ڈالی۔ ایک لمحہ پہلے ہی اس نے گردن موڑی تھی، وہ بھی جلالی ہی کو دیکھ رہی تھی۔

نگاہوں کا تصادم کسی پیغام کا موجب نہیں تھا۔ دونوں نے تو ایک دوسرے کو یوں دیکھا تھا جیسے دو اجنبی ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔

"خط آپ پڑھ سکتی ہیں۔" جلالی نے براہ راست جیہ سے کہا۔ "اپنے پاس ہی رکھ سکتی ہیں اور اگر پسند ہو تو انہیں جواب بھی دے سکتی ہیں۔"

جلالی نے تلخی سے کہا۔

جیہ کچھ نہیں بولی۔

جلالی چند لمحے رکے، پھر گھمبیر آواز میں بولے۔ "انہوں نے مجھ سے جواب مانگا ہے لیکن میں اب اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ اس کا جواب انہیں خود لکھوں۔ آپ مناسب سمجھیں تو لکھ دیں۔ نہیں تو جا کر ہی سب کچھ بتا سکتی ہیں۔"

جیہ کے سینے میں ایک ہوک سی اٹھی۔ اس نے چیخ چیخ کر کہنا چاہا۔

"میں واپس نہیں جا سکتی۔"

"میں واپس نہیں جاؤں گی۔"

لیکن الفاظ اس کے حلق میں ہی اٹک گئے۔ ہلکی سی نمی اس کی آنکھوں میں تیر گئی۔ اس نے جلدی سے رخ پھیر لیا اور انگلی کی پور سے بھیگی بھیگی آنکھوں کو چھونے لگی۔ اس نے جلدی سے جانے کو قدم اٹھایا۔

"ناجیہ۔" جلالی نے اسے پکارا۔ آواز میں انتہائی بے تعلقی تھی۔

جیہ رک گئی لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"آپ مسز ہیرلڈ کے ساتھ جہاں چاہیں جا سکتی ہیں، پیسوں کی ضرورت ہو گی۔ میری سیف سے آپ پیسے لے سکتی ہیں۔"

جیہ نے بے چینی سے ان کی طرف دیکھا۔

جلالی نے اپنے اور جیہ کے درمیان کھڑی مسز ہیرلڈ کی طرف جیب سے چابی نکال کر اچھالی۔ "ان کو دے دیں جتنے پیسوں کی ضرورت ہو، لے لیں گی۔"



"تھینک یو۔" مسز ہیرلڈ نے کہا اور چابی جیہ کی طرف بڑھائی۔

"مجھے نہیں چاہئیں پیسے۔" جیہ کی آواز شدتِ جذبات سے پھٹ گئی۔ جلالی کے لہجے کی کاٹ اور رویے کی بیگانگی سے وہ دلبرداشتہ ہو رہی تھی۔

"ناجیہ۔" جلالی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ جیہ پھر جانے کو قدم اٹھا رہی تھی، اب کے وہ رکی نہیں۔

جلالی بھی قدم بڑھا کر آگئے اور درشت لہجے میں بولے۔ "یہ جذباتیت ختم کر دیں۔ حقیقت کا سامنا کیا کریں۔ پیسوں کی ضرورت آپ کو ہے اور ہو گی۔ آپ جتنا پیسہ چاہیں لے سکتی ہیں۔ ویسے بھی جب تک علیحدگی قانونی طور پر نہیں ہو جاتی، آپ کا اس پیسے پر حق ہے۔"

جلالی جلدی سے پلٹے اور تیز قدم اٹھاتے ہوئے کوریڈور سے بیرونی دروازے کی طرف آئے۔ انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

جیہ تیزی سے وہاں سے بھاگ کر اپنے کمرے میں آگئی اور تکیے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ دل بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ سمجھ نہ پا رہی تھی کہ کیا کرے۔

وہ واپس نہیں جا سکتی تھی۔

نہیں جانا چاہتی تھی۔

لیکن یہاں رہنا بھی تو دشوار تھا۔ جلالی تو دن رات ایک کر کے اس کی واپسی اور طلاق کا بندوبست کر رہے تھے۔ انہوں نے تو تعلقات ہی توڑ لیے تھے۔ یوں لگتا تھا جو فیصلہ وہ کر چکے ہیں، اس پر چٹان کی طرح جم گئے ہیں۔

اب تو ان کا لہجہ بدل گیا تھا۔ رویے میں بھی تبدیلی آگئی تھی۔ جیہ یہ سب باتیں پوری شدت سے محسوس کر رہی تھی۔

وہ کیا کرے؟

کیا کرے؟

کیا کرے؟

تکیے میں منہ چھپا کر روتے ہوئے وہ انتہائی اضطراب کے عالم میں یہی سوچ رہی تھی۔

جلالی اپنے مین آفس میں بیٹھے تھے۔ ان کا منیجر ان کے سامنے کچھ فائلیں رکھ رہا تھا۔ کام اس کی نگرانی میں بخوبی چل رہا تھا۔ شپنگ کمپنی سے جو پرافٹ ملا تھا، وہ بھی اسی کی محنت اور دوڑ دھوپ کا نتیجہ تھا۔ اب وہ سٹور کے متعلق انہیں بتا رہا تھا۔ اس سٹور کے لیے کچھ پاکستانی مصنوعات کی ضرورت تھی۔ ان دنوں سندھی اور ملتانی کڑھائی والے کُرتے بہت پسند کیے جا رہے تھے۔ پاکستان کی علاقائی مصنوعات اس سٹور میں رکھی جاتی تھیں۔ اس وقت منیجر ان کرتوں کی ڈیمانڈ اور سپلائی کے متعلق ان سے باتیں کر رہا تھا۔

"مسٹر ہڈسن آپ خود ہی اس سلسلے میں جو کچھ کرنا چاہتے ہیں، کر لیں۔ چند پاکستانی فرموں کے ایڈریس آپ کے پاس ہیں۔ جعفر والے بھی آپ کو کرتے سپلائی کرتے رہے ہیں، ان سے رابطہ قائم کریں۔"

"او کے۔ آپ سے سینکشن لینا تھا، باقی سب کچھ میں کر لوں گا۔"

"آپ کو کرنا ہی پڑے گا۔ میں ان دنوں......"

جلالی نے جملہ ادھورا چھوڑ کر سر گدے دار کرسی کی پشت پر رکھ دیا۔

"کیوں سر؟"

"میں بہت پریشان ہوں۔"

"کیوں؟"

"بس، کچھ ذہنی پریشانیاں ہیں، اس لیے آپ خود ہی سارے کام کر لیں۔"

"آپ اس طرف سے بے فکر رہیں۔"

"شکریہ۔"



"ہاں سر۔"

"کیا؟"

"مسٹر فیلر کا لندن سے بھی فون آیا ہے۔ ان لوگوں کے متعلق کیا کہوں، کیا وہ اپنی مرضی کے آدمی رکھ لیں۔"

"ہوں، آدمی چاہئیں وہاں؟"

"ہاں سر۔ کافی ضرورت ہے سر۔ آپ بزنس کے معاملے میں خاصے تو نہیں کہنا چاہیے، بہت زیادہ لکی ہیں۔ آپ کا لندن کا کام بھی خوب پھیل رہا ہے۔"

"میں مسٹر فیلر کا شکر گزار ہوں۔"

"وہ محنتی اور دیانتدار ہیں۔"

"اسی لیے تو میں اس طرف سے بے فکر ہوں ورنہ وہ کام مجھے بند ہی کرنا پڑتا۔"

"آپ ان سے خود بات کرنا پسند کریں گے۔"

"کس سلسلے میں؟"

"کچھ لوگوں کو وہ ملازمت دینا چاہتے ہیں۔ آپ ان سے خود بات کر لیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ کچھ ہندوستانی اور پاکستانی لڑکے کام حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں۔"

جلالی نے کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے اک گہری سانس لی۔ انہیں ناجیہ کے دو بھائیوں کا خیال آ گیا۔ فوزیہ نے شادی سے پہلے ہی بتایا تھا کہ ناجیہ کے دو بڑے بھائی کافی ہوشیار اور تعلیم یافتہ ہیں۔ باہر آ کر کام کرنے کے خواہش مند بھی۔ جلالی نے وعدہ کیا تھا کہ ان دونوں کو انگلینڈ بلا کر اپنی فرم میں اچھی سی جاب دے دیں گے۔

آدمیوں کی لندن آفس میں ضرورت تھی اور یہاں ناجیہ کے بھائیوں کو بلا کر جاب دینے کا جلالی نے ارادہ بھی کر رکھا تھا۔

لیکن جو حالات وقوع پذیر ہوئے تھے، ان کی توقع کہاں تھی۔ اب وہ شش و پنج میں تھے۔

آج ناجیہ کے ابو نے خط میں بھی ان کے لیے کام تلاش کرنے کا اشارہ کیا

تھا۔ انہوں نے باتوں میں ان لڑکوں کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ ان کے محنتی ہونے کا بھی یقین دلایا تھا۔

وہ عجب مخمصے میں تھے۔

"کیا بات ہے مسٹر جلالی؟" مسٹر ہڈسن نے ان کی بے چینی بھانپ لی۔

"بات ہے بھی اور نہیں بھی۔" جلالی نے اک طویل ٹھنڈی آہ بھری۔

"آپ مجھے اعتماد میں لینا پسند کریں گے؟"

"اوہ مسٹر ہڈسن یہ کوئی خفیہ بات نہیں ہے۔"

"تو پھر؟"

وہ چند لمحے چپ رہے۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "پاکستان میں میرے دو عزیز ہیں جو لندن آکر میرے کام میں مدد کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے سر۔ اس فرم کے لیے پاکستانی آدمی ہی موزوں رہیں گے۔ اس فرم کا زیادہ کاروبار بھی تو پاکستان اور انڈیا سے ہے نا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔"

"کیا آپ کو ان عزیزوں پر اعتماد نہیں؟"

"یہ بات نہیں ہڈسن۔"

"پھر؟"

"چلو خیر، میں مسٹر راک فیلر سے خود بات کرتا ہوں۔"

"بہتر۔"

مسٹر ہڈسن اپنی سیٹ سے اٹھا اور فون جلالی کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ لندن آفس کے نمبرز کا چارٹ اس نے جلالی کے قریب سرکا دیا۔

جلالی نے نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو۔"

"مشتاق جلالی۔"

"میں راک فیلر بول رہا ہوں۔ فرمایئے، کیا حال ہے؟"



"ٹھیک ہوں، شکریہ۔"

چند باتیں کاروبار کے متعلق ہوئیں۔ سارا کام صحیح چل رہا تھا۔

"مسٹر فیلر۔"

"لیس سر۔"

"آپ کو کچھ آدمیوں کی ضرورت ہے؟"

"ہاں سر۔ کام کافی پھیل رہا ہے اور اس کے لیے مجھے کم از کم تین آدمی اور درکار ہیں۔"

"آپ نے اناؤنس کی ہیں جابز؟"

"جی ہاں۔"

"پھر؟"

"امیدوار تو کافی ہیں لیکن کچھ ہندوستانی اور پاکستانی لوگ مجھے اس سلسلے میں مل چکے ہیں۔ میرے خیال میں اس کام کے لیے یہی لوگ موزوں ہیں۔"

"فی الحال آپ نے کسی سے وعدہ تو نہیں کیا؟"

"نہیں۔"

"انٹرویو۔"

"ابھی نہیں لیے۔"

"میرے خیال میں چند دن انتظار کریں، شاید دو آدمی میں آپ کو دے دوں۔"

"کیلیفورنیا سے بھیجیں گے؟"

"نہیں مسٹر فیلر۔ میں نے پاکستان میں اپنے دو عزیزوں سے وعدہ کر رکھا ہے۔ انہیں بلانے کا ارادہ ہے۔"

"ان کے کام سے آپ مطمئن ہوں گے؟"

"یہ تو ان کے آنے اور کام کرنے پر پتہ چلے گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"آدمی اچھے اور باصلاحیت ہوں تو کام لینا آپ کا کام۔"

kedroses@pakistanipoint.com

"بالکل۔ بالکل۔"

"بس پھر چند دن انتظار کریں۔ میں آپ سے پھر بات کروں گا۔"

"او کے سر۔"

"مال پاکستان سے باقاعدگی سے پہنچ رہا ہے؟"

"جی۔"

"اور انڈیا سے؟"

"بالکل سر۔"

"آپ بنگلہ دیش سے جوٹ کی مصنوعات بھی منگوانا چاہ رہے تھے؟"

"جی ہاں، بہت ڈیمانڈ ہے یہاں۔ بنگلہ دیش کی دو فرموں سے بات چیت چل رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہاں کوئی بات ضروری پوچھنی ہو تو مجھے رنگ کر لیجیے گا۔"

"ضرور۔ ضرور۔"

"شکریہ۔"

"خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

جلالی نے ریسیور رکھ دیا اور کچھ دیر ریسیور پر ہی ہاتھ رکھے رہے۔

"آپ کچھ کھانا پسند کریں گے مسٹر جلالی؟" مسٹر ہڈسن نے مودبانہ پوچھا۔

"کیا کھلائیں گے؟"

"سینڈوچ اور کافی پیش کر سکتا ہوں۔"

"بھوک تو محسوس ہو رہی ہے۔ میں نے آج لنچ بھی نہیں کیا۔"

"اوہ پہلے بتایا ہوتا، خیر میں بندوبست کرتا ہوں۔ برگر کھانا پسند کریں گے؟"

"کچھ بھی دے دو۔"

جلالی کرسی پر پیچھے ہو گئے۔

مسٹر ہڈسن نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ اس کی سیکرٹری مسز کلیک دوسرے کمرے کا



دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

"ہیلو مسٹر جلالی۔" اس نے خوشدلی سے خیر مقدم کیا۔

"ہیلو۔" وہ بولے۔

"بہت دنوں سے آپ کو مبارکباد دینے کا سوچ رہی تھی۔"

"اب پرانی ہو چکی مبارکباد۔"

"یقیناً نہیں، ابھی تو ہفتہ بھی نہیں ہوا۔ آپ کی مسز کیسی ہیں؟"

جلالی نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ مسٹر ہڈسن اسے اپنی طرف متوجہ نہ کر لیتے تو شاید وہ جلالی سے ان کی دلہن کے بارے میں بہت کچھ پوچھتی۔

"مسٹر جلالی اس وقت بھوکے بیٹھے ہیں۔ ان کے لیے کافی اور برگر یا کوئی اور اچھی چیز مل سکے تو لے آئیں۔"

"بہتر۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ دبلی پتلی لال بالوں والی مسز کلیک خاصی سمارٹ عورت تھی۔

"آخر یہ لوگ بھی تو میرے ساتھ مل جل کر رہ رہے ہیں۔ میرا کام کرتے ہیں۔ میرے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ باتیں کرتے ہیں، خوش کرتے ہیں، خوش ہوتے ہیں۔"

جلالی کے ذہن میں ایسے ایسے خیالات برق رفتاری سے امنڈنے لگے۔ وہ ان لوگوں کا جیہ سے موازنہ کرنے لگے۔

لیکن

ایسا کرنے سے کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔ یہ تو دل کی بات تھی۔ پسند کا معاملہ تھا اور آزاد ماحول اور آزاد معاشرے میں رہتے ہوئے وہ بھی یہ باتیں اپنا چکے تھے۔ دل کے خلاف کسی کو مجبور کرنا اور ناپسند کو مجبوراً پسند کروانا یہاں کا دستور ہی کب تھا۔

آئے دن یہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر طلاقیں ہوتی رہتی تھیں۔ یہاں عورت پابند تھی نہ مرد۔ ذرا سی ناچاقی ہوئی اور نوبت طلاق تک جا پہنچی۔

انہیں اپنے ایک دوست کے المیے کا علم تھا۔ وہ جس لڑکی سے ٹوٹ کر پیار کرتا تھا، اسے اپنا بھی لیا تھا لیکن شادی چھ ماہ بھی نہ نبھ سکی۔ وینٹا کو جیک رول کی صرف

یہ عادت پسند نہ آئی کہ وہ پیسے کے معاملے میں اتنا فراخدل نہیں تھا جتنا وہ چاہتی تھی۔ جیک رول کو وینٹا کی یہ بات بری لگی کہ وہ اس سے پائی پائی کا حساب لینے کے باوجود یہ سمجھتی تھی کہ وہ اس سے پیسہ چھپا کر رکھتا ہے۔

یہ بات معمولی سی تھی لیکن دونوں اپنی اپنی بات پر اڑے رہے اور چند ہی ماہ بعد علیحدگی ہو گئی۔

مسٹر مورس اور ڈورتھی ہورتھ کی شادی بھی تیسرے مہینے طلاق پر منتج ہو گئی۔ حالانکہ دونوں اچھے خاصے سلجھے ہوئے انسان تھے۔ ڈورتھی ہورتھ نے یہ شادی اپنی پسند سے ماں باپ کی مرضی کے خلاف کی تھی۔

لیکن پسند

چند ہی ماہ میں ناپسند بن گئی۔ مسٹر مورس کی سگار نوشی دونوں میں وجہ نزع بن گئی۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے ذہنی یار نہیں بنے اور الگ ہو گئے۔ مورس نے کسی جرمنی لڑکی سے شادی کر لی اور ڈورتھی کسی میکسیکن کے ساتھ شکاگو چلی گئی۔

جلالی کے ذہن میں طلاق یافتہ جوڑے اترے ہوئے تھے۔ یہ بھی تو انسان تھے۔ انہوں نے بھی تو محبتیں رچائی تھیں۔ پیار کیا تھا۔ جذباتی دور سے گزرے تھے لیکن اب سب ہی اپنی اپنی جگہ خوش تھے۔ کوئی ماضی کے دکھ کو صلیب بنا کر کندھوں پر اٹھائے نہیں پھر رہا تھا۔ اپنے آپ کو وقت کے سانچے میں سبھی نے ڈھال لیا تھا۔

جلالی سوچ تو رہے تھے۔

لیکن

اپنے معاملے میں جذبات جدا ہی تھے۔ انہیں تو یوں لگتا تھا، ان کا ماضی دکھ کی سل بن کر ہمیشہ ان کے سینے پر دھرا رہے گا۔ انہوں نے سنجیدگی سے اپنا تجزیہ کیا تو انہیں دل کے گوشوں سے لہو رستا محسوس ہوا۔

کاش وہ جیہ کو نہ دیکھتے۔

کاش وہ ان کی زندگی میں نہ آتی۔

جو زندگی میں سمو جائے، اسے الگ کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ خوشبو کو عارضی



سمجھا جاتا ہے۔ وقتی معلوم ہوتی ہے۔ فضا میں چند لمحوں کے لیے رچی اور پھر پھیل کر ختم ہو گئی لیکن خوشبو ذہن میں بس جائے تو پھر پھیل کر ختم نہیں ہوتی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گھر بنا لیتی ہے۔ آپ جہاں چاہیں جب چاہیں ذہن میں بسی مہک کو خوشبو کو محسوس کر سکتے ہیں۔

جلالی کو بھی لگتا تھا، ناجیہ خوشبو ہے، مہک ہے جو فضا میں رچ کر پھیلنے پر تو ختم ہو سکتی ہے لیکن ذہن میں بس کر اس کا وجود کبھی مٹ سکتا۔

کبھی نہیں۔

کبھی بھی نہیں۔

جلالی نے سر پھر کرسی کی پشت پر ڈال دیا۔ آنکھیں بند کر لیں اور ان کے سینے میں اضطراب بھرے سانس الجھنے لگے۔

لیکن جب مسز کلیک ان کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لے آئیں تو انہوں نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔

مسٹر ہڈسن اور مسز کلیک کے ساتھ وہ کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔

-------O-------

ناجیہ پھولوں کی کنج میں ایک سلیٹی رنگ کے پتھر پر بیٹھی تھی۔ اس کے چاروں طرف ہلکے گہرے گلابی رنگوں کے پھول تھے۔ سبزے کے کئی رنگ تھے۔ شاخیں پھولوں سے لدی تھیں اور اوپر اٹھنے کی بجائے نیچے کو جھک آئی تھیں۔

موسم خوشگوار تھا۔ سردی قدرے کم ہو گئی تھی۔ گلابی رت لگتی تھی۔ جیہ دو دن سے بے حد پریشان تھی۔ امی، ابو اور تانو باجی کے خطوط کا ردعمل تھا۔ سوچ سوچ کر ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ واپسی کا ارادہ اس نے تو ملتوی کر دیا تھا لیکن اس کے بعد؟

یہی سوچ پریشان کر رہی تھی۔

خطوط کے جواب اس نے نہیں لکھے تھے۔

کیا لکھتی؟

کیا جھوٹ کا اک حصار بنا لینا چاہیے تھا۔

جس کے اندر مقید ہو کر ساری عمر گزار دینا چاہیے تھی۔

لیکن اس حصار میں مقید ہو کر بھی تو کسی ٹھکانے پہ رہنے کی ضرورت تھی۔

جلالی کا رویہ حوصلہ شکن تھا۔

وہ پہلے جس قدر نرم اور شائستہ تھے۔

اب اسی قدر سخت اور بیگانہ بن چکے تھے۔

وہ بڑی تندہی سے اپنے کام میں مشغول تھے۔ کام لگتا تھا وہی ہیں۔ واپسی کے انتظامات اور طلاق!

جوں جوں دن گزر رہے تھے۔ جیہ کی پریشانیوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اب تو اسے کسی بات پر رونا بھی نہیں آتا تھا۔ آنسوؤں کے ذخیرے ختم ہو گئے تھے، سوکھ گئے



تھے۔ آنکھوں میں نمی کی جگہ ویرانی بن گئی تھی۔

وہ یہاں بیٹھی اب بھی انہی سوچوں میں گم تھی۔ گھر میں اس کا دل گھبرانے لگا تھا اور وہ اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔ دور سرخ چھتوں اور سبز جعفری والے گھر سے دو بچے گیند سے کھیلنے ادھر آ گئے تھے۔ جیہ نے کچھ دیر ان سے باتیں کر کے دل بہلانے کی کوشش کی تھی۔

پھر وہ بھی چلے گئے۔ بچے موڈی تو ہوتے ہی ہیں نا۔

وہ سوچ رہی تھی۔

لیکن

دلجمعی سے کچھ نہ سوچ رہی تھی۔

کبھی ماں باپ کا خیال آ جاتا۔ ان کی خوشیوں کا احساس ہوتا۔ ان کے لیے وہ یہ خوشیاں دائمی بنا سکتی تھی۔ کبھی تانو باجی کے بچے یاد آ جاتے۔ ان بچوں کو وہ مستقل سہارا دے سکتی تھی۔ ان کی زندگیاں سنوار سکتی تھی۔

کبھی باقی بہن بھائی ذہن میں گھس آتے۔ اسے امجد کی چھیڑ یاد آ جاتی۔

"جیہ ہمیں بھی باہر بلا لینا۔ چلو دوبئی ہی بھجوا دینا۔"

ابا کا خط اس نے پڑھا تھا۔ کٹ کٹ گئی تھی۔ کس اعتماد سے انہوں نے خط میں بیٹی کی تعریف کی تھی۔ شرمندگی کے جذبات سے مغلوب ہو کر وہ سوچتی کہ جلالی نے یہ خط پڑھ کر کیا سوچا ہوگا۔

ان خطوط کے جواب وہ کیا دے؟

کیا ماں باپ کو مطلع کر دے کہ وہ ان کی توقعات پر پوری نہیں اتر سکی۔ تانو کے بعد وہ بھی ان پر مستقل بار بننے کو واپس لوٹ رہی ہے۔

"نہیں۔ نہیں۔" اس نے زور سے سر کو جھٹکا۔ تانو جو زندگی ماں باپ کے گھر میں اب گزار رہی تھی، اس کے تصور سے ہی ناجیہ کو جھرجھری آ گئی۔

میلے میلے کپڑوں کے ڈھیر، صبح سے شام تک دھونے والی تانو باجی۔ اف وہ تو کبھی بھی یہ خدمات نہ کر سکتی تھی۔

برتن مانجھ مانجھ کر تانو باجی کے ہاتھ کس قدر بھدے ہو گئے تھے۔ سبزی کاٹ کاٹ کر انگلیاں کالی ہو گئی تھیں۔ ناخن ٹیڑھے اور ہاتھوں کی لکیریں کالی ہو چکی تھیں۔

جیہ نے گھبرا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ نرم و گداز زردی مائل سفید ہاتھ۔ سنہری رنگت والے ہاتھ۔ "نہیں۔ نہیں۔" اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا اور گھبرا کر اس نے اپنے ہاتھ اپنے سینے میں چھپانے کی کوشش کی۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ واپس نہیں جائے گی۔ یہ فیصلہ پہلے بھی کر چکی تھی اور اب زیادہ مضبوطی سے اس کا اعادہ کر رہی تھی۔

لیکن

سوال اپنی جگہ پر اسی سنگینی سے موجود تھا۔

کہ واپس نہ جائے گی تو یہاں کیا کرے گی؟

وہ کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کئی راستے تھے۔

جلالی سے صلح ہو سکتی تھی۔

اسے چھوڑ کر کہیں ملازمت کر سکتی تھی۔

فوزیہ رفیق کے پاس جا کر مسائل کا حل دریافت کر سکتی تھی۔

اسے علم نہ تھا کہ ان ساری صورتوں کو عملی جامہ پہنانے میں کتنی دشواریاں ہیں۔ ہاں یہ جانتی تھی کہ جلالی کو منانا اور اپنانا ان سب صورتوں میں کڑی اور مشکل ترین صورت تھی۔

اس نے گھٹنوں کے گرد بازوؤں کے حلقے میں سر رکھ دیا۔ سوچیں آندھی اور طوفان کی طرح یلغار کر رہی تھیں۔ اس کی حیثیت سوکھے تنکے کی سی تھی جسے آندھی اور طوفان لیے لیے پھرتے ہیں۔ کبھی اڑا کر اونچا لے جاتے ہیں اور کبھی اتنا نیچا کہ تنکا زمین کے سینے سے مسلسل رگڑیں کھاتا یہاں سے وہاں تک جاتا آتا رہتا ہے۔

وہ کافی دیر سے اسی طرح بیٹھی تھی۔ جلالی نے گھر کے اندر جاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ چند لمحے رک بھی گئے تھے۔



پھر اندر آ کر انہوں نے مسز ہیرلڈ سے پوچھا تھا۔ "ناجیہ باہر کیوں بیٹھی ہیں؟"

مسز ہیرلڈ کام میں مصروف تھی۔ کچن کے کاؤنٹر پر سبزی کی باسکٹ رکھتے ہوئے بولی۔ "اندر گھبرا رہی ہوں گی، اس لیے باہر جا بیٹھی ہوں گی۔"

جلالی چپ ہو گئے۔

"بے چاری لڑکی۔ قابل رحم ہے۔"

"ہاں مسز ہیرلڈ۔ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ میں نے اس سے شادی کر کے ظلم کیا ہے۔"

"اوہ۔ مسٹر جلالی، غلط مت سمجھیں۔"

"مسز ہیرلڈ، جو حقیقت ہے، وہ حقیقت ہے۔"

"نا سمجھی کی بنا پر ناجیہ نے سب کچھ کیا۔ اب وہ کشمکش کا شکار ہے۔ اس نے مجھے ان خطوط کے متعلق بتایا ہے جو اس کے ماں باپ اور بہن کی طرف سے آئے ہیں۔"

"ہاں، وہ لوگ بہت خوش ہیں۔ خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ بے شک ناجیہ سوچنے میں حق بجانب ہے لیکن......"

"وہ انہیں جواب بھی تو نہیں لکھ سکتیں۔"

مسٹر جلالی نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہاں، انہیں سخت شاک ہو گا۔ شاید ناجیہ یہی سوچتی ہیں۔"

"بالکل۔ بالکل۔"

جلالی چند لمحے چپ کھڑے رہے۔ کچن کی مغربی کھڑکی کھلی تھی اور حد نگاہ تک پھولوں کے تختے نظر آ رہے تھے۔ پھول بھی کانٹوں کی سی چبھن رکھتے تھے۔ جلالی نے جلدی سے منہ پھیر لیا۔

مسز ہیرلڈ کچن سے باہر جا چکی تھی۔

جلالی نے اپنے لیے ایک مگ میں کافی بنائی اور میز پر بیٹھ کر کافی پینے لگے۔

مسز ہیرلڈ جیہ کو ڈھونڈتی پھولوں سے لدی کنج کی طرف آ گئی۔

"ہیلو ناجیہ۔"

ناجیہ نے آواز سنی لیکن ان سنی کر دی۔

"اے۔" مسز ہیرلڈ نے اس کے قریب آ کر اس کا کندھا ہلایا۔

ناجیہ نے سر اٹھایا۔ ویران اور سوکھی آنکھوں سے مسز ہیرلڈ کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں خاصی سرخ ہو رہی تھیں۔

"اٹھو۔"

"کیوں؟"

"باہر چلیں۔"

"کہاں؟"

"کہیں بھی۔"

ناجیہ نے سر نفی میں ہلایا۔

"کیوں؟"

"جی نہیں چاہ رہا۔"

"جی چاہنے لگے گا۔" مسز ہیرلڈ نے کہا اور پھر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کو ایک ایک کر کے چھوتے ہوئے شوخی سے بولی۔ "ہم پہلے ہائی وے پر ڈرائیو کریں گے۔ پھر ریسٹورنٹ میں کچھ کھائیں پئیں گے۔ اس کے بعد شاپنگ کے لیے جائیں گے۔ پھر میں آپ کو مسٹر جلالی کے منیجر ہڈسن کے گھر لے جاؤں گی۔ اس کی مسز نے آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

"اس کے بعد......" جیہ نے موٹی تازی لیکن بے حد چاق و چوبند مسز ہیرلڈ کی طرف دیکھا۔ مسز ہیرلڈ زندگی کو کتنے ہلکے پھلکے انداز میں دیکھتی تھی۔

مسز ہیرلڈ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ جیہ بھی مسکرانے لگی۔

"اس کے بعد۔ اس کے بعد...... ہاں آج رات ہم مووی دیکھیں گے۔ بڑی زبردست پکچر دکھاؤں گی۔"

جیہ پتھر سے اٹھی۔ ہاتھوں سے قمیض درست کی۔ گھاس پھونس جھاڑتے ہوئے اسے محسوس ہوا جیسے چکر آ رہے ہیں۔



اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے ڈولتے وجود کو سہارا دینے کی کوشش کی۔

مسز ہیرلڈ کچھ پھول چن رہی تھی۔ اس نے جیہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"ناجیہ میں دو دن یہاں ہوں۔ یہ دو دن آپ کو ضرور گھمانے پھرانے لے جاؤں گی۔"

جیہ نے آنکھیں کھول دیں۔ حیرت سے مسز ہیرلڈ کو دیکھا اور جلدی سے بولی۔ "دو دن؟"

"ہاں۔" وہ مسکرائی۔

"پھر کہاں جاؤ گی؟"

"ووکیشن پر۔ میری چھٹی دو دن بعد شروع ہو گی۔"

"آپ چلی جائیں گی؟"

"ہاں۔"

"کہاں؟"

"اس دفعہ میرا ارادہ کوسٹ پر چھٹی گزارنے کا ہے۔"

"لیکن ہاں...... یہاں کون رہے گا؟"

"آپ اور مسٹر جلالی۔"

"نہیں۔ نہیں۔"

مسز ہیرلڈ نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔ "ہو سکتا ہے میری غیر حاضری آپ کی سوچ میں لچک پیدا کر دے اور آپ کو نئے موڑ پر لے آئے۔"

جیہ نے کہنا چاہا۔ "میں نئے موڑ پر آ چکی ہوں مسز ہیرلڈ۔ سوچ میں بھی لچک آ گئی ہے لیکن وہ، وہ جو چٹان بن گیا ہے۔ میں اس کے ساتھ کیسے سر پھوڑوں گی۔"

لیکن وہ کچھ نہیں بولی۔

مسز ہیرلڈ نے خوبصورت پھولوں کا گلدستہ سا بنا لیا تھا۔ ایک پیارا سا گلابی پھول اس نے جیہ کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ۔" جیہ نے بے دلی سے پھول پکڑا۔ وہ تو مسز ہیرلڈ کی چھٹی کا سن کر

پریشان ہو گئی تھی۔ اس گھر میں اکیلے رہنا ممکن ہی نہ لگ رہا تھا۔ خوف کی ٹھنڈی سی کپکپی اسے اپنے خون میں رینگتی محسوس ہوئی۔

"آپ چھٹی کا پروگرام ملتوی نہیں کر سکتیں مسز ہیرلڈ؟" وہ جلدی سے بولی۔

"اوہ۔ نہیں ناجیہ۔ اتنا کام کرنے کے بعد ہر انسان کو ریلیکسیشن کی ضرورت ہوتی ہے۔" پھر وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "میں بہت جلد بوڑھی ہونا نہیں چاہتی۔ یہ چھٹی میں ہر قسم کے فکر و تردد سے آزاد ہو کر گزاروں گی۔ میں نے کچھ پیسے جمع کیے ہیں۔ سارے کے سارے تفریح پر خرچ کر دوں گی۔ میری دوست فیری بھی ساتھ ہو گی۔ ہم نے انجوائے کرنے کے خوب پروگرام بنائے ہیں۔"

جیہ ٹکر ٹکر اس کا منہ تک رہی تھی۔

"کیا ان لوگوں کی طرح ہم زندگی نہیں گزار سکتے۔" جیہ نے دل ہی دل میں سوچا۔ "مسز ہیرلڈ اک بیوہ عورت تھی۔ اس کا جوان بیٹا بھی مارا جا چکا تھا۔ پھر بھی وہ زندگی کو کتنا سہل سمجھتی تھی۔ کتنے خوبصورت انداز سے گزار رہی تھی۔ اس سے سبق سیکھنا چاہیے۔ سبق سیکھنا چاہیے۔"

جیہ مسز ہیرلڈ کے قریب آ گئی۔

"مسز ہیرلڈ۔"

"ہوں۔"

"کیا آپ مجھے ساتھ نہیں لے جا سکتیں؟

"سوری۔"

"کیوں؟"

"میں بالکل الگ تھلگ ہو کر چھٹی گزارنے کا پروگرام بنا چکی ہوں اور پھر آپ کو ساتھ لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کیوں؟"

"بھئی چند دنوں کے اندر اندر تو آپ واپس جا رہی ہیں۔"

جیہ کے دل پر اک گھونسہ سا لگا۔



"جلالی دن رات ایک کر کے آپ کی واپسی کا بندوبست کر رہے ہیں، شاید اسی ہفتے کے آخر میں آپ کا کام ہو جائے۔ ویسے وہ بتا رہے تھے کہ طلاق کے کاغذات اتنی جلدی نہ مل سکیں گے۔ ہو سکتا ہے، وہ ڈائیوورس آپ کے جانے کے بعد کریں۔"

"اوہ مسز ہیرلڈ۔" جیہ نے اپنا چکراتا ہوا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور تیزی سے بھاگتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی۔

جلالی دائیں ہاتھ کے کمرے میں تھے۔ شیشے کی دیوار کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے جیہ کو سر تھامے اپنے کمرے کی طرف بھاگتے دیکھا۔

تجسس نے انہیں مجبور کیا کہ وہ دیوار کے قریب آ جائیں لیکن ان کے اندر آنے تک جیہ لیونگ روم پار کر کے اپنے بیڈ روم میں جا چکی تھی۔

مسز ہیرلڈ تھوڑی دیر بعد اندر آئی۔ وہ بھی لیونگ روم کی طرف جا رہی تھی۔

جلالی نے چاہا کہ اسے روک کر پوچھیں۔ "جیہ کو کیا ہوا؟"

لیکن

انہوں نے رخ پھیر کر یوں ظاہر کیا جیسے نہ تو مسز ہیرلڈ کو دیکھا ہے نہ جیہ کو۔

مسز ہیرلڈ اس کے پیچھے پیچھے بیڈ روم میں آ گئی۔

جیہ بیڈ پر آڑی پڑی تھی۔ اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور نتھنے پھڑک رہے تھے۔

"ناجیہ۔" مسز ہیرلڈ نے پکارا۔

جیہ اُٹھ بیٹھی۔

"کیوں!" مسز ہیرلڈ نے پوچھا۔

"میرا دماغ چکرا رہا ہے مسز ہیرلڈ۔ مجھے جانے کیا ہو رہا ہے۔"

مسز ہیرلڈ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ پھر ہاتھ اس کی پیشانی تک لے گئی۔ پیشانی گرم تھی۔

"بخار تو نہیں محسوس ہوتا؟" مسز ہیرلڈ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ مسز ہیرلڈ پتہ نہیں۔" جیہ نے تکیے پر سر ٹکا دیا۔

مسز ہیرلڈ نے اسے ٹھیک طرح سے بستر میں لٹایا۔ کمبل اس کے سینے تک کرتے ہوئے بولی۔ ”میں تھرمامیٹر لاتی ہوں۔“

تھوڑی ہی دیر میں تھرمامیٹر لیے آگئی۔

دنوں کی بے چینی اور پریشانی نے جیہ کو نڈھال کر دیا تھا۔ سوچنے سے اس کا دماغ، ذہن اور جسم تھک کر چور ہو چکے تھے۔

وہ بے بسی کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ اس کی حالت اس قیدی کی سی تھی جو اپنی ذات کے اندر محبوس ہونے کے علاوہ چاروں طرف سے بھی اونچی اونچی دیواروں میں گھر چکا ہو۔ اس طرح کہ نکل بھاگنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ کوئی امکان، کوئی گنجائش ہی نہ رہی ہو۔

-------O-------



جلالی نے پاکستان کال بک کروائی ہوئی تھی۔ فوزیہ کی بہن صوفیہ کے ہاں وہ شادی کے دوران اور اس سے پہلے بھی فون کرتے رہے تھے۔ جیہ کے دونوں بھائیوں کے لیے انہوں نے لندن آفس میں جاب رکھی تھی۔

یہ فیصلہ انہوں نے کیوں کیا تھا؟ یہ وہی جانتے تھے، ہاں دل کے مومن تھے۔ کسی کا بھلا ہو جاتا تو ان کا کیا جاتا۔ یہ عادت تو ان کی تھی ہی، شاید اسی عادت سے مجبور ہو کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

جیہ انہیں چھوڑ کر جا رہی تھی۔ اس لحاظ سے ان کا اس کے بھائیوں سے کوئی رشتہ رہتا تھا نہ ناطہ لیکن فوزیہ نے شادی سے پہلے جو جیہ کے گھریلو حالات انہیں بتائے تھے، وہ ان کے ذہن میں تھے۔ ان لڑکوں کا کیا قصور تھا۔ جلالی کے پاس وسائل تھے اور یہ لڑکے اپنی قسمت آزما سکتے تھے۔ یہ رشتہ ناطہ ٹوٹ بھی جائے گا تو انسانیت کے ناطے تو قائم رہیں گے۔

فون پر صوفیہ ہی سے بات ہوئی تھی اور انہوں نے اسے ہی پیغام دے دیا تھا۔ ضروری باتیں بتا دی تھیں۔

”ان کے پاسپورٹ تو بن چکے ہوں گے۔ پاسپورٹ نمبر لندن آفس بھجوا دیں۔ میں نے مسٹر فیلر کو ہدایات دے رکھی ہیں۔ وہ ٹکٹ وغیرہ بھی بھجوا دیں گے۔ آپ انہیں بتا دیں۔“

صوفیہ نے ان کی ہدایت کے مطابق ساری باتیں نوٹ کر لیں۔ لندن آفس کے فون نمبرز بھی لکھ لیے تھے۔

کاروباری باتوں کے بعد صوفیہ نے جیہ کے متعلق پوچھا تو جلالی کی جیسے جان

پر بن گئی۔ گول مول سا جواب دے کر انہوں نے پھر جیہ کے دونوں بھائیوں کے متعلق اسے ضروری باتیں بتانا شروع کر دیں۔

فون بند کر کے انہوں نے اک جلتا ہوا سانس لیا۔

کیا انہوں نے ناجیہ کے بھائیوں کو بلا کر عقلمندی کی ہے

یا بے وقوفی کا ثبوت دیا ہے۔

ناجیہ کو پتہ چلا تو کہیں پھر کوئی ہنگامہ کھڑا نہ کر دے۔

کیا انہیں ناجیہ سے صلاح لینا چاہیے تھی؟

لیکن وہ انہیں بلانے کی حامی کیسے بھر سکتی تھی۔

جلالی سگریٹ کے کش لیتے ہوئے دھوئیں کے مرغولوں پر نظریں جماتے سوچ میں ڈوبے تھے۔ آفس میں وہ دو گھنٹے سے بیٹھے تھے۔ کچھ کام کیا تھا، کچھ سوچیں الجھائے ہوئے تھیں۔

انہوں نے گھڑی دیکھی۔ ایک بج رہا تھا۔ لنچ کے بعد انہوں نے پھر مسٹر جیرالڈ سے ملنے جانا تھا۔ ان دنوں وہ وقت بے وقت کھا پی رہے تھے۔ زندگی کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا تھا ورنہ مسز ہیرلڈ جانتی تھی کہ وہ بڑے اصول پسند ہیں۔ کھانے پینے کے معاملے میں تو انہوں نے ہمیشہ وقت کا خیال رکھا تھا۔ اپنی روٹین سے وہ کبھی ادھر ادھر نہ ہوئے تھے۔

وہ آفس کا دروازہ بند کر کے اپنی خوابگاہ میں آئے۔ وہاں سے ڈریسنگ روم میں گئے۔ کپڑے بدلے اور بال بنا کر باہر آ گئے۔

لیونگ روم سے ہوتے ہوئے کچن کی طرف جا رہے تھے کہ مسز ہیرلڈ گرم گرم دودھ کی پیالی لیے آ گئی۔

"ناجیہ کو بخار ہو گیا ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔

"کب سے؟" جلالی نے بھی بے تابی سے پوچھا۔

"صبح باہر بیٹھی تھیں۔"

"ہاں میں نے انہیں دیکھا تھا۔"



"مجھ سے باتیں کر رہی تھیں۔ شاید میری چھٹی کا سن کر پریشان ہو گئی تھیں۔"

"صبح وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے بیڈ روم میں گئی تھیں۔"

"ہاں، کہتی تھیں، سر چکرا رہا ہے۔ اس وقت بخار تو نہیں تھا، اب بخار ہو گیا ہے۔"

"ہوں۔"

"آپ ڈاکٹر ہنری کو فون کر دیں۔ کوئی دوائی ضرور لینا چاہیے۔"

"بخار ہے کتنا؟"

"معمولی تھا، اب دیکھتی ہوں۔ آ جائیں۔"

وہ دودھ کی پیالی لے کر اندر چلی گئی۔

جلالی باہر ہی رک گئے۔

"لو ناجیہ۔ تھوڑا سا دودھ پی لو۔" مسز ہیرلڈ جیہ سے کہہ رہی تھی۔

"جی نہیں چاہتا۔"

"اوہ ٹھہرو۔ پہلے میں ٹمپریچر دیکھ لوں۔"

"رہنے دو۔"

"نہیں، میں نے مسٹر جلالی سے کہا ہے، ڈاکٹر کو فون کر دیں۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی۔ میں اتنی بیمار نہیں ہوں۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں...... میں۔" اس کی آواز بھر آئی تھی۔

جلالی کا دل کٹ گیا تھا لیکن جیہ سے کسی قسم کی ہمدردی کا اظہار کرنا نہیں چاہتے تھے، مبادا وہ سمجھ لے کہ جلالی اس پر ہمدردی کا دباؤ ڈال رہے ہیں۔

"ٹمپریچر لے کر بتا دیں مجھے۔" جلالی دروازے سے اندر آتے ہوئے بولے۔ جیہ نے ان کی طرف دیکھا اور پھر تکیے پر رکھا سر دوسری طرف موڑ لیا۔ "کوئی ضرورت نہیں، میں ٹھیک ہوں۔"

"تمہیں بخار ہے۔" مسز ہیرلڈ نے ہاتھ میں تھرمامیٹر پکڑے پکڑے کہا۔

"نہیں ہو گا مسز ہیرلڈ۔ آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟" جلالی نے کہا۔

"ہے مسٹر جلالی۔ اب تو میرے خیال میں سو سے بھی زیادہ ہے۔" اس نے جیہ پر جھک کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"میں ڈاکٹر ہنری کو فون کر دیتا ہوں۔ ڈرگ سٹور سے دوائی آ جائے گی۔" جلالی نے کہا اور کمرے سے نکل گئے۔

جیہ کی سوکھی ویران آنکھوں میں جانے کہاں سے پانی کے سوتے پھوٹ پڑے۔ وہ تکیے میں منہ چھپا کر سسک سسک کر رونے لگی۔

جلالی نے مسز ہیرلڈ کے ساتھ لنچ کیا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔

مسز ہیرلڈ نے خود ہی بات چھیڑی۔ "ناجیہ میری چھٹی کی وجہ سے پریشان ہیں۔"

"شاید۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اپنی ووکیشن چھوڑ نہیں سکتی۔ مجھے بھی تازہ دم ہونے کی ضرورت ہے۔"

"ہاں۔"

"انہیں سمجھایا تو بہت ہے اور پھر چند دن ہی تو انہیں یہاں رہنا پڑے گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ واپسی کے انتظامات تقریباً تقریباً مکمل ہیں۔"

"کاش وہ اب بھی اپنا ارادہ بدل دیں۔"

"مسز ہیرلڈ!"

"ہوں۔"

"آپ پلیز مجھے اس قسم کی خوش فہمیوں میں نہ الجھایا کریں۔ میں زیادہ پریشان ہو جاتا ہوں۔ جیہ جو فیصلہ کر چکی ہیں، اس پر سختی سے کاربند ہیں۔ وہ مجھے بالکل فیس نہیں کرنا چاہتیں۔ ابھی آپ نے دیکھا نہیں، میں ان کے بیڈ روم میں داخل ہوا اور انہوں نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔"

"ہاں، سوری مسٹر جلالی۔"

"وہ مجھ سے بیزار ہیں، متنفر ہیں اور میں بھی انہیں چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ اس سلسلے میں سارا کام ہو چکا ہے۔ پھر بھی آپ......"



مسز ہیرلڈ نے شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "سوری مسٹر جلالی! خدا تم دونوں پر رحم کرے۔"

لنچ کے بعد جلالی نے سگریٹ سلگایا اور کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"ابھی ڈرگ سٹور سے آدمی دوائی لے کر آ جائے گا۔ اس سے پوری تفصیلات پوچھ لیجئے گا اور وقت پر انہیں دوائی دیتی رہیے گا۔ میں رات شاید بہت لیٹ آؤں۔"

"ٹھیک ہے جناب۔" مسز ہیرلڈ بھی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں......" جلالی نے کچن سے نکلتے ہوئے کہا۔ "ناجیہ کو کچھ کھلا پلا بھی دیں۔"

"دودھ لیا ہے انہوں نے۔ کھانا نہیں کھائیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

جلالی لیونگ روم میں آ گئے۔ بیڈ روم کے باہر رکے، جیہ کو اندر جا کر دیکھنا چاہا لیکن پھر تیزی سے آگے بڑھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد ان کی گاڑی کے سٹارٹ ہونے کی آواز آ رہی تھی۔

جیہ کے کان گاڑی کی آواز پر ہی لگے تھے۔ گاڑی چلی گئی تو جیہ بیڈ بورڈ کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئی۔ بخار معمولی تھا لیکن وہ اتنی پژمردہ اور ایسی مضمحل تھی جیسے مدتوں کی بیمار ہو۔ جلالی کے سرد اور بے مہر رویے نے جیہ کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ وہ اسے دیکھے بغیر چلے گئے تھے۔ احوال پرسی ہی کر لی ہوتی۔ کسی راستے پر قدم رکھنے کی ابتدا تو ہوتی۔

لیکن جیہ کو اب یوں لگ رہا تھا کہ یہ راہ انتہائی ناہموار ہے۔ رکاوٹوں سے گھری اور اندھیروں میں ڈوبی ہے۔ اس راہ پر چلنے کی سکت اس میں نہ تھی۔ اس راہ پر وہ گم ہو سکتی تھی۔ ٹھوکریں کھا سکتی تھی، بھٹک سکتی تھی۔

تو پھر

اسے کون سی راہ منتخب کرنی چاہیے تھی؟

جیہ سارا دن بیڈ ہی پر رہی۔ کبھی سو جاتی، کبھی اٹھ بیٹھتی۔ مسز ہیرلڈ اسے وقت

پر دوائی دیتی رہی۔ دودھ بھی پلایا اور کھانا بھی کھلایا۔ شفقت اور محبت کا اتنا اظہار کیا کہ جیہ بھی حیرت زدہ رہی۔ اسے محسوس ہوا کہ عورت کے سینے میں ممتا کے بنیادی جذبے ایک سے ہوتے ہیں۔ عورت چاہے مشرق کی ہو چاہے مغرب کی۔ ساؤتھ پول پہ رہتی ہو یا نارتھ پہ۔ اس کے سینے میں پلنے والی ممتا کے جذبات ایک ہی ہوتے ہیں۔

رات جلالی دس گیارہ کے درمیان واپس آئے۔ جیہ جاگ رہی تھی۔ کمرے کی بتی بھی روشن تھی اور دروازہ بھی کھلا تھا۔ جلالی کے قدموں کی چاپ اس نے کوریڈور سے لیونگ روم میں آتے سنی۔

وہ کچن میں گئے تھے۔ جیہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے کمرے میں آئیں۔ بخار کا پوچھیں، پیشانی کو چھوئیں اور......اور......

وہ بے حال سی ہو گئی۔

جلالی جیسے آئے تھے، ویسے ہی واپس چلے گئے۔

دوسرا دن بھی یونہی گزر گیا۔ جلالی نے مسز ہیرلڈ سے ہی جیہ کے متعلق پوچھا۔ اس کا بخار اتر گیا تھا۔

"معمولی بخار تھا۔ رات کو ہی اتر گیا تھا۔" مسز ہیرلڈ نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے بے تعلق سے لہجے میں کہا۔

"میں نے آج انہیں پورا دن بیڈ ریسٹ کے لیے کہا ہے۔"

"ہوں۔"

"بہت کمزور ہو رہی ہیں۔ انہیں اچھی ڈائٹ ملتی رہنی چاہیے۔"

جلالی مسکرا کر بولے۔ "سب کچھ گھر میں موجود ہے مسز ہیرلڈ۔ آپ جو کچھ مناسب سمجھیں، انہیں دیتی رہیں۔"

"آج تو میں دے دوں گی، کل؟"

"کیوں؟"

"کل میں جا رہی ہوں۔"

"اوہ۔ آپ کی ووکیشن شروع ہے۔"



"ہاں۔"

"پھر؟"

"پھر؟"

جلالی کوئی جواب نہ دے سکے۔ مسز ہیرلڈ کے جانے کے بعد ناجیہ کا بندوبست کرنا اچھا خاصا الجھا ہوا مسئلہ تھا۔

صبح ناشتے کے بعد مسز ہیرلڈ جانے کے لیے تیار تھیں۔ جیہ اب بالکل ٹھیک تھی۔ بخار اتر چکا تھا۔ اضمحلال تو تھا لیکن کمزوری محسوس نہ ہوئی تھی۔ مسز ہیرلڈ کے ساتھ وہ لیونگ روم میں بیٹھی تھی۔

"مسز ہیرلڈ آپ ابھی نہ جاتیں تو اچھا تھا۔"

"بالکل اچھا نہیں تھا مائی ڈیئر۔" وہ مسکرائی۔ پھر اس نے اس کے بالوں پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ناجیہ۔ جو بات میں تمہیں کہنے والی ہوں۔ اس پر جلالی سے کئی بار ڈانٹ سن چکی ہوں لیکن کہوں گی ضرور۔"

جیہ نے بڑے تجسس سے اسے دیکھا۔ "کیا بات ہے مسز ہیرلڈ؟"

"میری بچی۔" مسز ہیرلڈ کے لہجے میں ممتا تھی، جیہ کا دل بھر آیا۔

"سوچ سمجھ سے کام لو۔" مسز ہیرلڈ نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "تم نے بہت جلد اور بڑا جذباتی فیصلہ کر لیا ہے۔ ٹھیک ہے تم بہت خوبصورت ہو، جوان ہو۔ تمہیں کئی آدمی مل سکتے ہیں۔"

جیہ نے سانس روک کر آنکھیں بند کر لیں۔ مسز ہیرلڈ کیا جانتی تھی کہ جیہ کو کئی کیا ایک آدمی بھی نہ مل سکا۔ خون کے رشتے ٹوٹ گئے تھے۔

"لیکن پیاری لڑکی! جلالی جیسا عظیم انسان کھو کر تم پچھتاؤ گی۔ میں صرف اس کی دولت سے تمہیں مرعوب کرنا نہیں چاہتی۔ بے شک یہ بھی درگزر کرنے والی چیز نہیں۔ دولت بے انتہا سہولتیں اور آسائشیں مہیا کرتی ہے۔ زندگی کو بڑا سہل بنا دیتی ہے۔ پھر بھی اس سے ہٹ کر کہوں گی کہ جلالی جیسا انسان تمہیں کہیں نہیں، کبھی نہیں ملے گا۔ وہ بس بے حد بدصورت ہے لیکن اس کے سینے میں جو دل ہے نا، کاش تم

اس کی قدر کر سکتیں۔"

جیہ نے سر صوفے کی پشت پر ڈال دیا۔

"تم اپنی مرضی کی مالک و مختار ہو۔ میں صرف نصیحت کر سکتی ہوں۔ اس پر عمل کرو نہ کرو، یہ تمہارا فعل ہے۔ بہر حال میں تو جارہی ہوں، دو چار دن تک تم بھی جانے والی ہو۔ کاش ان دو چار دنوں میں تم اپنا فیصلہ بدل سکو۔"

جیہ کی آنکھوں کے کونوں سے آنسو نکل نکل کر اس کی کانوں کی لوؤں کو بھگونے لگے۔

اسے روتے دیکھ کر مسز ہیرلڈ نے اس کی گردن میں بازو حمائل کر کے پیار کرتے ہوئے کہا۔ "شاید تمہیں میری باتیں پریشان کر رہی ہیں۔ خیر میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ تم بہت اچھی اور پیاری لڑکی ہو۔"

مسز ہیرلڈ نے اپنی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھ ڈالے۔ پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "مجھے دروازے تک رخصت کرنے نہ آؤ گی؟"

جیہ کے حلق میں پھندے پڑ رہے تھے۔ چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی لیکن ضبط سے کام لیتے ہوئے اٹھی۔

مسز ہیرلڈ نے اس کے گال کو بوسہ دیا۔ جواباً جیہ نے بھی اس کو پیار کیا۔ دونوں لیونگ روم سے باہر آنے کے لیے دروازے کی طرف بڑھیں۔

دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ جلالی اندر آگئے۔ انہوں نے بڑی خوبصورت تراش کا نیلا سوٹ پہن رکھا تھا۔ پھولدار ٹائی تھی اور ہلکی نیلی قمیض پہنی ہوئی تھی۔ لباس کے معاملے میں بھی ان کا ذوق بڑا بلند تھا۔

انہوں نے جیہ پر ایک نگاہ ڈالی۔ جیہ نے نظریں جھکا لیں۔ وہ مسز ہیرلڈ سے مخاطب ہوئے۔ "آپ جارہی ہیں؟"

"ہاں۔"

"ابھی؟"

"ہاں، میں ناجیہ کو گڈ بائی کرنے آئی تھی۔ میری فلائیٹ جانے میں صرف



آدھ گھنٹہ ہے۔"

جلالی نے اسے وش کیا اور پھر بولے۔ "ان کو یہاں رہنے پر اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

"میں نے پوچھا نہیں۔" مسز ہیرلڈ بولی۔

جلالی رخ دوسری طرف پھیرتے ہوئے بڑے ستے ہوئے لہجے میں بولے۔

"مسز ہیرلڈ اگر ناجیہ یہاں رہنا پسند نہ کریں تو ان کو باقی چند دن کسی ہوٹل میں ٹھہرانے کا بندوبست ہو سکتا ہے۔"

جیہ کے کلیجے کو دکھ کی تیز دھار نے کاٹ ڈالا۔ اسے جلالی پر غصہ بھی آیا۔

"کیوں ناجیہ؟" مسز ہیرلڈ نے اس سے پوچھا۔

"یہ میرا اپنا مسئلہ ہے مسز ہیرلڈ، میں خود ہی سوچوں گی کہ اسے کیسے حل کرنا ہے۔" جیہ نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ مسز ہیرلڈ کو باہر تک نہ چھوڑنے آنا ہوتا تو وہ اپنے کمرے میں دوڑ کر چلی گئی ہوتی۔

"ٹھیک ہے۔" جلالی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ بالکل بے تعلق اور بیگانہ بنے ہوئے تھے۔

"اچھا مسٹر جلالی۔" مسز ہیرلڈ نے فضا مکدر دیکھی تو ہاتھ جلالی کی طرف بڑھا دیا۔

"وقت پر واپس آجائیں گی نا، میں اکیلا نہیں رہ سکتا۔ آپ جانتی ہیں۔" جلالی نے گرمجوشی سے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کوئی شکایت نہ ہو گی مسٹر جلالی۔ مجھے آپ کی عادت سے اتنی ہی واقفیت ہو چکی ہے جتنی اک ماں کو اپنے بچوں کی عادتوں سے ہوتی ہے۔" مسز ہیرلڈ نے کہا۔

"شکریہ۔" مسٹر جلالی بولے اور پھر کن انکھیوں سے جیہ کو دیکھتے ہوئے مسز ہیرلڈ سے کہا۔ "عادتیں اچھی ہوں یا بری، ماں کو برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ آپ کو بھی میری ملی جلی عادتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔"

"میرے لیے آپ ایک عزیز اور فرمانبردار بیٹے ہیں۔"

"شکریہ۔"

"اچھا۔" مسز ہیرلڈ نے جیہ کی طرف بھی ہاتھ بڑھایا۔ جیہ نے اپنا بے جان سا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

دونوں ساتھ ساتھ چلتے بیرونی دروازے تک آ گئیں۔

خدا حافظ کے تبادلے کے ساتھ دونوں نے ایک دوسرے کو پیار کیا۔

جیہ وہیں کھڑی رہی اور جب تک مسز ہیرلڈ ہٹ کے اندر نہ چلی گئی، وہ اسے دیکھتی رہی اور ہاتھ ہلاتی رہی۔

وہ واپس پلٹی تو جلالی اس کی پشت پر کھڑے تھے۔ جیہ کے جسم میں سنسناہٹ سی ہوئی۔ ایک مرد کی قربت کی سنسناہٹ اور جلالی نے بھی شاید کوئی ایسی جذباتی لہر اٹھتی محسوس کی تھی۔ وہ جلدی سے اپنے بیڈ روم کی طرف چلے گئے۔ جیہ بھی اندر چلی گئی۔

-------O-------



"اب کہو ناجیہ بیگم صاحبہ کیا پروگرام ہے۔ واپس تو تم جا نہیں سکتیں۔ جا بھی نہیں رہیں۔ رہنا یہیں ہے۔"

اور

اگر رہنا یہیں ہے تو پھر جلالی کے متعلق کیا خیال ہے۔ کس رشتے سے یہاں رہنا ہے۔ جلالی تو تم سے بالکل ہی بدظن ہو چکے ہیں۔ تم نے انہیں ذلیل بھی تو کچھ کم نہیں کیا۔ انہیں انسان تو سمجھا ہی نہ تھا۔ کیوں؟ بدصورت ہیں تو کیا ہوا، انسان تو ہیں۔

ہاں

اب تو تم ان کی صورت سے کچھ کچھ مانوس بھی ہو چکی ہو۔ پہلے والا تاثر تو نہیں۔ سچ کہو۔

تو

تو کہہ دوں؟

کہہ دوں؟

تم ان سے مانوس ہی نہیں ہوئیں۔

انہیں چاہنے بھی لگی ہو۔ ان کی قربت کی متمنی ہو۔

کہو؟

کیا میرا تجزیہ غلط ہے۔

میں نے جھوٹ کہا ہے۔

سچی بات پر بوکھلا کیوں گئیں۔

بوکھلا کیوں گئیں۔

redroses@pakistanipoint.com

بوکھلا کیوں گئیں۔

جیہ واقعی بوکھلا گئی۔ انسان کے ذہن میں کیسی کیسی باتیں آتی ہیں، وہ کیا کیا سوچتا ہے۔ یہ باتیں باہر آجائیں۔ یہ سوچیں ننگی ہو جائیں تو کیا ہو!

جیہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ لیونگ روم میں بیٹھی تھی۔ مسز ہیرلڈ کے جانے کے بعد وہ یہاں آبیٹھی تھی۔ اسے سوچوں نے گھیر لیا تھا اور وہ آنے والے لمحوں کے لیے اپنے آپ کو تیار کر رہی تھی۔

اس کے اندر کی عورت نے جب اسے جانچا، پرکھا اور سچ بولا تو وہ بوکھلا گئی۔ اپنی ان سوچوں کو تو وہ برداشت نہ کر سکی تھی۔ یہ سوچیں عملی صورت میں جلالی کے سامنے کیونکر آسکتی تھیں۔

اپنا دھیان بٹانے کے لیے وہ گھر میں گھومنے لگی۔ گھر وہ پہلے بھی دیکھ چکی تھی لیکن اسے یوں لگتا تھا جیسے مسز ہیرلڈ کی بیساکھیوں کے سہارے وہ گھر میں گھومتی پھرتی ہے۔

اب مسز ہیرلڈ چلی گئی تھی۔

اسے سب کچھ خود ہی کرنا تھا۔

جلالی اور اس کے درمیان پل کا کام کرنے والی مسز ہیرلڈ اب نہیں تھی۔ رابطہ قائم کرنے کی ضرورت بھی موجود تھی۔

اس لیے اب اسے سب کچھ خود ہی کرنا تھا۔

وہ ہر کمرے میں گئی۔ ہر چیز کو دیکھا، کچھ چیزوں کی ترتیب بھی درست کی۔ پہلی بار اسے اس گھر میں اپنائیت کا احساس ہوا۔

یہ احساس بڑا ہی مسحور کن تھا۔

اور اس بات کا غماز بھی، مظہر بھی کہ اس نے جلالی کو قبول کر لیا تھا۔

وہ کوریڈور میں آئی۔ دائیں ہاتھ مڑنے والا راستہ جلالی کی خوابگاہ کو جاتا تھا۔ ادھر ہی ان کا آفس بھی تھا۔ اس کا دل بے اختیار چاہا کہ جلالی کی خوابگاہ میں جائے اور وہاں کی ایک ایک چیز کو چھو کر، پکڑ کر دیکھے۔



لیکن قدموں میں حجاب کی زنجیریں تھیں۔ وہ بے دھڑک کمرے میں نہ جا سکی۔

پھر خیال آیا، شاید جلالی اندر ہی ہوں۔ مسز ہیرلڈ کے جانے کے بعد شاید وہ بھی اپنے کمرے میں بیٹھے ہوں۔

وہ تیز قدموں سے لوٹ آئی۔ دوسرے دروازے سے باہر نکلی اور اس کے قدم ڈرائیو وے کی طرف اٹھنے لگے۔

جلالی کی گاڑی وہیں تھی اور وہ نئی گاڑی بھی جس کے متعلق مسز ہیرلڈ نے بتایا تھا کہ جلالی نے اس کے لیے خریدی ہے۔

وہ گاڑی کو تحسین و آفرین کی نظروں سے تکتی رہی اور دل ہی دل میں ارادہ کر لیا کہ وہ گاڑی چلانا سیکھے گی۔

"لیکن سیکھے گی کس سے؟" اس نے سوچا اور اسے یاد آگیا۔ مسز ہیرلڈ نے بتایا تھا کہ اسے ڈرائیونگ سکھانے کا بھی جلالی نے بندوبست کیا تھا۔

لیکن اب

وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر گاڑی کو دیکھنے لگی۔

جلالی سے وہ کیسے کہے گی کہ اسے گاڑی چلانا سیکھنا ہے۔

خیر

وہ سر جھٹک کر مڑی اور گھر کے چاروں طرف چکر کاٹ کر پچھلے جالی دار دروازے کو کھول کر اندر آگئی۔

یہ چھوٹا سا کمرہ تھا۔ شاید گیسٹ روم تھا۔ مہمان خانے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ایک بیڈ پڑا تھا۔ کرسی تھی۔ چھوٹی سی ٹیبل تھی جس پر پتھر کا لیمپ تھا۔ پردے میز کا رومال اور بیڈ کور ایک ہی طرح کے تھے۔ دائیں دیوار پر تصویریں تھیں۔ ضرورت کی اور چیزیں بھی قرینے سے رکھی تھیں۔

اس نے دروازے کو بند کیا اور اندر کھلنے والے دروازے کی طرف آئی۔

دروازہ ادھ کھلا تھا۔

اس نے اندر جھانکا۔

اور ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

ایک آرام دہ کرسی پر جلالی نیم دراز تھے۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے ہوئے تھے۔ ٹانگیں میز پر تھیں اور پیر وہ انتہائی اضطرابی انداز میں ہلا رہے تھے۔ دروازے کی طرف ان کی پشت تھی۔ سر کا پچھلا حصہ نظر آرہا تھا۔ وہ سگریٹ پی رہے تھے۔ سگریٹوں کے کئی جلے ادھ جلے ٹکڑے دائیں ہاتھ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے کے اندر باہر پڑے تھے۔ راکھ کی ہلکی سی تہہ چمکیلی میز کی سطح پر پڑی تھی۔ معلوم ہوتا تھا، وہ دیر سے اسی انداز میں لیٹ کر سگریٹ پی رہے تھے۔

جیہ پر بوکھلاہٹ تو پہلے ہی طاری تھی، گھبراہٹ میں پلٹی تو پاؤں گول میز سے الجھا اور پتھر کا لیمپ قالین پر آگرا۔

جلالی نے آہٹ سنی تو ایک دم کرسی سے سر گھما کر ادھر دیکھا۔

"کون؟" انہوں نے کہا۔

جیہ جواب کیسے دیتی، وہ لیمپ اٹھانے کو جھکی۔

اور جلالی دروازہ کھول کر اندر آگئے۔

"اوہ......" ان کے لبوں سے نکلا۔

"لیمپ گر گیا ہے۔" جیہ گھبراہٹ میں کہہ گئی۔

"کوئی بات نہیں۔" جلالی لیمپ اٹھانے کو جھکے۔

اور احتیاط کے باوجود۔

جیہ کے ہاتھ میں پکڑے لیمپ کو اٹھاتے ہوئے ان کا ہاتھ جیہ کے ہاتھ سے چھو گیا۔

تیز سی برقی رو جیسے جلالی کی رگ رگ میں دوڑ گئی۔ کچھ ایسا ہی کرنٹ جیہ نے بھی محسوس کیا۔

دونوں ہی نے گھبرا کر لیمپ کو چھوڑ دیا۔

لیمپ قالین پر پھر اوندھا گر گیا۔ جلالی سیدھے ہو کر کھڑے ہو گئے اور جیہ ... میں سما جانے کی کوشش کرنے لگی۔



"سوری۔" جلالی جلدی سے پلٹے اور دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ وہ سخت مضطرب معلوم ہوتے تھے۔ کمرے میں بھی رکنا مناسب نہ سمجھا۔ تیزی سے دوسری طرف سے باہر نکل کر اپنی خوابگاہ میں چلے گئے۔

جیہ کچھ سمجھ تو نہ پائی کہ کیا ہوا ہے۔ انہوں نے سوری کیوں کہا ہے اور تیزی سے کمرے سے نکل کیوں گئے ہیں لیکن نہ سمجھنے کے باوجود اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ لذت کا احساس سارے وجود پر چھا گیا۔ وہ اٹھی تو لہرا گئی۔ یوں جیسے نشے میں ہو۔

اپنے کمرے میں آکر وہ دھم سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

پھر جانے کیا خیال آیا۔ ڈریسنگ روم میں چلی گئی اور الماری کھول کر کپڑے دیکھنے لگی۔ اس نے جوگیا رنگ کی مہین اور خوبصورت ساڑھی نکال کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے آئینے میں دیکھا۔ اپنی آنکھوں میں سپنے ڈولتے محسوس ہوئے۔ وہ جانے کیوں شرما گئی۔ اس نے ساڑھی پہنی۔ اپنے خوبصورت جسم کے ہر ابھار کو ساڑھی میں لپیٹ کر بھی نمایاں کیا۔ بالوں کا جوڑا بھی اس نے کسی روایتی کہانیوں کی جوگن کی طرح بنایا۔ کافی دیر وہ میک اپ کی چیزیں لیے ٹیبل کے سامنے بیٹھی رہی۔ آج پہلی بار اس نے پوری دلچسپی اور توجہ سے میک اپ کیا۔

تیار ہو کر اس نے ہر زاویے سے اپنا آپ آئینے میں دیکھا۔ وہ واقعی کوئی حسین جوگن لگ رہی تھی۔

وہ بیڈ روم سے نکلی اور دائیں طرف کے بیرونی دروازے کی طرف گئی۔ دروازہ کھول کر وہ لان میں آگئی اور ساڑھی سے ملتے جلتے رنگ کا گلاب بالوں میں لگانے کے لیے پودوں کی روش کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

بڑا سا گلاب کا اورنج پھول اسے نظر آگیا۔ وہ لپک کر ادھر گئی اور ادھ کھلا اورنج پھول احتیاط سے شاخ سے توڑ لیا۔

واپس اندر آکر آئینے کے سامنے اس نے اپنے سر پر بنے ابھار نما گول جوڑے میں بڑی خوبصورتی سے پھول اڑس لیا۔

وہ کتنی ہی دیر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتی رہی۔ اس کا من بڑی شوخی سے
مسکرا رہا تھا۔

تیار ہو کر وہ پھر لابی میں آ گئی۔ گھڑی پر نگاہ ڈالی، لنچ کے لیے ابھی کافی وقت
تھا۔ اس نے آج لنچ خود ہی بنانا تھا۔ جلالی کے ساتھ لنچ کرنے کا تصور کپکپی پیدا کرنے
والا تھا۔

وہ کچن میں چلی آئی۔

اور یونہی کبھی فریج کھولا، کبھی برتن دیکھے۔ کبھی اوون کا پٹ اٹھایا۔ کھانے پینے
کی چیزوں سے فریج بھرا ہوا تھا۔ ٹین فوڈ بھی تھا۔ مرغی گوشت، قیمہ اور سبزیاں بھی، پنیر
کے ڈبے۔ انڈے، دودھ، دہی ہر چیز رکھی تھی۔ پھل کی باسکٹ بھی بھری ہوئی تھی۔

"آج کیا پکانا چاہیے؟" اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

کھانا پکانے کی وہ ماہر تو نہ تھی لیکن کبھی کبھی شامی کباب بنا لیتی تھی۔ مرغ
روسٹ کرنا بھی آتا تھا اور بیسن لگا کر پنیر بھی کبھی کبھی تل لیا کرتی تھی۔

کئی دنوں سے وہ مسز ہیر لڈ کے ہاتھ کا بنا ہوا غیر ملکی انداز کا پکا ہوا کھانا کھا رہی
تھی۔ یہ کھانے اچھے تھے لیکن اس کو مزہ نہیں دیتے تھے۔ زبان ان کی عادی نہ ہوئی
تھی۔ دوسرے وہ کون سا ان کے ذائقے کے متعلق سوچتی تھی یا دلچسپی لیتی تھی۔ وہ تو
کھانا پیٹ بھرنے کو کھاتی رہی تھی۔

آج اس نے لنچ کا مینو بنایا۔ ساری چیزیں پاکستانی بنانے کا سوچا۔

مسز ہیر لڈ نے اسے بتایا تھا کہ جلالی کو پاکستانی کھانے بہت مرغوب ہیں۔

وقت ابھی کافی تھا۔ اس لیے وہ کچن سے باہر آ گئی۔

بیکار وقت گزارنا ہی کب تھا۔ اس کو امی اور ابو کا خیال آ گیا۔ ان کے خطوط کا
جواب اس نے ابھی نہیں لکھا تھا۔

"کیوں نہ خط لکھ لوں؟" اس نے سوچا۔ "پھر اطمینان سے کھانا بناؤں گی۔"

خط لکھنے کے لیے اس کے پاس قلم تھا نہ پیڈ۔ لفافہ بھی نہیں تھا۔ اسے افسوس
[illegible] قلم، کاغذ اور لفافہ منگوالیا ہوتا۔ اب مسز ہیر لڈ نہیں



تھی اور اسے خط بھی لکھنا تھا۔

تو کیا جلالی سے خود جا کر لفافہ مانگنا کوئی بری بات تھی؟

"نہیں۔"

اس کے دل نے کہا اور پھر دل اور حوصلے کو مضبوط کر کے وہ جلالی کے کمرے
کی طرف گئی۔ کئی دفعہ اس کے قدم ڈگمگائے، کئی دفعہ ارادہ ڈانواں ڈول ہوا، پھر بھی اس
نے ہمت کر ہی ڈالی۔

آخر اسے یہیں رہنا تھا۔ اب تو رابطے کا پل مسز ہیر لڈ بھی نہ تھی۔ خود ہی ان
سے کچھ کہنا تھا۔

لیکن جھجک بار بار قدم روک رہی تھی۔ اس پر جلالی کا رویہ کون سا مہر و محبت لیے
تھا۔ وہ تو اپنی طرف سے سارے تعلقات قطع کر چکے تھے۔ اس دن کا انتظار تھا، جب
کاغذات مکمل ہو کر آ جائیں اور وہ ٹکٹ خرید کر جیہ کو واپس بھیج دیں۔

واپس

جیہ نے سر نفی میں ہلایا اور بڑی جرأت سے وہ جلالی کے کمرے کی طرف بڑھ
گئی۔ دروازہ کھلا تھا اور جلالی راکنگ چیئر پر بیٹھے آنکھیں بند کیے سگریٹ پی رہے تھے۔

آج تو وہ سگریٹ پر سگریٹ پھونکے جا رہے تھے۔

جانے جیہ میں کہاں سے ہمت آ گئی۔ اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"کون؟" جلالی نے گردن موڑ کر کہا۔

"اوہ۔"

جیہ کو دروازے میں کھڑے دیکھ کر وہ جلدی سے کرسی سے اٹھ کھڑے
ہوئے۔ حیرانی ہی حیرانی تھی کہ وہ ان کے بیڈ روم تک کیسے آ گئی اور آئی بھی تو اس
قیامت کے انداز میں، انہیں یوں محسوس ہوا جیسے کوئی جوگن سدا کا جوگ لینے سے پہلے
زندگی سے زندگی چھین لینے آئی ہو۔

"مجھے قلم اور کاغذ چاہیے۔" جیہ ان کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ اتنے دنوں سے
وہ ساتھ تھی لیکن اس نے پوری طرح نظر بھر کے جلالی کا چہرہ نہیں دیکھا۔ پہلے ہی دن

کچھ ایسی خوفزدہ ہوئی تھی کہ پھر ان کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

جلالی میز کی طرف مڑے اور قلم اٹھایا۔ پھر کاغذوں میں سے پیڈ نکالا۔

"کوئی لفافہ بھی۔" جیہ نے کہا۔

"لفافہ؟"

"پاکستان بھیجنے کے لیے ڈاک کا لفافہ۔"

"ٹکٹ والا لفافہ تو نہیں ہے، سادہ ہے۔ لکھ دیں، پوسٹ ہو جائے گا۔"

جلالی نے کاغذ اور قلم اس کی طرف بڑھایا۔

دروازے میں کھڑے کھڑے جیہ نے دونوں ہاتھ بڑھا کر قلم اور پیڈ پکڑ لیا۔

جلالی بڑے محتاط تھے۔ پھر بھی ان کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ تھی۔

"شکریہ۔" جیہ دونوں چیزیں لے کر واپس آ گئی۔

جیہ نے اک گہری ٹھنڈی آہ لی۔ اپنے ان پیارے والدین ہی کے لیے اس نے قربانی دی تھی۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا۔ ابا مستقلاً چڑے رہتے تھے۔ اماں کی آنکھوں میں دکھ کے سائے ہمیشہ رینگتے نظر آتے تھے۔

جیہ نے انہیں بے پناہ خوشیاں دی تھیں۔ اپنا من مار کر ان کے لیے اتنا کچھ کیا تھا۔ کاغذ پر گھسیٹی ہوئی بے جان سطریں پکار پکار کر اعلان کر رہی تھیں۔

وہ تانو باجی کو خط لکھ رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ قلم ہاتھ میں پکڑے پیڈ میز پر رکھ کر دروازے کے قریب ہوئی۔ ذرا سا کھولا۔

جلالی کے ہاتھ میں میل کا لفافہ تھا۔

"کاغذوں میں سے ایک لفافہ مل گیا ہے۔" انہوں نے لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ۔" اس نے لفافہ لے لیا۔

جلالی دروازے سے ہٹ گئے اور وہ تانو کو خط لکھنے میں مصروف ہو گئی۔ شادی اور شب عروسی کی اس نے اپنے تاثرات کے بالکل برعکس ایسی مکمل تصویر کھینچی کہ پڑھ کر خود ہی اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ "کاش ایسے ہی ہوتا۔"



اس نے دکھ سے سوچا لیکن اس نے زیادہ جذباتی اظہار نہیں کیا۔ آنکھوں کو انگلی کی پور سے صاف کیا اور خط لفافے میں ڈال کر اس پر پتہ لکھ دیا۔

اس نے جانے کن جذبوں کے تحت خط کو ہونٹوں سے لگا لیا اور ضبط کے باوجود اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

--------O-------

pakistanipoint@redroses

جیہ نے گھڑی دیکھی۔

"اوہ۔ بارہ بجنے والے ہیں اور مجھے تو ابھی لنچ بنانا ہے۔"

اس نے میگزین ایک طرف رکھ دیا اور کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ خط لکھنے کے بعد وہ میگزین دیکھنے لگی تھی۔ ایک چھوٹی سی کہانی پڑھ کر وہ بڑی متاثر ہوئی تھی۔ ایک لڑکی نے اپنے محبوب کی خاطر کیا کچھ کیا تھا۔ اتنے موثر انداز میں لکھا تھا کہ جیہ اپنے آپ کو اس کردار کے فریم میں رکھ کر دیکھتے ہوئے ندامت سی محسوس کرنے لگی۔

اک نئے ولولے اور پُرجوش جذبات کے ساتھ وہ کرسی سے اٹھی۔ جلالی کے لیے کھانا بنانے کا اس نے پہلے بھی سوچا تھا، اب اہتمام سے کھانا بنانے کے خیال سے وہ کچن میں آئی۔ کچن کے دروازے کے اندر آتے ہی اس کی نظر جلالی پر پڑی۔

وہ بائیں ہاتھ رکھی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ پلیٹ میں سینڈوچ اور ابلا ہوا گوشت رکھا تھا۔ ایک گلاس دودھ سے بھرا ہوا ساتھ ہی رکھا تھا۔ وہ سینڈوچ کھا رہے تھے اور دودھ کا گلاس اٹھانے ہی کو تھے کہ جیہ کے اندر آنے پر ہاتھ روک لیا۔ جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

جیہ کا پروگرام درہم برہم ہو گیا۔ اسے جلالی پر غصہ بھی آیا۔ اتنے بے تعلق اور بیگانہ بن گئے تھے۔ اخلاقاً بھی انہیں جیہ کا کھانے پر انتظار کرنا چاہیے تھا۔ آج تو مسز ہیرلڈ بھی نہیں تھی اور وہ جانتے تھے کہ کھانا جیہ نے بھی کھانا ہے۔ کھانا ہی نہیں پکانا بھی ہے۔

"آیئے۔" جلالی نے کہا۔

وہ قدم بڑھا کر اندر آ گئی۔ وہ بالکل چپ تھی۔



"خط لکھ چکیں۔ میں باہر جا رہا ہوں، چاہیں تو دے دیں، پوسٹ کر دوں گا۔"

جیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔

"کھانے پینے کی چیزیں آپ کو مل جائیں گی۔ مسز ہیرلڈ کے جانے کے بعد آپ کو زحمت تو ہو گی......"

جیہ نے بڑی غصیلی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ جلالی گھبرا کر بولے۔ "میں آج ہی کچھ نہ کچھ بندوبست کر لوں گا۔ مسز ہیرلڈ کی واپسی تک کسی اور عورت کو انگیج کر لوں گا۔ شاید...... شاید آپ کو ابھی دو تین ہفتے اور یہیں رکنا پڑے۔"

جیہ نے پھر ان کی طرف دیکھا۔

"یقین کریں۔ میری ہر کوشش کے باوجود کام جلدی نہیں ہو رہا۔ ایک دن پہلے تک یہی خیال تھا کہ سارا کام اس ہفتے کے آخر میں ہو جائے گا لیکن آج پتہ چلا ہے کہ متعلقہ افسر چھٹی پر چلا گیا ہے اور معاملہ نئے سرے سے......"

جیہ نے ایک لمحہ کو ان کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور پھر جلدی سے منہ پھیر لیا۔ وہ جاننا چاہ رہی تھی کہ جلالی سچ کہہ رہے ہیں یا بہانہ ہے، اسے زیادہ سے زیادہ قریب رکھنے کا لیکن وہ ان کی طرف زیادہ دیر دیکھ ہی کب سکتی تھی، جائزہ کیا خاک لیتی۔

اس نے منہ پھیر لیا تھا۔

اور

جلالی اس کے جذبات سے بے خبر اسے اپنی تذلیل سمجھتے ہوئے سینڈوچ کی پلیٹ اور دودھ کا گلاس اٹھاتے ہوئے کچن سے جانے لگے۔

"معاف کیجیے گا۔ آپ کو آج کئی بار میرا سامنا کرنا پڑا۔" جلالی کی آواز دکھ بھری تھی۔ "میری تو یہی کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے سامنے نہ آؤں لیکن مسز ہیرلڈ کے جانے کے بعد کام......"

جلالی چند لمحوں کے لیے رک کر جیہ کی پشت کو دیکھنے لگے۔ وہ اب بھی رخ موڑے کھڑے تھی۔

"میں آج ہی کسی عورت کا بندوبست کر لوں گا۔ آپ ویسے بھی اکیلی بور

ہوتی ہوں گی۔ کسی عورت کے آجانے سے آپ کو کمپنی مل جائے گی......"

"شکریہ۔" تڑاخ سے جیہ بولی اور کاؤنٹر پر رکھا فرائنگ پین زور سے اٹھا کر پٹخ دیا۔ اس نے سوچا کچھ اور تھا اور ہوا کچھ......

جلالی جلدی سے کمرے سے نکل گئے۔ ڈر گئے کہ کہیں جیہ پھر کوئی جذباتی ہنگامہ نہ کھڑا کر دے۔

سینڈوچ زہر مار کر کے انہوں نے دودھ کا گلاس پی کر خالی برتن لابی میں پڑی ایک میز پر ہی رکھ دیئے۔ وہ کچن کی طرف جانے کی جرأت ہی نہ کر سکے۔

جیہ کئی لمحے گم صم کھڑی رہی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ کچن کی ساری چیزیں کھنکھناتی رہی۔ اس کا جی کچھ پکانے کو قطعاً نہیں کر رہا تھا۔ کھانے کی خواہش بھی نہ رہی تھی۔

وہ میز کے گرد بچھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ کہنیاں میز پر ٹکا کر ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

اسے کیا کرنا چاہیے تھا؟

جلالی کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیے تھا؟

کیا اپنی انا کو پس پشت ڈال کر جلالی سے اپنے کیے کی معافی مانگ لینا چاہیے تھی؟

سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا لیکن وہ کوئی فیصلہ بھی نہ کر سکی۔

"حالات کو ان کے دھارے پر بہنے دیا جائے تو اچھا ہے، جو ہوگا دیکھ لیا جائے گا۔"

اس کے دماغ نے رائے دی۔

اسے اس رائے سے کچھ سکون ملا۔ وہ کرسی سے اٹھی۔ فریج کھولا اور گوشت، ٹماٹر، پیاز اور آلو نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیئے۔ رات کے لیے کھانا وہ ابھی سے بنا دینے کا سوچنے لگی۔ پنیر کا ڈبہ اور ٹن مٹر بھی اس نے نکالے۔

کھانا بنانے سے پہلے ہی اسے بھوک لگ اٹھی۔ صبح اس نے صرف ایک ٹوسٹ اور انڈا کھایا تھا۔

اس نے پھر فریج کھولا۔ ایک خانے میں سینڈوچ اور ابلا ہوا ٹھنڈا گوشت رکھا



تھا۔ غالباً یہی لنچ جلالی نے کیا تھا۔

جیہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ لنچ وہ یقیناً ناجیہ کے لیے بنا چکے تھے۔ جیہ نے پلیٹ نکال لی۔ دودھ کا گلاس اوون میں رکھا اور میز پر آ بیٹھی۔

ڈرائیو وے سے اسے گاڑی سٹارٹ کرنے کی آواز آئی۔ جلالی باہر جا رہے تھے۔ جیہ نے اٹھ کر مغربی دریچے سے نیچے دیکھا۔ وہ گاڑی سٹارٹ کر رہے تھے۔

اسے اپنے خط کا خیال آیا۔ "آج ہی پوسٹ ہو جائے تو اچھا ہے۔"

اس لیے وہ جلدی سے کچن سے باہر نکلی۔ بھاگی بھاگی کمرے میں آئی اور خط اٹھا کر کوریڈور کی طرف گئی۔

بیرونی دروازے سے باہر نکلی ہی تھی کہ جلالی گاڑی نکال کر ادھر آ گئے۔ جیہ کے ہاتھ میں پکڑا لفافہ دیکھ کر انہوں نے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا دیا۔ جیہ آگے بڑھی۔ لفافہ اس کے ہاتھ ہی میں رہا۔

"لائیے میں پوسٹ کر دوں گا۔" جلالی نے شیشے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"میں......" جیہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"اعتماد کریں، خط پوسٹ کر دوں گا۔ شاید آپ سمجھتی ہیں کہ میں اسے پڑھنے کی کوشش کروں گا۔" جلالی نے طنزیہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"لائیے نا، مجھے دیر ہو رہی ہے۔" جلالی نے تلخی سے کہا۔

جیہ مرے مرے قدموں سے آگے بڑھی اور خط جلالی کی طرف بڑھا دیا۔ جلالی نے خط لے کر سامنے رکھ دیا اور اک گہری سانس لیتے ہوئے بولے۔ "اس نوشتۂ تقدیر کے متعلق جاننے کا تجسس مجھے ضرور ہے لیکن میں...... اطمینان رکھیں، اسے کھولوں گا نہیں۔"

"کھول لیں۔" جیہ نے قدرے رخ موڑتے ہوئے کہا۔ "میرے فیصلے کا بھی آپ کو پتہ چل جائے گا۔"

جلالی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھا۔

وہ ان کی طرف کمر کر چکی تھی۔

"فیصلے کا تو پتہ ہی ہے۔" جلالی نے دھیمی آواز میں کہا۔ پھر بولے۔ "یہ آپ کا اور آپ کے گھر والوں کا معاملہ ہے۔ مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔"

وہ گاڑی نکال کر لے گئے۔

جیہ نے پلٹ کر دیکھا۔

"ہونہہ۔" اسے جلالی کی باتوں سے ہتک محسوس ہوئی۔ غصے سے پاؤں پٹختی ہوئی اندر چلی آئی۔ ایک بار پھر اس کا ذہن چکرا رہا تھا۔

"وہ کیا کرے؟"

یہ سوال چکراتے ذہن میں چکر لگا رہا تھا۔

پھر وہ کچن میں چلی آئی۔

اور

اپنی ذہنی اور دماغی صلاحیتوں کو مجتمع کر کے صورتحال کا جائزہ لینے لگی۔ سینڈوچ، گوشت اور دودھ کا لنچ کرتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے گی اور جلالی کے ذہن میں اس کی طرف سے جو خدشے بیٹھ چکے ہیں، جو تاثرات جامد ہو چکے ہیں۔ خدمت گزاری، محبت اور نرم روی سے ختم کر دے گی۔

لیکن وہ تو جذباتی سی لڑکی تھی۔

کیا وہ صبر و تحمل کا صبر آزما مظاہرہ کر بھی سکے گی؟

پھر وہی فیصلہ ہوا۔ "جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔"

اور

وہ رات کے لیے کھانا بنانے لگی۔ پاکستانی ڈشیں جو بھی اسے آتی تھیں، ان میں سے بہترین کھڑے مصالحے کا گوشت، شامی کباب اور چاولوں کی کھیر ہے۔

وہ بڑے انہماک سے چیزیں بنانے لگی۔

اناڑی تھی۔ گھر پہ بھی اس نے کبھی باورچی خانے کو نہیں دیکھا تھا۔ تانو کے آجانے سے تو اس کی کبھی کبھار والی ڈیوٹی بھی ختم ہو گئی تھی۔ پیڑھی پر بیٹھ کر تیل کے چولہے پر مٹی اور تانبے کی دیگچیوں میں پکانا تو اسے کبھی بھی اچھا نہ لگا تھا۔ اپنی دو ایک



امیر سہیلیوں کے کچن اور ان میں سجے برتن دیکھ کر اس کے دل میں احساس کمتری چٹکیاں لیا کرتا تھا۔

لیکن

آج وہ جدید قسم کے جدید ترین آلات سے آراستہ، سہولت کی ہر چیز سے مزین بلور، کانچ اور چینی کے نفیس برتنوں سے بھرا، نان سٹک دیگچیوں اور پرنٹیڈ پینز والا کچن جس میں بھوک بڑھا دینے والے رنگ استعمال ہوئے تھے، جس میں نفیس پردے لہرا رہے تھے اور انہی کے ہم رنگ قالین بچھا ہوا تھا جس میں برتن دھونے کے لیے ڈش واشر تھا اور ہر کام کے لیے الیکٹرک انسٹرومنٹ تھے۔

وہ اس کچن میں کھڑی تھی۔

یہ اس کا تھا۔

اس کا اپنا۔

"اگر وہ واقعی جلالی سے قطع تعلق کر لے تو؟" اس نے گھبرا کر سوچا اور گھبراہٹ اور بھی زیادہ ہو گئی۔ جب اس نے یہ سوچا کہ اگر جلالی قطع تعلقی پر اڑ ہی گئے تو......

اس کی سوچیں شاید زیادہ ہی اذیت ناک ہو جاتیں۔

کہ

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے کاؤنٹر پر چیزوں کو گڈمڈ کرنے سے کافی اودھم مچا رکھا تھا۔ چھلکے، سبزیاں، گوشت، پنیر بہت کچھ وہیں پڑا تھا۔ کچھ چیزیں چولہے پر چڑھا دی تھیں۔ وہ اتنی مصروف نظر آ رہی تھی جتنی کوئی گھریلو اور امور خانہ داری کی ماہر عورت پچاس آدمیوں کا کھانا بناتے وقت بھی نہ آتی ہو گی۔

فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے پیپر نیپکن سے اپنے ہاتھ پونچھے اور فون اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" جیہ نے کہا۔

"جلالی۔" جلالی کی انتہائی خوبصورت اور نغمہ بار آواز سنائی دی۔ ان کی آواز

خوبصورت تھی۔ فون پر تو بے حد اچھی لگ رہی تھی۔

"جیہ۔" جیہ نے مختصراً کہا۔

"خط پوسٹ کر دیا ہے۔"

"شکریہ۔"

"آپ گھر پہ اکیلی بور ہو رہی ہوں گی۔"

"پھر؟"

"میں اپنے منیجر مسٹر ہڈسن کو بھیج رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

"آپ ان کے ساتھ باہر گھوم آئیں۔ کچھ وقت تو گزر جائے گا۔"

جیہ کا جی چاہا۔ ریسیور جلالی سامنے ہوں تو ان کے منہ پر دے مارے لیکن ضبط سے کام لے کر بولی۔ "اس زحمت کی ضرورت نہیں۔"

"ناجیہ بیگم صاحبہ! میں نے آپ کو بتایا ہے کہ شاید یہاں آپ کا رکنے کا عرصہ دو تین ہفتوں پر پھیل جائے۔ اس لیے، یہ دن......"

"سیر و تفریح کر لوں۔"

جیہ کے طنز کو جلالی نے محسوس کیا۔ آہستگی سے بولے۔ "حالات کچھ بھی ہوں۔ آپ میرے گھر میں ٹھہری ہوئی ہیں۔ مہمانداری میرا فرض ہے۔ اسے مہمانداری ہی سمجھئے کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ بور ہوتی رہیں۔"

"بور تو آپ نے کر رکھا ہے۔" جیہ کے لبوں سے بے اختیار نکل گیا اور جلالی کے کلیجے میں جیسے کسی نے زہریلا نشتر چبھو ڈالا۔ بے بسی سے بولے۔

"معذرت خواہ ہوں۔ احساس تو مجھے بھی ہے لیکن کر کچھ نہیں سکتا۔"

"یہ کر سکتے ہیں کہ مسٹر ہڈسن کو بھیج دیں تا کہ وہ مجھے گھما پھرا سکے۔" جیہ کے لہجے میں کاٹ تھی۔

"یقین کریں، صرف آپ کی تنہائی کے احساس سے پوچھا ہے۔" وہ بولے۔

"میں اتنی ایڈوانس نہیں ہوں کہ اک غیر آدمی کے ساتھ گھومتی پھروں۔"



جیہ نے جلتے لہجے میں کہا۔

اور جانے کیسے اور کیوں جلالی کے منہ سے نکل گیا۔ "کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ رہ بھی تو اک غیر آدمی کے ساتھ رہی ہیں۔ غیر آدمی جو ناپسندیدہ بھی ہے۔"

جیہ نے جواب دینے کی بجائے فون بند کر دیا۔ اس چوٹ سے وہ تلملا اٹھی۔

--------O-------

pakistanipoint.com
redroses@

جلالی رات گئے گھر واپس لوٹے۔ ناجیہ کی تنہائی کا احساس تو تھا لیکن اس سلسلے میں وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ گھر میں جیہ کے ساتھ رہتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ ڈر جیہ سے بھی لگتا تھا اور اپنے آپ سے بھی۔ اصولوں اور قانونوں کی زنجیروں میں تو انہوں نے اپنے آپ کو جکڑ رکھا تھا لیکن کبھی کبھی تنہائی میں جیہ کی قربت کا خیال سلگنے لگتا۔ ان کے اندر کا انسان بڑے وحشیانہ انداز میں انہیں جھنجوڑ ڈالتا۔ اپنے تقاضے پورے کرنے کا تقاضا اتنی شدت سے کرتا کہ جلالی بے بسی کی آخری حدوں کو چھونے لگتے۔ ایسے میں وہ فوراً ہی اپنے آپ کو کسی اور طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے۔ گھر سے باہر نکل جاتے یا ہٹ میں چلے جاتے۔

ان کی جان شکنجے میں آئی ہوئی تھی۔ انہیں محسوس ہوتا جیسے وہ ایسے پینچے پر ٹنگے ہیں جس کے نیچے مسلسل آگ جل رہی ہے۔

لیکن

ایک بات تھی۔

اس ایذا سے کچھ لذت کے پہلو بھی نکلتے تھے۔ دھوپ چھاؤں کا کھیل انوکھا اور پیارا بھی لگ رہا تھا۔ جیہ نے جہاں زندگی کو دکھ بخش دیئے تھے، وہاں ان دکھوں کو لذت آشنا بھی بنا دیا تھا۔

جیہ کی ناپسندیدگی اور تنفر کا عملی مظاہرہ انہوں نے پہلے دن ہی دیکھ لیا تھا۔ اب بھی انہیں یہی احساس تھا کہ وہ ان سے بیزار و متنفر ہے۔ انہیں رتی بھر بھی احساس نہیں تھا کہ قربت کے لمحوں نے جیہ کے نسوانی جذبات کو چھیڑ رکھا ہے۔ اس کی مجبوریوں نے اسے جکڑ دیا ہے اور وہ...... وہ ان کے متعلق اب نئے ڈھنگ سے سوچنے لگی ہے۔



جلالی سمجھتے تھے کہ جیہ واپس جانے کا جو فیصلہ کر چکی ہے، اس پر پوری طرح قائم ہے۔ ہفتے دو تین لگ جائیں لیکن وہ چلی ضرور جائے گی۔

وہ چلی ضرور جائے گی لیکن انہیں اتنا علم تھا کہ وہ ان کے دل میں کچھ اس طرح گھر کر چکی ہے کہ چلے جانے کے باوجود برسوں ان کی یادوں میں بسی رہے گی اور ہزار کوشش کے باوجود وہ اسے یادوں کا حصہ نہ بنانے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ اس شادی سے پہلے مس ونیٹنا ان کی دوستی کا دم بھرتی تھی اور سنجیدگی سے شادی پر آمادہ تھی۔

اسی طرح ایک میکسیکن لڑکی بھی جو شادی کے ایک سال کے بعد بیوہ ہو گئی تھی، ان سے شادی کرنے کی خواہشمند تھی۔ یہ عورت خود بھی بے انتہا امیر تھی۔ اپنے خاوند کے وسیع کاروبار کو خود چلا رہی تھی اور اس کا دفتر بھی جلالی کے دفتر کے قریب ہی تھا۔

یہ دونوں ان کی بدصورتی کو نظر انداز کرتے ہوئے شادی کی خواہش مند تھیں اور جلالی چاہتے تو یہ اب بھی اپنے فیصلے پر قائم تھیں لیکن انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اب وہ کسی دوسری عورت کی طرف راغب ہو ہی نہیں سکیں گے۔

یہ دل جو ہے نا۔

بڑا ہی بدخو اور اکھڑ ہوتا ہے۔ جو شے پسند کے چوکھٹے میں فٹ ہو جائے، اس کے سوا کسی کو قریب ہی پھٹکنے نہیں دیتا۔ اپنی پسند دیکھتا ہے اور پسندیدہ شے پر اپنی برتری ٹھونسے چلا جاتا ہے۔

اس دل کے ہاتھوں جلالی پٹ رہے تھے۔ ایک طرف وقار کا مسئلہ تھا۔ دوسری طرف یہ بدتمیز سا دل۔ بس پسے جا رہے تھے۔

رات جب وہ واپس آئے تو جیہ کے کمرے کی بتیاں روشن تھیں۔ ان کے خیال کے مطابق اسے سو جانا چاہیے تھا۔

لیکن وہ جاگ رہی تھی۔ غصے سے پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ گھر میں اسے ڈر بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی طرف کے سارے دروازے بند کر لیے تھے۔ غصہ تو اسے جلالی پر آ رہا تھا۔ کہاں تو اس کے تنہا ہونے کا اتنا خیال کہ مسٹر ہڈسن کو بھیجا جا رہا تھا۔

اور کہاں یہ عالم کہ رات کا دل ڈوبا جا رہا تھا اور وہ اکیلی بیٹھی تھی، کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ جلالی کے لیے تیار کیا ہوا کھانا انہیں کھلانے کے انتظار میں لمحہ لمحہ کٹھن کی منزل بنائے دھکیل رہی تھی۔

وہ ان سے مانی ہی کب تھی مگر اب سنجیدگی سے روٹھ گئی تھی۔

جلالی کی گاڑی ڈرائیو وے پر آتے، اس نے کچن کی پچھلی کھڑکی سے دیکھی تھی۔ پھر اس نے لیونگ روم میں آنے والا دروازہ بھی کھول دیا تھا۔

لیکن جلالی اپنی خوابگاہ میں چلے گئے تھے۔

جیہ تلملاتی رہی تھی۔

اسے سمجھ نہ آرہا تھا کہ جلالی کو کیسے متوجہ کرے۔ اسے کیسے احساس دلائے کہ ان کی خاطر اس نے پوری دوپہر صرف کر کے کھانا بنایا ہے اور رات کے ان ڈوبتے لمحوں میں بھی آنکھوں میں انتظار لیے ان کی راہ تک رہی ہے۔

اس نے زور سے ٹیبل گھسیٹی۔ ان بریک ایبل گلدان گرایا۔ پھر کال بیل بجائی جس کا کنکشن کچن میں تھا۔

لیکن

جلالی ادھر نہیں آئے۔

جیہ کو بھول گیا تھا کہ سارے کمرے ساؤنڈ پروف ہیں اور ان کی کھٹ پٹ کی آواز جلالی تک پہنچ ہی نہیں پاتی۔

صبح جلالی حسب معمول اٹھ گئے۔ سگریٹ کے کش لیتے ہوئے وہ کچن کی طرف آگئے۔ بڑے دبے قدموں سے وہ لیونگ روم اور جیہ کے بیڈروم کے قریب سے گزرے۔

انہیں بیڈ ٹی لینے کی عادت تھی۔ مسز ہیرلڈ نہیں تھیں، اس لیے چائے خود ہی بنانی تھی۔ انہوں نے چائے کا پانی کیتل میں جوشایا دودھ کے لیے فریج کھولا۔ کھیر کا پیالہ سامنے ہی رکھا تھا۔

کھیر انہیں بے حد پسند تھی۔ کبھی کبھی شوالی سے کہہ کر وہ کھیر بنوایا کرتے



تھے۔ شوالی کو انہوں نے کھیر بنانے کا ماہر قرار دیا ہوا تھا۔

یہ کھیر کہاں سے آئی؟

کیا ناجیہ نے بنائی تھی؟

یقیناً ناجیہ نے ہی بنائی ہوگی۔

وہ پیالہ ہاتھ میں لیے سوچ رہے تھے۔

"تو کل جیہ باورچی خانے میں مصروف رہی ہے۔" انہوں نے سوچا اور پیالہ واپس رکھ کر فریج کی تلاشی لینے لگے۔

ایک پلیٹ میں شامی کباب رکھے ہوئے تھے۔ یہ بھی ناجیہ نے بنائے تھے۔

پھر انہوں نے فریج بند کر کے پورے کچن کا جائزہ لیا۔ چیزوں کی ترتیب بدلی ہوئی تھی۔ یقیناً کل جیہ نے کچن میں بڑا مصروف وقت گزارا تھا۔

اوون میں کھڑے مصالحے کا گوشت بھی تھا۔ پلاؤ بھی تھا اور ایک دوسرا سالن بھی پڑا تھا۔

چائے کی پیالی بنا کر جلالی ٹیبل پر آن بیٹھے۔

"یہ ساری چیزیں جیہ نے بنائی تھیں۔ کاش یہ سارا اہتمام اس نے میرے لیے کیا ہوتا۔"

گھونٹ گھونٹ چائے حلق سے اتارتے ہوئے انہوں نے دکھ سے سوچا۔

چائے پی کر وہ اپنے بیڈروم میں چلے آئے اور آج جو جو کام کرنے تھے، ان کی فہرست بنانے لگے۔ کچھ اپنے دفتر کے ضروری کام تھے اور کچھ ناجیہ کی واپسی کے سلسلے کے جو ضروری کرنا تھے۔

ناشتہ بھی انہوں نے خود ہی بنایا۔ ناجیہ جاگ چکی تھی لیکن وہ ابھی اپنے بیڈروم ہی میں تھی۔ جلالی سمجھے وہ دانستہ باہر نہیں آرہی۔ اس لیے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور باہر آگئے۔ وہ اس وقت دفتر جا رہے تھے۔

انہوں نے چاہا کہ جیہ کے بیڈروم سے باہر آنے کا انتظار کرلیں۔ اسے بتا کر جائیں لیکن وہ رکے نہیں۔ کچھ سوچا اور گھر سے باہر آگئے۔

ناجیہ نے گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز سنی تو جزبز ہو کر رہ گئی۔ گاڑی چلی گئی تو وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آئی اور ادھر ادھر بے مقصد گھومتی پھرتی رہی۔

پھر

کچن میں آ گئی غصے میں رات بھی کھانا نہیں کھایا تھا اور اس وقت اسے زبردست بھوک لگ رہی تھی۔

رات کا کھانا اور کھیر جوں کی توں پڑی دیکھ کر اسے جلالی پر اور بھی غصہ آیا۔ اس غصے کا اظہار اس نے چیزیں ادھر ادھر پٹخ کر ہی کیا۔

ناشتہ کر کے وہ پھر کمرے میں آ گئی۔ گھر میں اکیلے رہنا واقعی بور کام تھا اور آج تو اس کا ارادہ کھانا پکانے کا بھی نہیں تھا۔ جلالی پر غصہ ہی آئے جا رہا تھا۔ وہ کچھ بتا کر نہیں گئے تھے۔ کچھ پوچھا نہیں تھا۔ رات دیر سے آنے کی معذرت ہی کر لیتے۔

وہ سوچ رہی تھی۔ انداز منفی ہوتا جا رہا تھا۔ غصہ بھی آ رہا تھا۔ بے بس بھی ہو رہی تھی۔ اسے اگر کوئی فوری ضرورت پڑ جائے تو کیا کرے گی۔ اس نے سوچا اور گھبرا گئی۔ اسے تو اس گھر سے باہر کی دنیا کا سر پیر ہی پتہ نہ تھا۔ جلالی کے دفتر کا فون نمبر بھی نہ پتہ تھا۔ پھر فون کا سسٹم بھی تو نہ پتہ تھا۔ گھر کے ہر کمرے میں فون رکھے تھے۔ کچن میں بھی فون پڑا تھا۔ ساتھ کئی نمبر لکھے تھے، اسے کیا پتہ کہ کہاں کیسے فون کیا جاتا ہے۔

وقت گزاری کے لیے اس نے اپنے ہمسایوں سے ملاقات کا سوچا۔ مسز ہیرلڈ نے دور دور دکھائی دینے والے گھروں کے متعلق زبانی تعارف کروا دیا تھا۔ کیا حرج تھا جو وہ ان میں سے کسی سے ملنے چلی جائے۔

یہاں ملنے جانے کے آداب کیا تھے۔ اس نے سن ہی رکھا تھا۔ عملی تجربہ نہیں تھا۔ وہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی اور لباس کا انتخاب کرنے لگی۔

اس نے ان دو بہنوں کے گھر جانے کا پروگرام بنایا جو بڑے سے خوبصورت گھر میں اکیلی رہتی تھیں۔ مسز ہیرلڈ کے ساتھ باہر جاتے ہوئے اس نے دونوں کو لان میں بیٹھے دیکھا بھی تھا۔

وہ خالص پاکستانی لباس میں وہاں جانا چاہتی تھی۔ جانے کیوں اس کے دل



میں یہ خیال آیا۔ حب الوطنی کا جذبہ تھا شاید۔ دور دیس جا کر اپنے وطن کی قدر سب ہی کو آتی ہے۔

اس نے سبزی مائل فیروزی رنگ کا چوڑی دار پاجامہ اور کرتا نکالا۔ کرتا سادہ تھا جبکہ پاجامے پر کام کیا ہوا تھا۔ دوپٹے پر بھی وہی کامدانی کام تھا۔

اس نے کپڑے پہنے۔ میک اپ کیا۔ بالوں کی لمبی سی چٹیا بنا کر پشت پر چھوڑ دی۔ سنہری طلے والا نوکدار کھسہ پاؤں میں پہنا۔

گلے میں جڑاؤ گلوبند، ہاتھوں میں اسی طرح کی چوڑیاں پہنیں۔ اس کے سنگار کی چیزوں میں تانو باجی نے سیندور کی ڈبیا بھی رکھی تھی۔ جیہ نے وہ ڈبیا کھولی۔

اور

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر

اپنی مانگ میں سیندور بھر لیا۔

سیندور بھری مانگ، سہاگ کی نشانی۔ جیہ پہلے تو اپنی اس بات پر مسکرا دی۔ پھر اس کی آنکھوں میں افسردگی اتر آئی۔

وہ بے دلی سے کمرے سے باہر آ گئی۔ باہر جانے کا ارادہ متزلزل ہونے لگا۔

لیکن

پھر تنہائی کے خیال سے وہ گھر لاک کر کے باہر نکل آئی۔

گھر کے آگے بنی سرخ کناروں والی سرمئی سڑک پر وہ تیزی سے نیچے کی طرف جانے لگی۔

گھر نظر آ رہا تھا اور کافی قریب معلوم ہوتا تھا لیکن وہ سڑک کے پہلے گھماؤ پر نہیں تھا۔

دوسرے پر بھی نہیں۔

تیسرے پر تھا۔

جیہ سڑک پر چلتی جا رہی تھی۔ تیسرے گھماؤ پر وہ گھر کی طرف جانے والی سڑک پر آ گئی۔ پکی چمکدار اینٹوں کی، یہ سڑک سیدھی جا کر دائیں ہاتھ مڑ جاتی تھی۔

جیہ گھر کے مین دروازے پر آگئی۔ چند لمحے کھڑی رہی۔ جھجک آرہی تھی، خیال آیا واپس ہی لوٹ جائے۔

لیکن

پھر اس نے کال بیل پر انگلی رکھ ہی دی۔

اگلے ہی لمحے قدموں کی آواز آئی۔ اونچی ایڑی کے جوتے کی ٹک ٹک سنائی دی اور ادھیڑ عمر کی دبلی پتلی خاتون نے دروازہ کھول دیا۔

جیہ کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔ پھر مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہا۔

"آپ یقیناً مسز جلالی ہیں؟" اس نے خیر مقدم کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" جیہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "ویسے میرا نام ناجیہ ہے۔"

"مس لوسی۔" ادھیڑ عمر عورت نے اپنا نام بتایا۔ پھر اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ ڈرائینگ روم میں اسے ایک نرم اور خوبصورت صوفے پر بٹھاتے ہوئے مس لوسی بولی۔ "میں اور میری بہن یہاں رہتے ہیں۔ میں ان کا تعارف بھی آپ سے کرواتی ہوں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ ہم دونوں سوچ ہی رہی تھیں کہ آپ سے ملنے جائیں۔"

اس کی بڑی بہن بھی آگئی۔ اس کا جسم خاصا فربہ تھا۔ وہ بڑی خوش مزاج اور ہنس مکھ تھی۔ وہ ناجیہ سے بڑے تپاک سے ملی۔

"تم بہت خوبصورت ہو۔" اس نے کہا۔ "تمہارا ڈریس بھی بہت اچھا ہے۔"

"شکریہ۔" جیہ نے کہا۔

"اگر یہ ڈریس میں پہنوں تو کیسی لگوں؟" وہ ہنسی۔

"بہت اچھی۔" جیہ نے کہا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

دونوں بہنیں جیہ سے خاصی بے تکلف ہو گئیں۔ موٹی خاتون نے تو جیہ کا دوپٹہ بھی اوڑھ کر دیکھا۔ جیہ بڑی محظوظ ہوئی۔

مس لوسی نے اس کی کافی اور سینڈوچ سے خاطر مدارت کی۔ دو گھنٹے وہیں گزر گئے۔ جیہ کو انہوں نے اپنا پورا گھر دکھایا۔ اپنے اپنے کتوں سے متعارف کروایا۔ اپنی



پسند و ناپسند بتائی اور ہابیز کا ذکر کیا۔

وہ جیہ سے بھی اس کے وطن، گھربار اور شادی کے متعلق پوچھتی رہیں۔

"جلالی کو تم پہلے سے جانتی تھیں؟" چھوٹی بہن نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"دیکھا تھا انہیں؟"

"نہیں۔"

دونوں بہنیں حیرت زدہ تھیں۔ مس لوسی بولی۔ "آپ کو انہیں دیکھ کر شاک ہوا ہو گا۔ آپ ان کے مقابلے میں بہت خوبصورت ہیں۔"

جیہ اس موضوع کی طرف آنا نہیں چاہتی تھی لیکن جواب دینا ہی تھا۔ "ہمارے ہاں شادیاں ایسے ہی ہوتی ہیں۔ صورت سے زیادہ اخلاق و کردار دیکھا جاتا ہے۔"

"اوہ...... پھر تو تمہیں جلالی پسند آ ہی گئے ہوں گے کیونکہ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ بڑے جینٹل۔ بڑے نوبل۔"

جیہ نے ان کی زبانی بھی جلالی کی تعریف سنی۔ دل کچھ مطمئن سا ہوا۔ ویسے بھی اب اسے جیسے جلالی کی شکل و صورت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ وقتی اور جذباتی مرحلہ تھا جو گزر گیا تھا۔ اب ان کے ساتھ رہتے اتنے دن ہو گئے تھے، ان کے ہونے کا احساس ہی سب کچھ تھا۔

وہ اجازت لے کر اٹھی۔

"میں اکیلی بور ہوتی ہوں۔ آپ پسند کریں تو میں کبھی کبھی آجایا کروں؟" جیہ نے شائستگی سے کہا۔

"ضرور۔ تم ہمیں اچھا دوست پاؤگی۔ ہم بھی تمہارے ہاں آئیں گے۔ مسٹر جلالی چیس کے بہت اچھے کھلاڑی ہیں۔ کبھی کبھی ہم چیس کھیلتے ہیں۔ آپ چیس کھیلنا جانتی ہیں؟"

"نہیں۔"

"مسٹر جلالی سکھادیں گے۔"

"کوشش کروں گی سیکھنے کی۔"

"ضرور ضرور۔ پھر تم ہمیں کمپنی دے سکو گی۔"

وہ دونوں اسے باہر تک چھوڑنے آئیں۔ مس لوسی تو اس کے ڈریس پر ہی لٹو ہو گئی تھیں۔ خدا حافظ کہنے سے پہلے ہنستے ہوئے بولی۔ "میں تمہاری طرح دبلی پتلی ہوتی تو تمہارا یہ ڈریس ضرور پہن کر دیکھتی۔"

"آپ کو بہت پسند ہے؟"

"ہاں۔"

"بنا دوں گی۔"

"نہیں نہیں۔ شکریہ۔"

جیہ واپس لوٹی تو ان کی اچھی خاصی بے تکلف دوست بن چکی تھی۔ اس نے وقت گزاری کا ذریعہ ڈھونڈ لیا تھا۔ کل دوسرے نیبرز کے ہاں جانے کا اس نے پروگرام دل ہی دل میں بنا لیا تھا۔

وہ گھر میں گنگناتے ہوئے داخل ہوئی۔ ہمسایوں سے ملنے کا اس پر بڑا ہی خوشگوار اثر ہوا تھا۔

اس نے گھر میں آتے ہی بھاری بھرکم دوپٹہ اتار کر کرسی کی پشت پر ڈال دیا۔ لیونگ روم میں آئی۔ سٹینڈ پر پڑا میگزین اٹھا کر دیکھنے لگی۔ پھر کچھ میوزک سننے کو بھی جی چاہا۔ سٹیریو کی طرف گئی اور کیسٹ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ پکے گانوں کے کچھ کیسٹ تھے۔ اس نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"تو حضرت کو ان گانوں کا بھی شوق ہے۔"

اس نے فلمی گانوں کا ایک کیسٹ اٹھا لیا اور ٹیپ میں رکھ کر اسے آن کر دیا۔ ہاہو والی موسیقی تھی۔ گانا بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ جیہ میگزین لے کر صوفے پر آ بیٹھی۔ موسیقی کی لے کے ساتھ وہ پاؤں قالین پر تھپتھپاتے ہوئے میگزین کی تصاویر دیکھنے لگی۔

-------O-------



"آپ۔ آپ کہاں تھیں؟"

یہ جلالی کی آواز تھی۔ لہجے میں قدرے گھبراہٹ تھی۔ وہ کب آئے تھے، جیہ کو پتہ نہ چلا تھا۔ کمرے میں موسیقی کی گونج تھی اور وہ میگزین دیکھنے میں منہمک۔ شاید اسی لیے گاڑی کی آواز آئی، نہ جلالی کے اندر آنے کی۔ وہ اسی صوفے کی پشت پر تھے جس پر جیہ بیٹھی تھی۔

جیہ کچھ ہڑبڑا گئی۔ میگزین ایک طرف کرتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ جلالی قریب بہت قریب کھڑے تھے۔

وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوپٹہ پرلے صوفے پر پڑا تھا۔ غیر شعوری طور پر اس نے میگزین سینے سے لگا کر استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"آپ۔ کہاں تھیں؟" وہ جیہ کے حسن کا نیا انداز دیکھ کر مبہوت تھے۔

"کیوں؟" وہ جلدی سے بولی۔

"میں نے آپ کو تین چار دفعہ فون کیا۔ رنگ ہوتی رہی لیکن اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔"

"کوئی کام تھا؟" جیہ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"ہاں۔" جلالی آہستگی سے بولے۔

"کیا؟" جیہ نے پلٹ کر کہا۔ وہ اپنے دوپٹے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جلالی اس کی پشت پر لہراتی ناگن ایسی چوٹی کو دیکھ رہے تھے۔

"میں صبح آپ کو بتائے بغیر چلا گیا تھا۔" جلالی معذرتانہ لہجے میں بولے۔

"کچھ بتانے کی ضرورت بھی کیا تھی۔" جیہ کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

"ضرورت نہ سہی، اخلاقی فرض تو تھا۔" جلالی بولے۔ "جب میں گیا تھا تو آپ سو رہی تھیں۔"

"جی ہاں، رات جب آپ آئے۔ تب بھی میں سو رہی تھی۔ صبح آپ گئے، جب بھی میں سو رہی تھی۔" اس نے کھولتے طنزیہ لہجے میں کہا اور دوپٹہ اٹھا کر کندھوں پر پھیلانے لگی۔

جلالی کے من میں ایک لمحہ کو خوش فہمی کے چراغوں نے لو کر دی۔ "کیا جیہ رات میری منتظر تھی؟"

لیکن

اس خوش فہمی کو انہوں نے جھٹک دیا۔ جو لڑکی ان کی صورت سے بیزار تھی اور اتنا بڑا قدم اٹھا رہی تھی کہ علیحدگی کے ساتھ واپس جانے پر مصر تھی، وہ بھلا ان کا انتظار کیوں کرتی؟

"میں صرف یہی پتہ کرنے آیا تھا کہ فون کیوں اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔" انہوں نے واپس جانے کے لیے قدم اٹھاتے ہوئے بے دلی سے کہا۔ "میں نے سارے نمبر ٹرائی کیے، پریشانی ہو گئی تھی۔"

"کہ قیدی کہاں فرار ہو گیا۔" جیہ نے پلٹ کر سخت برہم لہجے میں کہا۔

جلالی چند لمحے چپ کھڑے رہے، پھر بولے۔ "نادم ہوں محترمہ۔ مجھے آپ کی موجودہ پوزیشن کا شدت سے احساس ہے۔ میں دانستہ دیر نہیں کر رہا ورنہ آپ کو قیدی ہونے کا احساس نہ ہوتا۔"

"ہونہہ......" جیہ پھنکاری۔

"آج پانچ بجے مس میکڈونلڈ آ رہی ہیں۔"

جیہ نے پھر استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ جلالی کی نظروں سے نظریں ملیں۔ دونوں کی نظریں لڑکھڑا گئیں لیکن دونوں کے ذہنوں پر پھیلا تاثر اس لڑکھڑاہٹ سے کم بالکل نہیں ہوا۔

"میں نے آپ کی تنہائی اور بور ہونے کے خیال سے مسز ہیرلڈ کی جگہ مس



میکڈونلڈ کو انگیج کیا ہے۔"

"میں اپنی تنہائی اور بوریت کو خود ہی دور کر سکتی ہوں، مجھے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ گھر کے کام کاج کے......"

"مجھے کسی ہیلپر کی ضرورت نہیں۔ میرے ہاتھ پیر سلامت ہیں۔ میں کام کر سکتی ہوں۔"

جلالی اس کے تیکھے ترش اور تلخ لہجے کو برداشت کرتے ہوئے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سمجھ نہ پا رہے تھے کہ جیہ کو مسز ہیرلڈ کی جگہ کسی دوسری عورت کی ضرورت کیوں نہیں۔

"میں کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔" جلالی نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔ "مسز ہیرلڈ نے میری عادتیں بہت حد تک خراب کر دی ہیں۔ وہ میرا ہر کام کر دیتی ہیں۔ جب بھی وہ ووکیشن پر جاتی ہیں، مجھے متبادل انتظام کرنا پڑتا ہے۔"

جیہ جلدی سے بولی۔ "مسز ہیرلڈ کی جگہ میں بھی کام کر سکتی ہوں۔"

جلالی نے گردن موڑ کر جلدی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا؟"

جیہ کوئی جواب دیے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

جلالی اس کے رویے سے کچھ بھی تو نہ سمجھ سکے۔ حیران حیران سے اپنے آفس میں چلے آئے اور کرسی میں بیٹھتے ہوئے سگریٹ سلگا کر سوچوں میں گم ہو گئے۔ جتنا سوچا، اتنا ہی الجھے۔

آفس میں مسٹر ہڈسن ہی نے اس سے رابطہ کیا تھا۔

"آج پانچ بجے انہوں نے آنا تھا۔" جلالی نے کہا۔

"ہاں۔" ہڈسن نے کہا۔

"فی الحال انہیں روک دیں۔"

"کیوں؟"

"شاید ضرورت نہیں۔"

"مسز ہیرلڈ چھٹی پر ہیں سر۔"

"ہاں۔"

"پھر؟"

"میری مسز کو ضرورت نہیں ہوتی کسی ہیلپر کی۔"

میری مسز کہتے ہوئے جلالی کے لبوں پر بڑی زہرناک مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا۔ "جب ضرورت ہوئی مس میکڈونلڈ کو بلا لیا جائے گا۔ آپ انہیں ریزرو میں رکھیں۔ تنخواہ دی جائے گی۔ آج سے وہ انگیج ہیں۔"

"بہتر جیسے آپ کی مرضی۔"

جلالی نے فون رکھ دیا۔ پھر فائل اٹھا کر سامنے رکھ لی۔ کچھ انوائس دیکھنی تھیں۔ وہ کام میں مشغول ہو گئے۔

ٹھیک ایک بجے آفس کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟" جلالی کام میں مصروف تھے۔ بے خیالی میں بولے۔

"لنچ گھر پہ کریں گے آپ؟" جیہ دروازے سے باہر کھڑی پوچھ رہی تھی۔ اس کے چہرے اور جسم کا آدھا رخ انہیں نظر آ رہا تھا۔

جلالی تلخی سے مسکرائے اور اٹھتے ہوئے بولے۔ "شکریہ۔"

"آپ کھانا کھانا چاہتے ہیں تو...... کچن میں آجائیں۔" اس کا لہجہ اکھڑا سا تھا۔ جلالی پر غصہ ہی غصہ آیا ہوا تھا۔ جن جذبوں کا وہ اشاروں کنایوں سے اظہار کرنا چاہتی تھی، وہ ان کی سمجھ ہی میں نہ آ رہے تھے۔ بدھو تھے شاید، جیہ کھل کر کچھ کہہ بھی تو نہ سکتی تھی۔

جلالی کا کوئی جواب سننے سے پہلے وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

وہ اس کے جانے کے بعد پھر کرسی پر بیٹھ گئے۔ فائل بند کر دی۔

کئی لمحے وہ سگریٹ پیتے ہوئے سوچوں میں گم رہے۔ پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ جیہ نے کھانے کے لیے بلایا تو انہیں جانا ہی چاہیے تھا۔



وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے آفس سے باہر نکلے۔ کوریڈور عبور کیا۔ پھر لیونگ روم میں آئے۔

اور

جھجکتے ہوئے کچن میں آ گئے۔

جیہ کچن میں نہیں تھی۔

کھانا میز پر چنا ہوا تھا۔ کھانا وہی تھا جو وہ صبح اوون اور فریج میں دیکھ چکے تھے۔ ہاں گرم کیا ہوا تھا۔ اس سے مہک اٹھ رہی تھی جو اشتہا آمیز تھی۔ کھانا پاکستانی تھا۔ جلالی کو جانے ماضی کے جھروکوں سے کیسے اس خوشبو اور مہک سے اپنا گھر یاد آ گیا۔ مہک پھولوں کی ہو یا کھانے کی، یہ کبھی نہیں مرتی۔ ذہن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتی ہے۔ میز پر رکھے کھانے کی آشتہا آمیز مہک نے جلالی کو گھر کی یاد دلا دی تھی۔

گھر!

اس گھر سے ان کی کوئی سہانی یاد وابستہ نہ تھی لیکن پھر بھی کبھی کبھی انہیں اپنا یہ گھر بے حد یاد آتا تھا۔ اس گھر کی ایک مخصوص فضا تھی۔ سب بہن بھائیوں میں سے انتہائی بدصورت ہونے کی بنا پر اس گھر میں انہیں ہمیشہ ہی دھتکارا جاتا تھا۔ برا بھلا کہا جاتا تھا۔ پھر بھی یہاں اپنائیت کا انوکھا سا احساس ذہن سے لپٹ جاتا تھا۔

اپنائیت

اپنا پن

جو انہیں اپنے اس انتہائی شاندار اور بیش قیمت چیزوں سے آراستہ گھر میں بھی محسوس نہ ہوتا تھا۔

آج یہ کھانا

اور اس سے اٹھنے والی مہک

وہ بے چین سے ہو گئے۔ اپنائیت اور اپنے پن کی ذہن سے لپٹ جانے والی لذت کی خواہش شدت سے محسوس ہوئی۔

لیکن

وہ تو اب اپنے گھر میں بیگانگی اور غیریت کے درد آزما مرحلوں سے گزر رہے تھے۔

کھانے کے لیے صرف ایک ہی پلیٹ رکھی تھی اور جیہ کچن میں بھی نہ تھی۔
کاش وہ ان کے ساتھ کھانا کھانے کی تکلیف گوارا کر لیتی۔

انہیں کچھ تو سکون ملتا۔ کچھ تو اپنائیت کا احساس جاگتا۔

انہوں نے سوچا کہ جا کر جیہ کو بلا لائیں۔ اس سے استدعا کریں کہ اپنے اوپر جبر کر کے ہی وہ آجائے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالے۔ وہ مڑے اور جیہ کو بلانے چلے۔

لیکن

کچن سے باہر نہ گئے۔ جیہ کو بھلا کیا ضرورت تھی کہ ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتی۔ کھانا حرام کرنا تھا اسے۔

"اپنی صورت دیکھ کر میاں ایسی باتیں سوچا کرو۔" جلالی کے اندر سے آواز آئی۔ "تم دھتکارے جا چکے ہو۔ صرف ایک بار نہیں کئی بار۔ اتنے دنوں کا تجربہ تمہیں کیا بتاتا ہے؟" وہ واپس آ گئے۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے اپنا سر میز کی سطح پر اپنے بازو پر رکھ دیا۔

وہ کتنی ہی دیر یوں پڑے رہے۔ شاید انتظار بھی کر رہے تھے کہ جیہ خود ہی آجائے گی۔

لیکن

وہ نہیں آئی۔

انہوں نے بے دلی سے پلیٹ اپنی طرف سرکائی اور تھوڑا سا کھانا نکال لیا۔
کھانے کا ذائقہ پھر انہیں ماضی کے دھندلکوں میں دھکیل رہا تھا۔

اپنی بدنصیبی پر انہیں رونا آ رہا تھا اور کوئی انہیں اس وقت غور سے دیکھتا تو وہ واقعی بنا آنسوؤں کے رو ہی رہے تھے۔

اپنی آگ میں آپ ہی جلنا بڑا ہی اذیت دہ امر ہے۔



کھانا زہر مار کر کے وہ سیدھے اپنے کمرے میں چلے آئے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں اپنے آفس جانا تھا۔ اندرونی اذیت سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو دوسری سوچوں میں الجھا لیا۔

لندن والی فرم کو کچھ ہدایات دینا تھیں۔ نئے آدمیوں کی بھرتی کے متعلق ان سے پوچھنا تھا۔ جیہ کے بھائیوں کے متعلق بھی وہیں سے معلومات حاصل کرنا تھیں۔ کچھ مال جو شپ ہو چکا تھا، اس کے متعلق بھی پوچھنا تھا۔

وہ غسل خانے میں گئے، منہ ہاتھ دھویا۔ بال بنائے۔ ٹائی درست کی اور بیگ اٹھا کر باہر نکل آئے۔

جیہ کو بتا کر جانا تھا، اسی لیے اندر چلے آئے۔ جیہ بیرونی کمرے میں تھی۔ سامنے والی دیوار کے اندر بنی الماری اور اس کے ساتھ بنے شیشے کے ریک کے پاس کھڑی تھی۔ اس کی دروازے کی طرف پشت تھی اور وہ اک تصویر کو بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔

تصویر جلالی کی تھی۔ جیہ نے الماری کے نچلے خانے کی یونہی تلاشی لی تھی اور سیاہی مائل گولڈن بڑے خوبصورت فریم میں لگی جلالی کی تصویر ہاتھ آ گئی تھی۔

وہ جب سے آئی تھی، جلالی کو اچٹتی اور سرسری نظر ہی سے دیکھا تھا۔ وہ بے شک بدصورت تھے لیکن اس بدصورتی کا جیہ کو صحیح اندازہ نہیں تھا۔ ان کی آنکھیں کیسی تھیں۔ ناک کیسا تھا۔ ہونٹ کیسے تھے۔ اس نے غور سے دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی اور جب اس کے اندر اپنے حالات کا سامنا کرنے سے انقلاب آیا تھا، تب بھی اسے ان کی طرف اس انداز سے دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی تھی، تصویر ہاتھ میں آئی تو وہ بڑے غور سے، بڑے انہماک سے اور بڑی ہی دلچسپی سے آنکھیں کھول کھول کر ایک ایک نقش دیکھنے لگی۔ ان کے بال خوبصورت تھے۔ کاش چہرہ بھی خوبصورت ہوتا۔

لیکن چہرہ کسی زاویے سے خوبصورت نہیں تھا۔ تصویر خاصی ڈراؤنی تھی۔ پوز بھی اچھا نہیں تھا۔

لیکن

یہ تو حسن نظر کی بات ہوتی ہے۔ جب دل کسی کو تسلیم کر لے، مان لے تو پھر حسن کے پہلو نکل ہی آتے ہیں۔ یہ بات نہ ہوتی تو لیلیٰ جیسی کالی کلوٹی مجنوں کی زندگی میں نور بن کر نہ اترتی۔

جلالی کی تصویر ڈراؤنی تھی، کریہہ النظر تھی لیکن ان کے چہرے پر بے بسی اور اداسی کا ایسا تاثر تھا۔ ایسی چھاپ تھی کہ جیہ کا دل مسلا گیا۔ یہ محرومیت کی دلیل تھی۔ پیار کا خلا تھا۔ وہ جنم جنم کے پیاسے معلوم ہوتے تھے۔

جیہ کے دل میں ندامت کے نشتر چبھ رہے تھے۔ اس کے حلق میں کوئی ریک سی شے اتر رہی تھی۔ آنکھوں کے گوشے گیلے ہو رہے تھے۔ اسے جلالی دنیا کا سب سے زیادہ دکھی اور سب سے زیادہ محروم انسان لگ رہا تھا اور اس محروم اور دکھی انسان کے لیے اس کے سینے میں پیار، محبت اور خلوص کے جذبات ابل رہے تھے۔

وہ بے ساختہ تصویر کو سینے سے لگانے والی تھی کہ پشت پر کھڑے جلالی نے ایک دم اس کے ہاتھ سے تصویر چھینتے ہوئے کہا۔ "کیوں آنکھوں کو اذیت دے رہی ہیں۔ یہ منحوس اس قابل نہیں کہ اسے دیکھا جائے۔"

جیہ ششدر رہ گئی۔

جلالی نے غصے سے تصویر سامنے دیوار کے ساتھ دے ماری۔

اک چھناکہ ہوا۔

اور شیشے کی کرچیاں تصویر پر پھیل گئیں۔

یہ کرچیاں جیہ کے دل میں اتر گئیں۔

دل لہولہان ہو گیا۔

وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ برآمدے کے ستون سے لگ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

جلالی بھی کمرے سے نکل گئے تھے۔ جس بھٹی میں جل رہے تھے، اس کے شعلے کچھ زیادہ ہی بھڑک اٹھے تھے۔

-------O-------



"میں نے انہیں دیکھا ہے بھئی، وہ فیری لینڈ ہی کی طرف جا رہے تھے۔ جلالی کو پہچاننا کونسا مشکل ہے۔ وہ یقیناً ہنی مون منا کر واپس آ گئے ہیں۔" منصور نے شوالی سے کہا۔

"لیکن وہ تو دو ہفتے کا کہہ کر گئے تھے۔"

"شاید اب کسی دوسری طرف نکلنے کا پروگرام ہو۔ بہر حال آج وہ اپنے گھر ہی ہیں۔"

"آپ نے انہیں روک لیا ہوتا۔"

"وہ اوپر والی سڑک پر تھے۔ میں نچلے گھماؤ پر۔ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا۔"

"بھئی آ گئے ہوں گے واپس۔ بہتر یہی ہے کہ آپ انہیں فون کر لیں۔ ابھی پتہ چل جائے گا۔"

"سب سے پہلے تو فون اپنے دوسرے ساتھیوں کو کروں گا۔ آج سب وہاں دھاوا کیوں نہ بول دیں؟"

"چلیے کرتے ہیں سب کو فون۔ سب اکٹھے مل کر چلیں گے، خوب مزہ آئے گا۔"

"میں فوزیہ اور جگو سے بات کرتی ہوں۔"

"میں تابش اور سلیم کو اطلاع دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔"

تھوڑی ہی دیر بعد منصور اور شوالی بڑے بمبار طریقے سے اپنے دوستوں کو جلالی کے متعلق بتا رہے تھے۔

"وہ واپس آ گئے ہیں۔"

"ان کی خبر لینا چاہیے۔"

"روئیداد سنی چاہیے۔"

"شادی کا تجربہ کیسا رہا؟"

"دونوں خوش ہیں یا......"

"کوئی گڑبڑ ہوتی تو ہنی مون کے لیے نہ جاتے۔"

"خدا کرے سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہی ہو۔"

سب دوست جلالی کی واپسی کا سن کر اس طرح خوش تھے جس طرح بچے عید کا چاند دیکھ کر ہوتے ہیں۔

"آج شام جلالی اور ناجیہ کے ساتھ زبردست طریق سے منائی جائے۔" تابش نے رائے دی۔

"ولیمہ کی دعوت تو انہیں دینا ہی پڑے گی۔" سلیم نے کہا۔

"اس کے لیے دن مقرر کریں گے اور جلالی کو فائیو سٹار ہوٹل کی راہ دکھائیں گے۔" جگو نے کہا۔

"ان کے لیے کیا مشکل ہے۔ اس سے بھی بڑے ہوٹل میں لے چلیں تو فرق نہ پڑے گا۔" فوزیہ نے کہا۔

"میں تو آج اپنا خوبصورت ترین لباس پہن کر جاؤں گی۔" شوالی نے سب کو فون پر مطلع کرنے اور شام ان کے ہاں جانے کا پروگرام بنانے کے بعد منصور سے کہا۔

"توبہ ہے۔ تم عورتوں کو تو سوائے خوبصورت لباس، نفیس زیورات کے بغیر اور کوئی بات ہی نہیں سوجھتی۔"

"آپ کون سا کم ہیں۔ سب سے مہنگا سوٹ خریدنا جناب کی بھی ہابی ہے۔"

"دو سال میں صرف ایک دفعہ۔"

"ایک دفعہ ہی اتنے پیسے خرچ کر دیتے ہیں کہ ہم بے چارے دو سالوں میں بھی اپنے لباسوں پر اتنا خرچ نہیں کرتے۔"

"ہائے ہائے، جان من۔ اتنی بے بسی اپنے اوپر طاری نہ کریں ورنہ مابدولت



جوش میں آ کر دو سال کا خرچہ دو گھنٹے میں ہی آپ کے اوپر قربان کر دیں گے۔"

"یہ بات جلالی کو زیب دیتی ہے جناب، آپ ایسی بڑ نہ ماریں۔"

شوخ سی شوالی نے منہ بناتے ہوئے منصور کو چھیڑا۔ منصور بولے۔

"بات تو تم نے ٹھیک ہی کہی ہے۔ چلو عملاً نہ سہی زبانی زبانی تو دل خوش کر ہی دیتے ہیں تمہارا۔"

"ویسے منصور۔" شوالی سنجیدگی سے بولی۔ "ناجیہ کے نصیب جاگ اٹھے ہیں۔"

"ہاں جلالی بہت امیر ہی نہیں انتہائی نفیس آدمی بھی ہیں۔"

"کیا ہوا جو شکل اچھی نہیں۔"

"یہ ان کے بس کی بات بھی تو نہیں۔"

"ناجیہ پہلے تو ضرور ڈری ہو گی۔"

"پاگل۔"

"میں تو اس سے ضرور پوچھوں گی۔"

"دیکھو شوالی، کہیں الٹی سیدھی نہ ہانک دینا۔ بری بات ہے۔"

"مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں۔ طریقے سے ہی تو پوچھوں گی نا۔"

"کیا ضرورت ہے۔"

"بس کیوریوسٹی۔"

منصور شوالی کی بات پر مسکرا دیا۔ دونوں جیہ اور جلالی کے متعلق قیاس آرائیاں کرنے لگے۔

"کیوں نہ جلالی کو فون کریں؟" منصور نے پوچھا۔

"بنا اطلاع دھاوا بولنا چاہیے۔" شوالی نے رائے دی۔

لیکن منصور بات کاٹتے ہوئے بولے۔ "نہیں، اتنے لوگ اکٹھے پہنچ جائیں تو انہیں تکلیف ہو گی۔ کچھ خاطر مدارت تو کرنا ہی پڑے گی۔"

"پھر کریں فون۔"

"جلالی کو آفس کروں۔"

"آپ آفس کریں، میں ناجیہ کو گھر پہ کرتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔"

دونوں پھر فون کرنے لگے۔

"ہیلو جلالی۔" منصور نے نمبر ملتے ہی پکارا۔

"کب واپس آئے۔ عجیب آدمی ہو، اطلاع ہی نہیں دی۔ ہم تو دن کیا گھڑیاں گن گن کر تمہاری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"ہاں تو میں نے اچانک ہی آج تمہیں ہائی وے پر دیکھ لیا ورنہ جانے کب تک تم روپوش رہتے۔"

"میں نے سب دوستوں کو تمہاری واپسی کی اطلاع دے دی ہے۔"

"ہاں، آج شام سب پہنچ رہے ہیں تمہارے ہاں۔"

"بھئی گھبرا کیوں گئے۔ زیادہ وقت نہیں لیں گے تمہارا۔ سمجھے۔"

"ولیمے کی دعوت کب دو گے؟"

"اچھی بات ہے، سب کچھ ہم خود ہی طے کر لیں گے۔"

"شام چار بجے تک ہم سب اکٹھے ہو کر چل دیں گے۔"

"بوکھلا کیوں گئے ہو، مانا کہ اکیلے بیگم صاحبہ کے ساتھ رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ پر ہم سے پیچھا چھڑانا بھی تو مشکل ہے۔"

"ہمیں تو اتنی خوشی ہو رہی ہے۔ سب کام چھوڑ چھاڑ کر تمہارے ہاں آنے کا پروگرام بنالیا ہے۔ شوالی تو ابھی سے کپڑے نکال کر تیاری میں مصروف ہے۔"

"اپنی سناؤ، کیسی گزری؟"

"خیر نہ بتاؤ، آکر خبر لیتے ہیں تمہاری۔"

"شرمارہے ہو۔"

"بات تو نکل نہیں رہی جناب کے منہ سے۔"

"چلو یار ایسا وقت سب پر ہی آتا ہے۔"

"ہاں۔ ہاں کہہ دیا ناں کہ سبھی آرہے ہیں۔ پانچ بجے تک تمہارے ہاں ہوں



گے۔ ایک نیا جوڑا پاکستان سے اور آیا ہے۔ وہ بھی آئیں گے۔ ڈاکٹر سلیم بڑے جولی آدمی ہیں۔ ان کی بیوی بھی بہت خوش مزاج خاتون ہیں۔"

"اپنی بیگم کی کہو۔ کیسا مزاج پایا ہے۔ خیر ابھی تو مزاج کا اصلی روپ تم نے کہاں دیکھا ہوگا۔ یہ پرت تو بچو آہستہ آہستہ کھلتے ہیں۔"

"اتنے حواس باختہ کیوں ہو؟"

"ہوش ماری گئی۔ بس......"

منصور نے ہنستے ہوئے فون رکھ دیا۔

شوالی دوسرے فون پر ناجیہ سے باتیں کر رہی تھی۔

"ایک بات کا وعدہ کرو ناجیہ۔"

"کیا؟"

"جو کچھ میں آکر پوچھوں گی، سچ سچ بتاؤ گی۔"

"کیا پوچھیں گی؟"

"بہت کچھ۔ مزے مزے کی باتیں۔ تمہارے تجربے۔"

"ہائے نہیں۔"

"کیوں نہیں بی بنو۔ بتانا ہی پڑے گا۔"

"آپ کوئی اور بات کیوں نہیں کرتیں؟"

"اور باتیں کرنے کو بہت وقت پڑا ہے۔"

"آپ بہت خوش مزاج لگتی ہیں۔"

"دیکھو، باتوں کا رخ مت پھیرو۔"

"اچھا بھئی، آپ آئیں تو سہی۔"

"آرہے ہیں۔ بڑی دھوم دھام سے آرہے ہیں۔ آٹھ دس کپل ہوں گے، گھبرا نہ جانا۔ پانچ بجے تک پہنچیں گے۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں، گھبرانا کس بات سے۔"

"چائے پئیں گے؟"

"ضرور۔"

"یہ دعوت ولیمہ نہ سمجھ لینا۔ وہ تو کسی ہوٹل میں لیں گے۔"

"ہوں۔"

"جلالی کہاں ہیں؟"

"شاید آفس۔"

"کب تک آجائیں گے؟"

"کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔"

"ہاں ان کا کام بھی تو بہت ہے۔ اتنے دنوں کی چھٹی کے بعد کافی کام جمع ہو گیا ہوگا۔"

"چھٹی؟"

"میرا مطلب ہے تم لوگ ہنی مون منانے جو چلے گئے تھے۔"

"اوہ۔"

"ناجیہ۔"

"جی۔"

"دلہن بن کر بیٹھنا آج۔"

"یہ پرانی بات ہے۔"

"ہم تو تمہیں اچھی طرح آج ہی دیکھیں گے۔"

"ہوں۔"

"اچھا خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

شوالی اور منصور نے پھر سب دوستوں کو فون کیا۔ جلالی اور ناجیہ کو بھی مطلع کرنے کا بھی کہہ دیا۔

"پانچ بجے تک ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔ تیار رہیے گا۔" انہوں نے ہر دوست کو یہی کہا۔



منصور اور شوالی بہت خوش نظر آرہے تھے۔

"سب سے پہلے جلالی اور ناجیہ کو ہم اپنے گھر بلائیں گے۔" شوالی نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔"

"بھئی ان کی شادی ہوئی ہے، دعوت تو کرنا ہی پڑے گی۔ اتنی بڑی بڑی دعوتیں جلالی سے ہم لوگ ایسے ہی مار لیتے تھے۔"

"میں نے کب منع کیا ہے بیگم صاحبہ۔ دعوت ہوگی اور ضرور ہوگی۔ معمولی نہیں، شاندار سی ہوگی۔ بجٹ ابھی سے بنالیں۔"

"یہ میرا کام ہے۔ میں کرلوں گی۔"

"خوشی کی بات ہے۔"

"انہیں کوئی تحفہ بھی تو دینا ہوگا۔"

"ہاں۔"

"میرے پاس ایک ملٹی کلر رنگ، کانوں کے بُندے ہیں، وہی دے دوں گی۔ بھئی ہم نے تو اپنی حیثیت کے مطابق ہی تحفہ دینا ہے۔"

"تحفے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی شوالی۔ بشرطیکہ خلوص دل سے دیا جائے۔ بھئی جلالی نے تو ہمیں بہت ہی قیمتی تحفے دیئے تھے۔ ایر رنگز کتنے پیارے تھے۔ وہ تو ڈائمنڈ دے سکتے ہیں، ہم سونے کے ہی دے دیں گے۔"

"اچھا یہ بعد میں سوچنا، پہلے کھانا کھلاؤ۔ یاد ہی نہیں رہا، جلالی کے چکر میں......"

"اوہ۔ واقعی منصور میں تو بالکل ہی بھول گئی تھی۔ ابھی ابھی شام کو پہننے کے لیے کپڑے نکالنے جارہی تھی۔"

منصور نے شوالی کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے کچن کی طرف لے گیا۔

"پیٹ پوجا پہلے باقی کام بعد میں۔"

شوالی نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ اپنی کمر سے نکالا اور جلدی جلدی میز پر کھانا سجانے لگی۔ کھانے کے دوران بھی وہ جلالی اور جیہ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔

اور

صرف وہی نہیں۔

جلالی کے سارے دوست جنہوں نے آج ان کے گھر دھاوا بولنا تھا، انہیں کی باتیں کر رہے تھے۔

-------O-------



جلالی گھر پہنچے تو بہت پریشان تھے۔ اچھے خاصے وحشت زدہ لگ رہے تھے۔ ان کے سارے عزیز دوست آج آ رہے تھے۔ بھرم جو مشکل سے قائم کیا تھا، آج ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہونے کو تھا۔ انہوں نے سب دوستوں سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ دو ہفتے کے لیے باہر جا رہے ہیں۔ یہ بات انہوں نے ناجیہ سے بھی نہیں کہی تھی۔

ناجیہ لیونگ روم میں تھی۔ پیلے رنگ کے تقریباً سادہ سے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میک اپ کیا ہوا تھا، نہ بال ڈھنگ سے بنے تھے، دوپٹہ غائب تھا۔ آستینیں الٹی ہوئی تھیں اور شلوار کے پائینچے بھی کسی قدر اٹھے ہوئے تھے۔

کچن کا درمیانی دروازہ کھلا تھا اور کھانے کی ہلکی سی خوشبو کمرے میں آ رہی تھی۔ کل سے جلالی کھانا گھر پہ ہی کھا رہے تھے۔ ہر چیز انہیں ٹیبل پر رکھی مل جاتی تھی۔ جیہ کو انہوں نے ساتھ کھانے کو کہا ہی نہ تھا۔ نہ ہی وہ خود اپنا کھانا ان کے ساتھ میز پر رکھتی تھی۔ کھچاؤ تناؤ بنتا جا رہا تھا۔

تناؤ جو اک جھٹکے کے ساتھ ٹوٹ جایا کرتے ہیں اور تناؤ پیدا کرنے والے اپنے ہی زور سے پٹخ کر گرتے ہیں۔

جلالی بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ لیونگ روم میں داخل ہوتے ہی ناجیہ کو دیکھ کر بولے۔ "ناجیہ صاحبہ۔" ناجیہ نے ان کو دیکھا۔ گھبراہٹ اور پریشانی چہرے سے صاف عیاں تھی۔ اس نے اس کا اندازہ اک نظر ہی میں کر لیا۔

جلالی کرسی کے گرد گھوم کر آگے آگئے۔ کرسی پر گرنے کے انداز میں ناجیہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے انہوں نے اپنا سر نشست کی پشت پر ڈال دیا۔ وہ ہاتھوں کو اضطراری انداز میں مل رہے تھے۔

چند لمحے جیہ انہیں خاموشی سے دیکھتی رہی۔ تصویر والے واقعے کے بعد وہ ان سے نالاں تھی۔ وہ ہر بات کا الٹ ہی مطلب لے رہے تھے۔ سمجھتے کیوں نہ تھے کہ جیہ کے رویے میں لچک ہی نہیں، تبدیلی بھی آچکی ہے۔

لیکن

وہ سمجھتے بھی کیسے۔ انہوں نے تو اپنی ہی دنیا بنا رکھی تھی جس میں مایوسیوں کے اندھیرے چھائے تھے۔ محرومیوں کی دھول اڑ رہی تھی۔ کسی کو نہ پانا اپنی جگہ تکلیف دہ ضرور ہے لیکن پا کر کھو دینا جتنا اذیت دہ ہے، وہ وہی لوگ جانتے ہیں جو اذیت کے اس کرب سے حقیقت میں دوچار ہوتے ہیں۔ چند لمحے جلالی اسی انداز میں بیٹھے رہے اور جیہ انہیں دیکھتی رہی۔ پھر وہ اپنا سر اٹھاتے ہوئے آگے کو جھک آئے۔

"ناجیہ صاحبہ۔" وہ اک لمحے کے توقف کے بعد بولے۔ "میرے عزیز و مہربان دوست آج آرہے ہیں۔"

"ہوں۔" جیہ کرسی میں پیچھے کو ہو گئی۔

جلالی اٹھ کھڑے ہوئے اور بے چینی سے ٹہلتے ہوئے بولے۔ "میں نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ ہم لوگ یعنی میں اور آپ دو ہفتے کے لیے نارتھ کوسٹ جا رہے ہیں لیکن...... لیکن آج منصور نے مجھے ہائی وے پر دیکھ لیا۔ انہوں نے سب کو مطلع کر دیا ہے۔ وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم جلدی واپس لوٹ آئے ہیں۔"

"جی۔" جیہ نے صرف اسی قدر کہا۔

"میں نے...... میں نے ظاہر داری کا بھرم رکھنے کے لیے عجلت میں ایسا کیا تھا۔" وہ رک گئے۔ پھر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے انتہائی بے چارگی سے بولے۔ "اطمینان سے سوچتا تو ایسا کرنے کی نوبت نہ آتی۔ بہر حال وہ سب لوگ آج آرہے ہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔" جیہ نے کہا تو جلالی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ سامنے والے صوفے کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔

"آپ۔ آپ......"

"جی ہاں۔ مجھے بھی مسز منصور نے فون کیا تھا۔"



"اوہ......"

جلالی نے صوفے کی پشت دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے تھام لی۔ "آپ نے ان سے کیا کہا؟"

"جو کہنا چاہیے تھا۔"

"تو...... تو خیر...... اچھا ہی کیا آپ نے جو بات انہیں یہاں آکر پتہ چلتی، آپ نے پہلے ہی بتا دی۔"

"وہ سب لوگ پانچ بجے یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی ان سے ملنے کی شدت سے خواہشمند تھی۔ اپنوں سے ملنے کا احساس ہو رہا ہے۔"

"جی۔ جی ہاں۔" جلالی ٹہلتے ہوئے بولے۔

جیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جو ہونا تھا، ہو چکا۔ میں خواہ مخواہ ہی پریشان ہوں۔" جلالی بڑبڑائے۔ "آج نہیں تو کل انہیں پتہ چل ہی جانا تھا۔"

"ضرور۔" جیہ نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

جلالی وہیں صوفے پر ڈھیر ہو گئے۔ بے جان مٹی کے تودے کی طرح۔ ان کے احساسات تو جیسے مفلوج ہی ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کا سامنا کرنے سے جو ذلت محسوس ہونی تھی، وہ بھی جانے کہاں دبک گئی۔ خالی ذہن، خالی دماغ اور خالی دل معلوم ہو رہے تھے۔

جیہ اس کے بعد انہیں نظر نہیں آئی۔ پندرہ بیس منٹ تک وہ اسی انداز سے صوفے میں پڑے رہے، پھر وہ کچن میں گئے۔

میز پر حسب معمول کھانا رکھا تھا۔ چند لقمے لے کر انہوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ کچن سے بڑی سہانی سہانی خوشبوئیں آرہی تھیں لیکن وہ اتنے پژمردہ اور بددل ہو رہے تھے کہ کچھ دیکھنا نہ خیال کیا۔ واپس اپنے کمرے میں چلے آئے۔

بیڈ میں تساہل سے پڑے رہے۔ سگریٹ پہ سگریٹ پھونک ڈالے۔ پھر ان میں اک نیا انقلاب سا آیا۔ دوستوں کا سامنا یوں بے دلی، پژمردگی اور افسردگی سے کرنے کی بجائے کیوں نہ ہنستے مسکراتے کیا جائے۔ جو المیہ زندگی پر ستم توڑ چکا تھا، وہ تو توڑ ہی چکا ہے، اب کیوں نہ اس کی پردہ پوشی کی جائے۔ ان سب کو یہ احساس دلایا جائے کہ یہ معمولی بات تھی اور اس کا انہوں نے رتی بھر اثر نہیں لیا۔

وہ لوگ جان تو جائیں گے لیکن یہ کیوں جاننے پائیں کہ اس صدمے نے ان کی زندگی میں اندھیرے بکھیر دیئے ہیں۔ انہیں مستقل روگ دے دیا ہے۔ انہیں سبک اور ذلیل کر دیا ہے۔ یہ انقلاب تھا۔

رد عمل بالکل مختلف انداز میں کرنے کا انہوں نے اسی روشنی میں فیصلہ کر لیا۔

چار بجے کے قریب وہ اٹھے۔ اپنا خوبصورت سوٹ نکالا، انتہائی شوخ رنگ کی سوٹ کے ساتھ میچ کرتی ٹائی نکالی۔ بوٹ سٹینڈ سے اتارے اور تیار ہونے لگے۔ ہم لوگ خولوں کے اندر ہی تو جیتے ہیں، یہ خول بھی نہ ہوتے تو دنیا لاقانونیت اور انتشار کا جنگل ہوتی۔

جلالی نے بھی اپنے اوپر وضعداری اور تصنع کا خول فٹ کر لیا۔ وہ پوری زندہ دلی سے ان لوگوں کا سامنا کرنے کو تیار تھے۔ علیحدگی کوئی بڑی بات نہ تھی۔ جیہ کی ناپسندیدگی بھی جان لیوا نہیں تھی۔ وہ ان دونوں نکتوں پر دوستوں سے ہنس ہنس کر باتیں کریں گے۔

پانچ بجے کے قریب گاڑیوں کی آواز ڈرائیو وے اور سامنے والی سڑک پر سے آئی۔ یقیناً سب لوگ اکٹھے ہی آگئے تھے۔

جلالی ان کے استقبال کے لیے کمرے سے نکلے۔

کوریڈور میں جیہ تھی۔ وہ بھی ادھر ہی آرہی تھی۔ جلالی نے جیہ کو دیکھا۔ اس نے سیندوری رنگ کی بھاری بارڈروں والی بنارسی ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ میک اپ بھی خاصا خوبصورت تھا۔ گلے میں زیور بھی تھا اور بالوں کا سٹائل بھی بڑا حسین تھا۔ جوڑے میں اس نے ساڑھی کے ہم رنگ ننھے ننھے پھولوں اور کلیوں کا ہار سجایا ہوا تھا۔ اس نے آج طلائی چوڑیاں بھی پہنی ہوئی تھیں جو ہاتھ ہلانے سے چھنک رہی تھیں۔



وہ جلالی کو اپنی طرف دیکھتے دیکھ کر لجا گئی۔

"وہ لوگ آگئے ہیں۔" اس نے کہا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ جلالی آج اسے اچھے لگ رہے تھے۔ آف وائٹ شرٹ اور کیمل ہیر کلر سوٹ میں وہ ایسے برے تو نہ لگ رہے تھے۔

جیہ کی اس تیاری نے انہیں ششدر کر دیا تھا لیکن وہ اس سے کچھ پوچھ نہ سکے۔ مہمانوں کے استقبال کے لیے اس کے پیچھے پیچھے آگئے۔ وہ بیرونی دروازہ کھول چکی تھی۔ جلالی اس کے قریب ہی کھڑے ہو گئے۔ دوستوں نے واقعی دھاوا بولا تھا۔ منصور، تابش، سلیم، پران، رفیق۔

ناصر، فہد سبھی اپنی بیگمات کے ساتھ آن پہنچے تھے۔ سب جلالی سے لپٹ گئے تھے۔ مبارکباد دینے کا یہ مخلصانہ اور پیارا انداز تھا۔

عورتیں جیہ سے گلے مل رہی تھیں۔ اس کو پیار کرتے ہوئے احوال پرسی کر رہی تھیں۔ وہ لجائے جا رہی تھی، شرمائے جا رہی تھی۔

سب لوگ وسیع اور کشادہ ڈرائنگ روم میں آگئے۔ جلالی نے محسوس کیا کہ کمرے کی ترتیب بدلی ہوئی ہے اور زیادہ لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ گلدانوں میں تازہ پھول بھی تھے۔

"جیہ نے ان لوگوں کے لیے بطور خاص تیاری کی ہوئی ہے۔" انہوں نے سوچا۔

جس کو جہاں جگہ ملی، بیٹھ گیا اور ڈرائنگ روم مختلف آوازوں، بے تکلف قہقہوں اور شوخ چھیڑ چھاڑ سے بھر گیا۔

کچھ دیر یونہی ہلا گلا رہا۔ کسی کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کون کیا بات کر رہا ہے اور کون کس کی بات کا جواب دے رہا ہے۔ بھرپور قہقہے تھے جو ابل رہے تھے۔

جلالی کی حالت دگرگوں تھی۔ خول سے بار بار ٹکرا رہے تھے۔ انہوں نے تو بھرم ٹوٹنے پر اپنے رد عمل کی تیاری کی تھی لیکن جیہ کا رویہ ایسا تھا کہ بھرم مضبوطی سے قائم ہوا جا رہا تھا۔

اس لیے ان کی ڈوب ڈوب کر ابھر آنے والی کیفیت تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں عورتوں اور مردوں کا حلقہ آپوں آپ الگ ہو گیا۔ وسیع ڈرائنگ ہال کے ایک کونے میں عورتیں جا بیٹھیں اور دوسرے میں مرد۔

مرد تو سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ سگریٹ کے دھوئیں اڑاتے باتیں کر رہے تھے۔

عورتوں نے جیہ کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ صوفے پر جگہ نہ ملی تو اس کے سامنے قالین پر آ بیٹھی تھیں۔ جگو اور شوالی تو بالکل اس کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھی تھیں۔ جیہ بالکل نئی دلہن کی طرح شرما رہی تھی۔ وہ ہنس بھی رہی تھی اور ہنستے ہنستے اس کا سر جھک کر اپنے گھٹنوں تک پہنچ جاتا۔

جلالی دوستوں سے باتیں کر رہے تھے لیکن سارا وجود ہمہ توجہ بنا جیہ کی طرف تھا۔

"یہ کیا نرالی ادا تھی۔" وہ سمجھ نہ پا رہے تھے۔ الجھے جا رہے تھے۔

شوالی جیہ کو چھیڑنے میں پیش پیش تھی۔ جگو اور مسز سلیم بھی مذاق کر رہی تھیں۔ عمر کا تقاضا تھا۔ ان کی شادیاں بھی تقریباً نئی ہوئی تھیں۔ سال دو سال کا عرصہ کوئی زیادہ تو نہیں تھا۔

"ایک بات بتاؤ جیہ۔" شوالی نے اس کے گھٹنے پکڑ کر کہا۔

"کیا؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"سچ سچ بتاؤ گی؟" شوالی نے پوچھا۔

"پہلے پوچھیں تو سہی۔" وہ بولی۔

"بڑی گھنی ہیں یہ شوالی۔" جگو نے کہا۔

"میں بھی سب کچھ پوچھ کر ہی دم لوں گی۔"

"بھئی شوالی بیچاری کو اتنا تنگ تو نہ کرو۔" فوزیہ مسز تابش کے پاس بیٹھی تھی۔ گردن موڑ کر شوالی سے کہا۔

"بھئی بات یہ ہے، سنیے۔" شوالی نے ہاتھ اونچے کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں جی، فرمائیے۔" تقریباً سبھی اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"ہم۔ یعنی میں جگو اور مسز سلیم جیہ سے انتہائی راز کی باتیں پوچھنے والی ہیں



جنہیں یہ باتیں سنتے شرم آتی ہے، وہ بے شک منہ دوسری طرف پھیر لیں۔"

سب ہنسنے لگیں۔

"ہم تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔" مسز تابش نے جگو اور فوزیہ سے کہا۔

"لڑکیاں بالیاں چھیڑ چھاڑ کریں گی ہی۔" مسز فہد نے کہا۔

"لیکن زیادہ بھی تو نہ ستائیں اسے۔" فوزیہ بولی۔

"بڑی ہمدردی ہو رہی ہے۔" جگو بولی۔

"بھئی میں ہی تو انہیں بیاہ کر لائی ہوں۔ خیال تو رکھنا ہی پڑے گا۔" فوزیہ نے کہا۔

"شکریہ باجی فوزیہ۔" جیہ نے کہا۔

ہنسی مذاق ہونے لگا۔

"بھئی مجھے چھوڑیں تو سہی۔"

"خاطر مدارت۔"

"یہی سمجھ لیں۔"

"چلو ہم بھی تمہاری مدد کرتے ہیں۔"

"چلیں۔"

"وہ تمہاری مسز ہیرلڈ کہاں گئیں؟"

"وو کیشن پر۔"

"اوہو۔ پھر تو تم اکیلی ہو۔ چلو ہم تمہارے ساتھ کام کرتے ہیں۔"

جیہ اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی شوالی، مسز سلیم اور جگو بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

وہ سب کچن کی طرف مڑ گئیں۔

جلالی کی نگاہیں جیہ کے تعاقب میں تھیں۔

"اے مسٹر۔" منصور نے جلالی کی گردن پر ہاتھ رکھ کر ان کا رخ اپنی طرف پھیر لیا۔

"کیوں؟"

جلالی شرمندگی سے سر جھکا کر تصنع سے مسکرائے۔

"کیا بات ہے جلالی؟" تابش جو کافی دیر سے ان کی حرکات اور چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہے تھے۔ بولے۔

"کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔" جلالی نے جلدی سے کہا اور سگریٹ لینے کے بہانے اٹھ کر کارنر ٹیبل کی طرف آگئے۔

کچن سے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ جلالی ادھر ہی متوجہ تھے۔

"بھئی جا پہنچو تم بھی ادھر۔" رفیق نے جلالی کو چھیڑا۔ "حد ہوگئی۔ بیگم جب سے اٹھ کر ادھر گئی ہیں، ہمہ تن گوش ہیں۔ چلو تمہیں لے چلوں وہیں۔"

جلالی نے کچھ کہنے کو لب کھولے۔

لیکن

رفیق ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کچن کی طرف لے گئے۔ پران نے بھی انہیں کھینچنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"بھئی بات تو سنو۔" جلالی بمشکل اپنے آپ کو چھڑاتے ہوئے بولے۔

"ہوں، سنائیے جناب۔" پران ان کے سامنے کمر پر ہاتھ رکھ کر سینہ تان کر بولے۔

"بھئی بات یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں میں لایا تھا۔ وہ سب گاڑی ہی میں پڑی ہیں۔"

"بہانہ، معقول ہے۔" تابش نے تالی بجائی۔ "بھئی اب انہیں چھوڑ دو۔ چیزیں بیگم صاحبہ تک پہنچادو۔"

جلالی جان چھڑا کر باہر نکلے اور بیکری سے لائی چیزوں کو نکالنے کے لیے ڈرائیو وے کی طرف آگئے۔

کچن سے مسلسل قہقہوں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ جیہ کے قہقہے بھی ان میں شامل تھے۔ جلالی حیران تھے۔

گاڑی سے انہوں نے بڑے بڑے تین ڈبے نکالے اور کچن کے پچھلے دروازے کی طرف سے اندر آئے۔ "لیجیے بھابی۔" انہوں نے ڈبے شوالی کی طرف بڑھائے۔



"یہ...... یہ کیا؟" شوالی نے حیرت سے ڈبوں کو دیکھا۔

"بیکری سے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لایا تھا۔ گاڑی ہی میں پڑی رہ گئیں۔" جلالی نے کہا۔ جیہ چاٹ پر مصالحہ ڈال رہی تھی۔ اک نظر جلالی اور ڈبوں کو دیکھا۔ پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

"پکڑیں نا بھابی۔" جلالی نے پھر کہا تو شوالی شوخی سے بولی۔ "اپنی بیگم صاحبہ کو دیجیے۔"

"میری طرف سے اجازت ہے، آپ ہی پکڑلیں۔" جیہ نے شوالی کی شوخی کا جواب شوخی سے دیا اور جلالی تصویر حیرت بن کر اسے دیکھنے لگے۔

"بھئی کیا ندیدوں کی طرح دیکھ رہے ہیں جلالی بھائی؟" مسز سلیم نے ہنستے ہوئے جلالی اور جیہ کو دیکھا۔

"محو حیرت ہوں۔" جلالی نے مسز سلیم سے کہا اور کن انکھیوں سے جیہ کو دیکھا۔

"آپ کو شے ہی ایسی ملی ہے۔" شوالی بولی۔ "حیرت کیا حواس گم کر دینے والی۔ کیوں جیہ؟ جادو کر دیا ہے نا جلالی بھائی پر۔ سچی بوکھلائے بوکھلائے سے لگتے ہیں۔" شوالی نے خود ہی قہقہہ لگایا۔ مسز سلیم اور جگو بھی ہنس پڑیں۔ جیہ بھی شاید ہنس رہی تھی۔ جلالی اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔

جلالی کچن سے باہر نکل گئے تو جگو نے جیہ کے گدگدی کرتے ہوئے پوچھا۔

"جلالی کے ہوش وحواس پر حاوی ہوگئی ہو۔"

"ہونا بھی چاہیے۔" شوالی نے کہا۔

"بھئی......" جیہ بات بدلنے کی غرض سے بولی۔ "چیزیں رکھیے نا برتنوں میں۔"

"ہاں، جلدی کرو۔ چیزوں کی خوشبو سے تو میری بھوک چمکنے لگی ہے۔" مسز سلیم بولی۔

"ان دنوں بھوک ویسے بھی بہت لگتی ہے۔" جگو بولی۔

"اپنے ساتھ منے میاں کا کھانا بھی کھاتی ہیں نا۔" شوالی نے کہا۔ جیہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ پھر مسکرا دی۔

"اگلے سال تمہاری باری۔" جگو نے جیہ کو چھیڑا۔

"اوں ہوں۔" شوالی بولی۔ "جیہ یہ حماقت ابھی نہیں کرنا۔ خوب سیر و تفریح کر کے دو تین سال بعد سوچنا۔ ساری عمر پڑی ہے بچے پیدا کرنے کو۔ مسز سلیم سے پوچھو، چار سال شادی کو ہوئے اور ماشاء اللہ اب......"

"ہاں جیہ۔" مسز سلیم نے بھی رائے دی۔ "دو تین سال تو ضرور ہی انجوائے کرنا چاہیے۔"

"ہم تو چار سال سے انجوائے کر رہے ہیں۔" جگو نے ہنس کر کہا۔

"بھئی تمہاری پرابلم جیہ کی پرابلم تو نہیں۔" شوالی بولی۔ "جیہ تو ہر سال بچہ لے آئیں۔ جب بھی وہ افورڈ......"

"ہائے اللہ۔" جیہ کو شرم آگئی۔ "آپ کو اور کوئی بات نہیں آتی۔"

"یہی تو باتیں ہیں کرنے کی اور کیا پالیٹکس ڈسکس کریں تمہارے ساتھ۔" شوالی ہنس کر بولی۔

باتوں باتوں کے دوران کھانے پینے کی چیزیں ڈشوں، ڈونگوں میں سجا دی گئیں۔ پھر سب نے مل کر چیزیں ڈائننگ روم میں پہنچائیں۔ بڑے سلیقے سے ٹیبل سیٹ کیا۔

اور

"تشریف لائیے مہمانانِ گرامی۔" شوالی نے سب کو ڈائننگ روم میں آنے کی دعوت دی۔

مردوں نے ہاتھوں میں سلگتے سگریٹ ایش ٹریز میں بجھا دیے۔ عورتیں ساڑھیوں کے ڈھلکے پلو اور دوپٹے ٹھیک کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

-------O-------



"کمال کر دیا بھابی۔ اتنے لذیذ پکوڑے۔"

"یہ شامی کباب، جواب نہیں۔"

"دہی بھلے۔ بہت اچھے۔"

"چاٹ تو نمبر لے گئی۔"

"بہت خوب۔"

"بہت مزیدار۔"

سب اپنی اپنی پلیٹوں میں چیزیں رکھ کر کھا رہے تھے۔ ڈائننگ ہال کافی بڑا تھا۔ کھانے کی میز بھی کافی وسیع و عریض تھی۔ مہمان چاروں طرف کھڑے کھا پی رہے تھے۔ بات بات پر جیہ کو داد مل رہی تھی۔ وہ مسکرا مسکرا کر داد وصول کر رہی تھی۔ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ جلالی حیران حیران تھے۔

چونک چونک جاتے تھے۔

جیہ کے طرزِ عمل سے کچھ پریشان بھی ہو رہے تھے۔

میز پر دھاوا بول کر سب اپنی اپنی پلیٹیں لیے ایک دوسرے سے مصروف گفتگو تھے۔ اصلی کردار جیہ تھی۔ اس لیے سب باری باری اسی سے مخاطب تھے۔ جیہ بھی ہر ایک کے پاس جا کر خاطر مدارت کر رہی تھی۔

منصور اپنی پلیٹ لیے جلالی کے پاس کھڑے تھے۔ جیہ نے دہی بھلے کا ڈونگہ ان کو پیش کیا۔

"شکریہ۔" منصور نے چمچ سے تھوڑا سا دہی اپنی پلیٹ میں ڈال لیا۔

"اور۔"

"بس شکریہ۔"

"اچھے نہیں لگے؟"

"اوہ نہیں بھابی۔ بہت اچھے ہیں۔"

"یہ بھابی نہیں ناجیہ ہیں منصور۔" جلالی نے جانے کیسے منصور سے کہہ دیا۔ جیہ نے طنز محسوس کیا لیکن چپ رہی۔

"ناجیہ ضرور ہیں اور آپ کے لیے ہیں صاحب، ہماری تو بھابی ہیں۔ کیوں بھابی؟" منصور ہنسے۔

"میں میں ہوں منصور بھائی۔ کچھ بھی کہہ لیں، میں میں ہی رہوں گی۔" جیہ مسکرائی۔

"بہت خوب شعر ہو گیا۔ کیا لاجواب بات کی بھابی نے۔" منصور نے سب کو متوجہ کیا۔

تابش، فہد اور مسز رفیق ان کے قریب آگئے۔

"بہت ذہین، بہت فطین۔" منصور نے کہا۔

"شکریہ۔ آداب عرض۔" جیہ نے ہاتھ ماتھے کی طرف لے جاتے ہوئے قدرے جھک کر کہا۔

باتیں ہونے لگی تھیں۔ جیہ بڑی حاضر دماغی سے جواب دے رہی تھی۔ سبھی محظوظ ہو رہے تھے۔ اک جلالی تھے جو حیرانگی سے بت بنے جا رہے تھے۔

"کہاں کہاں کی سیر کی جیہ؟" فوزیہ نے باتوں کے دوران پوچھا۔ جیہ کی نگاہ جلالی پر پڑی۔ کتنے گھبرا گئے تھے۔

لیکن جیہ نے بڑی خوبصورتی سے بات بنائی۔ "بس بہت گھومے پھرے فوزیہ باجی۔"

"بڑی خوبصورت جگہ ہے؟"

"ہاں، بے حد خوبصورت۔"

"سارے دن وہیں رہے آپ؟"



"یہی سمجھ لیں۔"

پھر جیہ معذرت کر کے دوسرے مہمانوں کو چیزیں پیش کرنے لگی۔ جلالی جیہ کی باتوں سے حیران تھے۔ دوستوں کے استفسار سے پریشان بھی ہوئے جا رہے تھے۔

"ورلڈ ٹور پر کب جا رہے ہیں جلالی؟" تابش نے پوچھا۔

"میں؟"

"ہاں تم اور بھابی۔ پروگرام تو تھا تمہارا۔"

"اوہ ہاں۔"

جلالی تابش کے سوالوں سے کچھ گھبرانے لگے تھے۔ ان کی جگہ جیہ جو چند قدم آگے نکل گئی تھی، بولی۔ "میں ابھی پورا امریکہ تو دیکھ لوں تابش بھائی، ورلڈ ٹور بھی دیکھا جائے گا۔"

"واقعی۔" سلیم بولے۔ "پہلے انہیں پورا امریکہ دکھاؤ جلالی بھائی۔"

"بالکل بالکل۔" جلالی بے تکے پن سے بولے۔

جیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے توجہ شوالی کی طرف مبذول کر دی جو جانے کون سا لطیفہ سنا رہی تھی۔

کھانے کے بعد سب اپنی اپنی چائے کی پیالیاں لیے کرسیوں، صوفوں اور سٹولوں پر آ بیٹھے۔

جیہ کی تعریفیں ہو رہی تھیں۔ حسن صورت اور حسن اخلاق زیر موضوع تھا۔

"جلالی تم خوش قسمت انسان ہو۔" مسز تابش نے کہا۔

"بہت بہت زیادہ۔" جلالی کے لہجے کی کاٹ صرف جیہ نے ہی محسوس کی۔

"انمول ہیرا ملا ہے تمہیں۔" تابش بولے۔

"یہ ہیرا میری تلاش ہے۔" فوزیہ نے ہنس کر کہا۔

"واقعی آپ داد کی مستحق ہیں۔" پران بولا۔

"ویسے اصلی داد کی مستحق ناجیہ ہیں۔" شوالی نے شوخی سے کہا۔

"وہ کیوں؟" جیہ بولی۔

"جلالی کو آپ نے بہت سے کمپلیکس سے نکال دیا۔" اس نے کہا۔ "صاف گوئی معاف جلالی بھائی۔"

جلالی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ جیہ کے چہرے پر بھی اک لمحہ کو تاریک سے سائے لہرا گئے۔

"بالکل بالکل۔" بہت سی آوازیں آئیں۔

"خدا کا شکر ہے بھئی۔" فوزیہ بولی۔ "ورنہ میں تو ڈرتی ہی تھی۔ آج اطمینان ہوا ہے۔"

"جلالی خود بھی تو انمول ہیرا ہیں۔" تابش سنجیدگی سے بولے۔ "پرکھ کی آنکھ چاہیے تھی۔"

"شکر ہے جیہ کو خدا نے یہ آنکھ دی۔" مسز سلیم نے کہا۔

"جو چیزیں بعض اوقات ہوّا لگتی ہیں، وہ ثانوی بن جاتی ہیں شادی کے بعد۔" مسز تابش نے کہا۔

جیہ اپنی نشست سے اٹھ گئی۔ وہ چائے کی پیالی رکھنے کے بہانے ڈائننگ روم میں چلی گئی۔ جلالی جان گئے کہ وہ ان لوگوں کی باتوں سے بچنے کے لیے ادھر چلی گئی ہے۔

جیہ کے جانے کے بعد بھی سب اس کی تعریفیں کر رہے تھے۔ "جلالی آپ بڑے خوش نصیب ہیں۔" سب یہی کہہ رہے تھے۔

"آپ بہت ڈرتے تھے ناشادی سے۔" منصور ہنس کر بولے۔

"خدا نے اسی ڈر کا اجر دیا ہے۔" سلیم بولا۔

"خدا نے کہا ہوگا، کیا یاد کرے گا جلالی بچے۔" پران ہنس کر بولا۔ "پر ایک گلہ ہمیں پیدا ہو گیا ہے رب سے۔"

"کیا؟" سب نے کہا۔

"سب کچھ جلالی ہی کو دے دیا۔ دولت بھی دنیا جہان کی۔ بیوی بھی دنیا جہان سے اچھی۔ محبت بھی بے حساب۔ ایک ہم ہیں۔"



"کیوں ناشکرے بنتے ہو۔ جگو لاکھوں میں ایک ہے۔"

"لاکھوں والی تو نہیں نا۔"

سب ہنس پڑے۔ پران نے منہ بھی تو ایسا مضحکہ خیز بنایا تھا۔

جلالی کو ان باتوں سے کوفت ہو رہی تھی۔ وہ باتوں میں حصہ بھی نہ لے رہے تھے۔ منصور نے ان کی غیر حاضری محسوس کی تو ٹہوکا دیتے ہوئے بولا۔ "کیا بات ہے، چہک نہیں رہے؟"

جلالی گھبرا گئے لیکن جلدی سے بولے۔ "یار صبح سے طبیعت ٹھیک نہیں۔ سر میں درد ہے۔"

"زیادہ تکلیف ہے تو دوائی لے لو۔" جگو نے کہا۔

"اتنی زیادہ تو نہیں۔ ہاں تم لوگوں کی ہا، ہو میں پوری طرح حصہ نہیں لیا جا رہا۔" جلالی نے صوفے کی پشت پر سر ڈالتے ہوئے کہا۔

اور

اسی وقت ناجیہ چائے کی پیالی لیے فوزیہ کے پاس بیٹھنے کو سامنے سے گزری

"اے بھابی۔" منصور نے پکارا۔

"جی۔"

"ہمارے بھیا کے سر میں درد ہے۔" منصور نے جلالی کی طرف اشارہ کیا۔ جیہ نے جلالی کی طرف دیکھا۔

"واقعی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ہاں، پوچھ لیں ان سے۔" منصور بولا۔

"دوائی؟" جیہ نے جلالی سے براہ راست بمشکل کہا۔

جلالی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ جیہ کا اپنی طرف دیکھ کر براہ راست سوال کرنا اس کی اداکاری سہی لیکن جلالی کے لیے خاصا تکلیف دہ تھا۔

"دوائی نہیں بھابی، ان کا کچھ اور مطلب ہے۔" پران نے ہنس کر چھیڑا۔

"سر دبائیں اپنے نرم نرم ہاتھوں سے۔" فہد نے پران کی تقلید کی۔

جیہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ پران، منصور اور فہد نے ملا جلا قہقہہ لگایا۔

"بخدا کوئی اور بات کریں۔" جلالی نے بے چینی سے کہا۔

چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی اور جلالی کے دل میں نشتر کی چبھن اترتی رہی۔ کھانے پینے سے فراغت پا کر سب ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

"بہت بہت شکریہ جلالی اور بھابی آپکا۔" منصور نے گویا سب کی طرف سے کہا۔

"لیکن یہ دعوت، دعوت ولیمہ نہیں ہے۔" تابش نے شوشہ چھوڑا۔ جیہ کو سچ مچ شرم آ گئی۔ چہرہ کانوں کی لوؤں تک سرخ ہو گیا۔ جلالی اسے ہی تکے جا رہے تھے۔

"دعوت ولیمہ کب ہو رہی ہے؟" سلیم نے جلالی سے پوچھا۔

پھر تو سبھی جلالی کے پیچھے ہی پڑ گئے۔ جلالی کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ کیا کہیں، کیا جواب دیں۔ انہیں تو جیہ پر بھی غصہ آ رہا تھا جو یوں ایکٹنگ کر کے ان سب کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ اس طرح پیش نہ آتی تو بھرم آج ہی ٹوٹ جاتا۔ ٹوٹ جاتا تو اچھا تھا۔ جلالی نے تو اپنے آپ کو اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے ذہنی طور پر تیار بھی کر لیا تھا۔

لیکن دھارا تو اور ہی رخ بہہ رہا تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ جیہ جلالی سے علیحدہ ہو کر واپس جا رہی ہے۔

بات تو سنگینی کے آخری مراحل پر پہنچی ہوئی تھی لیکن جیہ کا طرز عمل؟ وہ ایسا کیوں کر رہی تھی؟

بھرم قائم رکھنے کی ضرورت ہی کب تھی؟

جلالی الجھ الجھ کر سوچ رہے تھے۔

دعوت ولیمہ کہاں ہو گی، کیسی ہو گی، اس کا فیصلہ سارے مہربان خود ہی کرنے لگے۔ طے پایا کہ بدھ کی رات فائیو سٹار ہوٹل میں عشائیہ ہو گا۔ یہ ہوٹل اس علاقے کا خوبصورت اور جدید ترین ہوٹل تھا۔ دوسرے ہوٹلوں سے بہت زیادہ مہنگا بھی لیکن دوست مصر تھے۔ جلالی کے لیے پیسے کا تو کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ ان کا ولیمہ اس ہوٹل کے بغیر تو ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔



جلالی خاموش تھے اور سب دوست خلوص، پیار اور محبت سے ولیمہ کی دعوت کی جگہ اور وقت مقرر کر رہے تھے۔ با قاعدہ ووٹ لیے گئے۔ وہاں جانے کے حق میں کون ووٹ نہ دیتا۔ آخری سینکشن جلالی اور جیہ سے لینا تھی۔

"ادھر آیئے بھابی۔" پران نے جیہ کو بلایا۔ وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھی تو شوالی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے جلالی کے قریب لے آئی۔ سب اٹھ کر ان کے گرد کھڑے ہو گئے۔

جلالی بھی گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"دونوں کہو، منظور ہے۔" منصور نے نعرہ لگایا۔

"بھئی بولو بھی کنجوس کیوں بن رہے ہو۔ جان نہیں چھوٹے گی۔ بھابی آپ ہی کہہ دیں، منظور ہے۔" پران نے کہا۔

جیہ نے جان چھڑانا چاہی لیکن فوزیہ، جگو، شوالی اس کے گرد گھیرا باندھے تھیں۔ ہنسی اور قہقہوں کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔

جلالی نے بھی نرغے سے نکلنا چاہا لیکن سب نے حلقہ تنگ کر لیا۔

"کہو منظور ہے۔" سب نے کہا۔

"بھئی ان سے بھی پوچھ لیں۔" جلالی کو حالات کا رخ دیکھتے ہوئے کہنا پڑا۔

"مجھے اعتراض کبھی پہلے ہوا ہے جو اب ہو گا۔"

"پہلے کی بات چھوڑو، ولیمہ کی بات کرو۔ شرعاً واجب ہے۔" منصور نے جلالی کے کان میں اتنی اونچی سرگوشی کی کہ سب مردوں نے سن لی۔ ایک قہقہہ پڑا اور جلالی جھینپ گئے۔

"جلالی مان گئے، اب آپ بتائیں بھابی۔" سلیم نے قدرے جھکتے ہوئے مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی جیہ کو دیکھا۔

جگو نے اس کے گدگدی کی اور شوالی نے ٹھوکا مارا۔ "بولو نا، ہو جائے دعوت ولیمہ۔"

جیہ کا مارے شرم کے برا حال تھا۔ جھکی جا رہی تھی۔ کچھ کہنا چاہتی بھی تو کہہ سکتی تھی ...

"میرے کان میں کہہ دو۔" شوالی نے کہا۔

"مجھے نہیں پتہ، جی چاہتا ہے کریں۔" جیہ نے آہستگی سے بری طرح جھینپتے ہوئے سر اٹھایا۔ جلالی سے نگاہیں ملیں تو گھبرا کر سٹپٹا کر سر پھر جھکا لیا۔

"زندہ باد۔ زندہ باد۔" اک شور مچ گیا۔ پران تو بھنگڑا ڈالنے لگا۔ جگو کا ہاتھ پکڑ کر اس نے اپنی طرف کھینچا۔

پھر چند ہی لمحوں بعد محفل زعفران زار بن گئی۔ شوالی اور منصور بھی ناچنے لگے۔ باقی سب سر تال کے بغیر ہی تالیاں بجا بجا کر شور مچانے لگے۔

ان سب کی خوشی کا یہ اظہار تھا۔ جیہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ جوں جوں یہ لوگ ہلا گلا کر رہے تھے، اس کی شرم و ندامت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ بالکل مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔

ناچنے والوں میں سلیم اور مسز سلیم بھی شریک ہو گئے۔ انہیں ڈانس کہاں آتا تھا، بس الٹا سیدھا گھومنے لگے۔ ارد گرد کھڑے سبھی دوست بے حد محظوظ ہوئے۔ خوب شور مچایا، خوب داد دی۔ خوب تالیاں پیٹیں۔ وہ بے ہنگم طریق سے اچھل کود کر رہے تھے، دائرہ تنگ تھا۔ سب لوگ پیچھے پیچھے ہٹتے جا رہے تھے۔

اور

ایسے میں جیہ بھی پیچھے ہٹی

اور شاید مسز فہد نے اسے ٹھوکا مارا۔ جان بوجھ کر شرارت سے کہ اس کی پشت کسی کے سینے سے جا ٹکرائی۔ گھبرا کر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ جلالی تھے۔

جیہ کے سارے بدن میں تو جیسے کئی سو وولٹ کا کرنٹ دوڑ گیا۔ جلالی بھی تڑپ کر پیچھے ہٹ گئے۔

جیہ تیزی سے دوڑی، وہ کمرے سے نکل بھاگنا چاہتی تھی۔ مسز تابش نے اسے لپٹا لیا اور مسز فہد جس نے شرارت کی تھی، ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے اس حسین و رنگین تصادم کی داستان بڑھا چڑھا کر سب کو سنانے لگی۔ کافی دیر یہ پر لطف ہنگامہ جاری رہا۔

اور



پھر جب سب اپنی اپنی نشستوں پر آ بیٹھے تو جلالی اور جیہ کو اپنے اپنے گھر دعوت دینے کی باتیں ہونے لگیں۔

"سب سے پہلے ہم مدعو کریں گے۔" شوالی بولی۔

"ہمارا حق ہے۔" مسز تابش بولی۔ "جلالی کی شادی کا خیال سب سے پہلے ہم نے ہی ظاہر کیا تھا۔"

"اس لحاظ سے تو پہلے یہ لوگ ہمارے ہاں آئیں گے۔" رفیق بولے۔

"یہ شادی کروانے کا سہرا ہماری بیگم کے سر پر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" منصور نے کہا۔

"بھئی نہیں۔ ہم ان سے قریب رہتے ہیں۔" مسز سلیم بولی۔ "آپ سب کے مقابلے میں ہمارا گھر قریب ہے، اس لیے۔"

"بہتر ہو کہ قرعہ اندازی کر لی جائے۔" فہد نے تجویز پیش کی۔

"بالکل بالکل۔" سب بولے۔

"کاغذ قلم لاؤ جی۔" شوالی نے کہا۔

"جیہ صاحبہ لائیے قلم کاغذ۔" تابش بولے۔

"میرے پاس نہیں ہے۔" وہ مسز تابش کے پہلو میں دبکی بیٹھی تھی۔

"تو ان کا لے آؤ۔ اٹھو جلالی تم لے آؤ۔" فہد نے کہا۔

جلالی اٹھ کر گئے تو مسز تابش بولی۔ "تم تو ان سے ایسے شرما رہی ہو جیسے آج ہی شادی ہوئی ہے۔"

جیہ نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ وہ شاید اپنے چہرے کے تاثرات انہیں نہ دکھانا چاہتی تھی۔

تاثرات

جو

کسی طور

خوشی کا اظہار نہیں تھے۔

کاغذ قلم آگیا۔ نام لکھے گئے۔ پرچیاں بنیں۔ پلیٹ میں تہہ کر کے رکھی گئیں۔ پھر پلیٹ جیہ کے سامنے کر دی گئی۔

"اٹھائیں پرچی۔"

جیہ نے پرچی اٹھائی۔

منصور اور شوالی کا نام تھا۔

"ہرا۔" شوالی اور منصور نے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بازو اونچے کیے۔ سب نے تالیاں بجائیں۔ ساری پرچیاں جیہ نے اٹھائیں۔

اور

یوں دعوت کے سلسلے ترتیب پا گئے۔

"ہر جمعہ کی دعوت رکھی جائے۔" مسز تابش نے کہا۔

"اتوار ٹھیک ہے، چھٹی کا دن ہو گا۔" مسز سلیم نے کہا۔

فیصلے پر سب متفق ہو گئے۔ ہر اتوار کی شام کسی نہ کسی دوست کے ہاں ایسا ہی ہنگامہ کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔

جیہ خوش و مطمئن نظر آ رہی تھی۔

جلالی حیران تھے، اب بھی حیران تھے۔ جیہ دعوت قبول کرنے کی حامی خوشی سے بھر رہی تھی۔ یہ دعوتی سلسلہ مہینوں پر پھیل جانا تھا۔

کیا جیہ کو علم نہیں تھا کہ چند ہی دنوں یا ہفتوں بعد اسے واپس جانا ہے؟

پھر بھی

وہ

سب سے ہنسی خوشی وعدہ کر رہی تھی۔

ہنسی خوشی

جس کا جواز؟

جلالی کچھ سمجھ نہ پا رہے تھے۔

-------O-------



مہمانوں کو گرم جوشی سے خدا حافظ کہہ کر رخصت کیا گیا۔ جلالی اور جیہ ساتھ ساتھ دروازے پر کھڑے تھے۔ آخری موٹر بھی جس موڑ تک نظر آتی رہی، دونوں ہاتھ ہلاتے رہے۔

گاڑیاں نظروں سے اوجھل ہو گئیں تو جلالی اور جیہ اندر آ گئے۔

چپ چاپ

اجنبی اجنبی

بیگانہ بیگانہ

جلالی نے کچھ کہا نہ جیہ کچھ بولی۔

جیہ اندر چلی گئی۔

اور

جلالی اپنے کمرے میں آ گئے۔

وہ انتہائی پریشان نظر آ رہے تھے، کھوئے کھوئے تھے۔ جیہ کا طرز عمل نگاہوں میں تھا۔ اس کی انہیں توقع تھی نہ امید۔

جیہ نے انہیں اک نئی الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اس طرز عمل کی ضرورت نہ تھی۔ جو کچھ ہونا تھا، آج ہی ہو جاتا۔ اب تو سب کے ساتھ ساتھ اس جھوٹ اور تصنع کا بھی پول کھل جانا تھا۔

وہ رسوائیوں کے خوف سے پریشان تھے۔ اس بناوٹی اظہار کے پول کھلنے پر حصے آنے والی ذلت سے مضطرب تھے۔

جیہ کے علم میں تھا کہ اس کی واپسی کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ علیحدگی کے

کاغذات تکمیل پانے والے ہیں۔ پھر اس نے ان کے دوستوں کا ایسا پُر جوش اور ولولہ انگیز استقبال کیوں کیا۔ کیا وہ جاتے جاتے رسوائیوں کے ڈھیر تلے انہیں اس طرح دفن کرنا چاہتی ہے کہ وہ اپنا منہ کسی کو دکھانے کے قابل ہی نہ رہیں۔ ان کا جرم اتنا سنگین بھی تو نہیں۔ جو وہ ایسی کڑی سزا دینے کی کوشش کر رہی ہے۔

جلالی کمرے میں بے تابی سے ٹہلتے ہوئے سوچ رہے تھے۔ سوچیں منفی ڈگر پر تھیں۔

منفی ڈگر بھی تو اک ڈھلان کی مانند ہوتی ہے جس پر سے پھسلتے جائیں تو پھسلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ نیچے ہی نیچے، گہرائیوں ہی گہرائیوں میں اترتے چلے جاتے ہیں جہاں اندھیرا ہوتا ہے۔ کچھ نظر نہیں آتا۔ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اندھیرے میں لاکھ ہاتھ پاؤں مارے جائیں، صحیح راستے پر آیا ہی نہیں جاتا۔ صحیح کی شناخت اور پہچان تو روشنی کے دم سے ہوتی ہے۔ راستے کی سمت کا تعین بھی اُجالے کا مرہونِ منت ہے۔

جلالی اتھاہ اندھیروں میں ڈوبتے چلے جا رہے تھے۔ مایوسی اور یاسیت کے سوا انہیں کسی شے کا احساس نہیں تھا۔ ہاں انہیں جیہ پر بڑی بے رحمی سے غصہ آ رہا تھا۔ انہوں نے اپنی طرف سے دب کر نیچا ہو کر ہر ممکن کوشش کی تھی کہ اسے اذیت اور کوفت سے چھٹکارا دلا دیں لیکن آج......

پھر

انہوں نے اپنی ہتھیلی پر زور سے مکہ مارا۔ دانت بھینچ لیے اور تیز اور غیر ہموار سانسوں سے ان کے نتھنے پھڑکنے لگے۔

جیہ ان کے جذبات واحساسات سے بے خبر تھی۔

مہمانوں کے چلے جانے سے گھر ایک دم سونا اور ویران سا ہو گیا تھا۔ کتنے اچھے، پُر خلوص اور محبت کرنے والے لوگ تھے سب۔ جیہ نے ان کی قربت میں تسکین محسوس کی تھی۔ اسے ماں باپ، بہن بھائیوں سے ہزاروں میل کی دوری ختم ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

ان کے جانے کے بعد وہ ایک دم افسردہ اور ملول ہو گئی تھی۔ افسردہ اور غمزدہ



ہونے کا تاثر اس کے چہرے سے ظاہر تھا۔

اسے جلالی نے مایوس کیا تھا۔ افسردگی اور ملال اسی وجہ سے تھے۔ اس کا خیال تھا، جلالی اس کے حسن انتظام اور طرز عمل سے اتنے خوش ہوں گے کہ مہمانوں کے رخصت ہوتے ہی اپنے جذبات کا اظہار اتنے جذباتی انداز سے کریں گے کہ وہ موم کی طرح پگھل جائے گی۔ وہ اسے وفور جذبات سے مغلوب ہو کر تھام لیں گے۔ پکڑ لیں گے۔

اور

اور

وہ

اسی لمحے کی منتظر ہو گی۔ اسی لمحے وہ یاسیت کی اٹھی ہوئی دیواروں کو توڑ ڈالے گی...... جلالی کے بازوؤں میں جھول کر ان کے سینے سے لپٹ کر بے اختیارانہ رو دے گی۔ اس کی آنکھوں میں اس خیال سے ہی آنسو ڈھل ڈھل آ رہے تھے۔

لیکن

کوئی بات بھی تو اس کی توقع کے مطابق نہ ہوئی۔

جلالی تو سیدھے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

اور

اب تک وہیں تھے۔

جیہ نے ڈائننگ روم سے سارے برتن اٹھا کر کچن میں رکھے۔ ڈرائنگ روم ٹھیک کیا۔ ساری جگہ ویکیوم کلینر سے صاف کی۔ جھاڑ پونچھ کرتے ہوئے اس نے بھاری بھاری صوفوں کو گھسیٹا۔ میزیں ادھر سے ادھر سرکائیں۔ دروازوں کے پٹ زور سے کھولے اور بند کیے۔

لیکن

جلالی باہر نہیں آئے۔

اور

پھر اس نے کچن میں رکھے سارے برتن ڈش واشر میں ڈالے۔ ڈسپوزیبل پلیٹیں سنک میں ڈال دیں۔

پورا گھنٹہ کچن کو ٹھیک ٹھاک کرتے گزر گیا۔

باہر اندھیرے کبھی کے اتر چکے تھے۔ برقی روشنیوں میں ہر چیز نہائی ہوئی تھی۔ نور کا سیلاب تھا جیسے لیکن من میں اندھیرے ہوں تو روشنیاں بھی اندھی لگتی ہیں۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا، جیہ کی امیدوں کے لو دیتے چراغ بجھتے جا رہے تھے۔ گہری مایوسی ہر طرف چھا رہی تھی۔ اس نے اپنی طرف سے بڑا معرکہ مارا تھا۔ بساط سے بڑھ کر بھرم رکھنے کی جدوجہد کی تھی۔

لیکن

صلہ؟

ہم اقرار کریں یا نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم جو کچھ بھی کسی کے لیے کرتے ہیں، اسی کے صلے کے امیدوار ہوتے ہیں۔ کسی صورت میں بھی صلے کی توقع ہوتی ہے۔ یہ صلہ پیار کے چند بول بھی ہو سکتے ہیں۔ ضروری تو نہیں کہ ہر چیز مادیت کے ترازو میں تولی جائے۔ بعض نرم و نازک جذبے ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف اور صرف پیار کے اظہار سے تسکین پا جاتے ہیں۔ یہ پیار کے دو بول ہی اتنا بڑا صلہ ہوتے ہیں کہ مادہ اس کے سامنے کوئی حیثیت و وقعت ہی نہیں رکھتا۔

جیہ سارے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آگئی۔ ساڑھی اتار کر پلنگ پر ہی رکھ گئی تھی۔ اس نے ساڑھی تہہ کر بلاؤز اٹھایا۔ پٹی کوٹ لیا اور ساری چیزیں ہینگر میں ڈال دیں۔

جلالی ابھی تک کمرے سے باہر نہ آئے تھے۔

"کہیں باہر ہی تو نہیں چلے گئے؟" جیہ نے سوچا اور پھر تیزی سے پچھلی طرف جا کر ڈرائیو وے پر نظر ڈالی۔

جلالی کی گاڑی کھڑی تھی۔ ان کے کمرے کی بتیاں روشن تھیں۔ وہ یقیناً اندر ہی تھے۔



جھلاہٹ اور غصہ تو اسے تھا ہی لیکن اسے خیال آگیا۔ جلالی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ منصور نے انہیں کوئی دوائی لینے کو بھی کہا تھا۔

جذبہ ترحم اس کے سینے میں مچل اٹھا۔ غصہ اور جھلاہٹ دور ہو گئی۔ یقیناً جلالی کے سر میں شدید درد ہے۔

تو پھر

اسے کیا کرنا چاہیے؟

کچھ سوچتے ہوئے اس نے کچن کا رخ کیا۔ جلدی جلدی چائے بنائی۔ خوبصورت پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے اس کے جذبات بھی کچھ اسی چینی کی طرح نازک نازک تھے۔

پھر اس نے دراز سے سر درد کی گولی نکالی۔ چند دن پہلے مسز ہیرلڈ نے اسے یہی گولی سر درد کے لیے دی تھی۔

دونوں چیزیں لے کر وہ کچن سے باہر نکل آئی۔

اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ شرم و حجاب پاؤں کی زنجیر بن رہے تھے لیکن جانے کون سا جذبہ تھا جس کی صداقت میں اتنی قوت تھی کہ اسے دھکیل کر جلالی کے بیڈ روم کی طرف لے جا رہا تھا۔

دروازے کے باہر وہ رک گئی۔

اسے یوں لگا جیسے اس کے قدم قالین پر نہیں، زمین کے اندر دھنس گئے ہیں۔ اس سے ہلا تک نہیں جاتا۔ اسے پسینہ آگیا۔ دل سینے میں کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔ جلالی کے بیڈ روم کی طرف وہ آج پہلی دفعہ آئی تھی۔ یوں کہ اندر جلالی تھے۔

پھر جانے کیسے ہمت مجتمع کر کے اس نے دروازہ اپنی انگلی سے بجایا، دروازہ بند نہیں تھا۔

دوبارہ ہلکی سی دستک دینے پر جلالی کے قدموں کی آواز آئی۔

اور

دروازے کا پٹ پورا کھل گیا

انہوں نے کہا تو نہیں، جیہ خود ہی اندر آ گئی اور چائے کی پیالی میز پر رکھ دی۔

جلالی نے اسے دیکھا۔

سر تا پا دیکھا

اور

پھر

چائے کی پیالی پر نظر ڈالی۔

"میں نے چائے نہیں مانگی۔" انہوں نے برف کی طرح یخ بستہ لہجے میں کہا۔

"جی۔ میں خود ہی لائی ہوں۔"

"کیوں؟"

"آپ کے سر میں درد تھا شاید۔"

"اوہ۔"

جلالی دروازے سے ہٹ کر اس کے عین سامنے آ کھڑے ہوئے۔ جیہ نے اک نگاہ ان پر ڈالی۔

وہ خاصے ہیبت ناک لگ رہے تھے۔

"کیا خیال آ گیا۔" انہوں نے بڑے ترش لہجے میں کہا۔ جیہ نے معاملے کو سنگین نہ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مسز ہیرلڈ چھٹی پر ہیں اور ان کی ذمہ داری میرے سر......"

"آپ کسی ذمہ داری کی پابند نہیں ہیں۔" وہ اپنے قدموں پر گھوم کر سختی سے بولے۔

جیہ کا دل جیسے اک لحہ کو تھم گیا۔ اسے یوں لگا جیسے جلالی نے کس کر تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا ہو۔

پھر بھی

وہ



کھڑی رہی

ڈھیٹ بن کر کھڑی رہی۔

جلالی کی قربت کا حصول اتنا سہل کہاں رہا تھا۔ پہلے ہی دن غلط فہمی یا حالات کی یورش نے خلاء پیدا کر دیا تھا۔ اسے آسانی سے تھوڑا ہی پُر کیا جا سکتا تھا۔

اسی لیے وہ جی کڑا کر کے کھڑی رہی۔

چند لمحے گزر گئے۔

پھر جلالی نے پلٹ کر جیہ کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے چپ چاپ کھڑی بڑی معصوم لگ رہی تھی۔

لیکن

وہ معصوم نہیں تھی۔ آج جلالی نے اس کے رویے سے یہی محسوس کیا تھا۔

"آپ ایکٹنگ بہت اچھی کرتی ہیں۔" جلالی نے اسے بھرپور نظروں سے دیکھتے ہوئے بے مہر لہجے میں کہا۔

جیہ نے گھبرا کر انہیں دیکھا۔

"آج تو آپ نے غضب کی اداکاری کی۔" جلالی نے پھر اسی لہجے میں کہا۔

جیہ نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ وہ دھیمی دھیمی مسکراہٹ لبوں میں دبانے کی کوشش کر رہی تھی جو جلالی نہیں دیکھ سکے۔

"اس...... کی...... ضرورت...... نہیں تھی۔" اک اک لفظ پر زور دے کر وہ برہم لہجے میں جیسے چیخے۔

جیہ ششدر رہ گئی۔ برق کی سی تیزی سے گردن گھمائی اور پوری آنکھیں کھول کر حیرت سے انہیں دیکھا۔

"آپ نے میری پریشانی اور الجھن میں اضافہ کر دیا ہے۔ جو بات ان لوگوں کو کل معلوم ہونا تھی، آج کیوں نہ پتہ چلنے دی۔ اپنی ناپسندیدگی اور اپنے تنفر کا اظہار کر دینا چاہیے تھا۔ اس بناوٹ اور تصنع کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آپ کے دل میں جو کچھ تھا، برملا کہنا چاہیے تھا۔ آپ نے...... آپ نے مجھے ان لوگوں کی نظروں میں رسوا اور

ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ کل کو میں انہیں کیا منہ دکھاؤں گا۔ کیا کہوں گا۔ آج جس جھوٹ کا اظہار ان کے سامنے ہوا ہے، اس کی پردہ دری پر کیا کہوں گا؟"

جیہ حیرت زدہ سی ان کا منہ تکے جارہی تھی۔ اتنے برہم اور بکھرنے کو تھے وہ۔ جیہ کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔

"آپ کو معلوم ہے چند دنوں تک آپ واپس جارہی ہیں۔ پھر پھر آپ نے یہ سارا ڈرامہ کیوں کیا؟" جلالی نے اس کی طرف کمر موڑتے ہوئے جگر خراش لہجے میں پوچھا۔

جیہ کو ان کے رویے سے کوفت تو ہوئی تھی۔

لیکن

ان کی اس بات پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بتایئے نا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟" جلالی غصے سے بپھرتے ہوئے پلٹے۔

جیہ کو بھی غصہ آگیا۔ آخر یہ بات وہ آرام سے بھی پوچھ سکتے تھے۔ اتنا کڑوا کسیلا ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ آنکھوں میں سرخی اتر آئی اور وہ پھنکار بھرے لہجے میں بولی۔ "میں نے ایسا اس لیے کیا کہ میں واپس نہیں جارہی۔"

جلالی جیسے اس کی بات سمجھ نہ پائے۔ سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ آنکھیں پھیلاتے ہوئے بے یقینی سے جیہ کو دیکھتے ہوئے بولے۔ "کیا؟ کیا؟"

"میں واپس نہیں جارہی۔" انہی کے سے لہجے میں جیہ ایک ایک لفظ پر زور ڈالتے ہوئے بولی۔

"جی؟ جی؟......" جلالی کا غصہ ہرن ہو گیا۔ دودھ کا ابال کناروں کے اندر اک لمحے میں سمٹ گیا۔ ہراساں، ششدر۔ حیرت زدہ جیہ کو دیکھنے لگے۔

جس نے پشت ان کی طرف کر لی تھی اور کمرے سے جانے کے لیے قدم اٹھا لیا تھا۔

"آپ۔ آپ نہیں جارہیں۔ یہی کہا ہے نا آپ نے؟" جلالی نے اسے



کندھوں سے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائے لیکن چند انچ کے فاصلے پر ہاتھ اسے چھوئے بنا رک گئے۔

"تو...... تو آپ نہیں جارہیں۔" جلالی اس کے سامنے آکر بولے۔ وہ ابھی تک بے یقینی کو یقین دلانے کی کوشش میں تھے۔

"جی ہاں۔ میں نہیں جارہی۔" جیہ کو ان پر بے طرح غصہ آرہا تھا۔ بدھو کہیں کے کچھ سمجھتے ہی نہ تھے۔

"تو...... تو پھر...... آپ کہاں رہیں گی؟" وہ ہکلائے۔

"جہاں سینگ سمائیں گے۔" وہ غصے سے پاؤں پٹختے کمرے سے نکل گئی اور جلالی کو اک زبردست دھچکا لگا۔ وہ برابر پڑی کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

جیہ کے نہ جانے کے فیصلے سے امید کی کرن چمکی تھی۔ اک شعلے کی طرح جیسے لوہا لوہے سے رگڑ کھائے تو روشنی کی چنگاریاں چھوڑتا ہے، یہ چنگاریاں بڑی حوصلہ افزا تھیں۔

لیکن

اس کی آخری بات سے یہ شعلہ، یہ چنگاری، یہ کرن راکھ بن گئی۔

-------O-------

کام اتنی جلدی ہو جائے گا، کسی کو امید تھی نہ توقع لیکن
کام تو جیسے پلک جھپکتے ہی ہو گیا تھا۔

ریحان اور امجد کو صوفیہ نے بلا کر جلالی کے فون کے متعلق بتایا تھا۔

"وہ تمہیں اپنی لندن والی فرم میں ملازمت دینا چاہتے ہیں۔ دینا کیا چاہتے ہیں، دے دی ہے۔ ان کا فون آیا تھا۔

اپنے لندن والے منیجر مسٹر فیلر کو انہوں نے ساری بات سمجھا دی ہے۔ اب تم لوگ اپنے پاسپورٹ بناؤ اور نمبر انہیں بھیج دو تاکہ ویزا وغیرہ بھجوا دیں۔"

"ہمارے پاسپورٹ تیار ہیں باجی۔"

"پھر تو ٹھیک ہے۔ کل چار بجے کے قریب ان کے منیجر کا فون آئے گا۔ تم دونوں آ جانا۔ خود ہی ان سے بات کر لینا۔ اپنے اباجی کو بھی ساتھ لے آنا۔ بہتر ہو گا کہ ساری تفصیلات آپ لوگ خود ہی طے کر لیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم تینوں کل چار بجے آ جائیں گے۔"

"خدا مبارک کرے۔"

"ہم جلالی بھائی کے شکر گزار ہیں جو انہوں نے ہمارا اتنا خیال رکھا۔"

"جلالی بڑے عظیم آدمی ہیں۔ صرف جیہ ہی کی نہیں، تمہاری ساری فیملی کی خوش قسمتی ہے جو ان جیسا انسان مل گیا ہے۔"

"واقعی باجی۔ جیہ تو وہاں ماشاء اللہ عیش کرے گی ہی یہاں ہمارے سارے خاندان کی رت بدل گئی ہے۔"

"رت تو ابھی اور بدلے گی۔ جب تم دونوں بھائی لندن جاؤ گے اور وہاں جلالی کا کام اپنا کام سمجھ کر سنبھالو گے۔"



"انشاء اللہ۔ انشاء اللہ۔"

دوسرے دن ساڑھے تین بجے کے قریب ریحان، امجد اپنے اباجان کے ساتھ صوفیہ کے ڈرائینگ روم میں بیٹھے لندن آفس سے آنے والے فون کا انتظار کر رہے تھے۔

ریاض احمد فوزیہ کے ممنونِ احسان تھے۔ اس کا اظہار وہ صوفیہ کے سامنے کر رہے تھے۔ ان کا انداز اتنا عاجزانہ تھا کہ صوفیہ نے مناسب نہیں سمجھا کہ وہ یوں عجز کا اظہار کرتے جائیں۔

"فوزیہ تو اک وسیلہ بنی ہیں ریاض انکل ورنہ قسمت تو ناجیہ کی یاور تھی۔ اتفاق ہی کی بات کہ وہ بچیوں کو پڑھانے آتی تھی اور انہی دنوں فوزیہ باجی آ گئیں۔"

"اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے بیٹی۔ یہ عنایت ہم پر تو فوزیہ کے توسط سے ہی ہوئی ہے۔ ہمارے دل سے ان کے لیے دعائیں نکل رہی ہیں۔"

"بزرگوں کی دعاؤں کا کون طالب نہیں ہوتا انکل۔ فوزیہ اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں۔" پھر وہ ہنس کر بولی۔ "تھوڑا سا حصہ اس کار خیر میں میرا بھی ہے۔ مجھے بھی دعاؤں سے نوازا کریں۔"

فیاض اس کی بات پر مسکرا کر بولے۔ "سب بچیاں ہو میری۔ بچیوں کے لیے ماں باپ کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہی رہتے ہیں۔"

"شکریہ۔"

"فون لندن سے آئے گا یا جلالی امریکہ سے کریں گے؟"

"لندن آفس سے ان کے منیجر مسٹر فیلر کریں گے۔ انہیں جلالی کی طرف سے سارے اختیارات اور ہدایات مل چکی ہیں۔"

"جلالی کا کاروبار کافی وسیع ہے؟"

"جی ہاں۔ باجی تو جو کچھ بتا کر گئی ہیں، بے یقینی سی ہوتی ہے لیکن ہے واقعی بہت بڑا کاروبار۔ لندن آفس کا عملہ ہی اتنا بڑا ہے کہ ان کی تنخواہوں کا حساب لگائیں تو کام کی وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ سٹیٹ میں بھی ان کے کئی کاروباری سلسلے ہیں۔ اب تو سنا ہے کہ ایئر لائنز میں بھی حصص خرید رہے ہیں۔ شپنگ کمپنی میں تو پہلے کے

حصہ دار ہیں۔ فوزیہ بتا رہی تھیں کہ اک بہت بڑا اور ورائٹی سٹور بھی چل رہا ہے اور خدا جانے کیا کچھ ہے۔"

"ہم تو بیٹا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔"

"اسی لیے تو کہتی ہوں کہ یہ سب جیہ کے نصیب کی یاوری ہے۔"

"چلیں جی ان کے طفیل ہمارا بھی کام بن جائے گا۔" ریحان مسکرا کر بولا۔

"ایسے ہی ہوتا ہے بھائی۔" صوفیہ نے کہا۔ "اب آپ لوگ ہی تو جلالی کے عزیز رشتہ دار اور بہن بھائی ہیں۔ ان کا اپنا تو کوئی ہے ہی نہیں۔"

"انشاء اللہ ہم اپنوں سے بڑھ کر ثابت ہوں گے باجی۔" امجد نے کہا۔

"جلالی بھائی کو کبھی کمی محسوس نہ ہوگی۔"

"خدا کرے۔"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔"

سب ان دیکھے جلالی کی باتیں کر رہے تھے۔ جیہ سے شادی کے بعد ریحان اور امجد کو لندن بلانے کا پروگرام ان کا دوسرا بڑا احسان تھا۔

"جیہ کا کوئی خط آیا؟" صوفیہ نے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد پوچھا۔

"ابھی تو نہیں آیا۔ فوزیہ نے ہی اطلاع دی تھی پہنچنے کی۔"

"ہاں وہ تو فون آیا تھا، خط بھی آجائے گا۔"

"ہم نے خط لکھے ہیں، شاید ان کا جواب آجائے۔"

"ریاض انکل۔"

"جی۔"

"اب آپ فون لگوالیں۔ جیہ ماشاء اللہ اتنی مالدار ہے کہ روز آپ کو فون کر سکتی ہے۔"

"ہاں ابو...... اگر ہم دونوں بھی چلے گئے، پھر تو آپ کو فون ضرور لگوانا پڑے گا۔"

"دیکھو۔"

"اپلائی تو کر دیں، کنکشن اتنا جلدی تھوڑا ہی مل جاتا ہے۔"



"میری واقفیت ہے۔" ریحان نے کہا۔ "جلد ہی مل سکتا ہے۔"

"پھر تو ضرور لگوالیں۔"

ریاض احمد نے سر ہلایا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ ایسے امکانات کب کبھی ان کے ذہن میں آئے تھے۔ ان کا رواں رواں اللہ تعالیٰ کے احسان و عنایت سے سرشار تھا۔

فون کوئی ساڑھے چار بجے کے قریب آیا۔ صوفیہ چائے لے آئی تھی لیکن پیالی آدھی بھی نہ ہوئی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مسٹر راک فیلر نے جلالی کی ہدایت کی روشنی میں بات کی۔ تنخواہ بھی بتادی۔ کام کا ذکر بھی کیا۔ رہائش کا بندوبست بھی اسی نے کرنا تھا۔

ریحان اور امجد کو تو یقین ہی نہ آرہا تھا۔ سب کچھ یوں لگتا تھا جیسے کوئی سہانا خواب ہے۔ ریاض احمد بھی جلالی کے اس اقدام سے بے انتہا خوش اور احسان مندی کے جذبے سے مغلوب نظر آرہے تھے۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔ احسان ہے۔ عنایت ہے ورنہ ہم تو کسی قابل نہیں تھے۔" فون بند ہونے کے بعد ریاض احمد نے ہاتھ باندھ کر اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

"مبارک ہو بھئی۔" صوفیہ نے امجد اور ریحان سے کہا۔ "پھر بولی، کیا طے پایا ہے۔"

ریحان نے مختصراً بتاتے ہوئے کہا۔ "باجی ہمیں اس کی چوتھائی اجرت پر بھی کام مل جاتا تو غنیمت سمجھتے۔ یہ تو جلالی بھائی کی محبت اور خلوص ہے۔"

"تم لوگ بھی اپنا کام سمجھ کر کرنا۔"

"بالکل۔ بالکل۔"

کچھ دیر تینوں بیٹھے رہے۔ ریحان اور امجد کو جلدی تھی۔ وہ گھر جا کر یہ خوشخبری سب کو سنانے کے لیے بے چین تھے۔

"چائے تو فون آنے سے ٹھنڈی ہو گئی اور بنواؤں؟" صوفیہ نے پوچھا۔ ریحان اٹھتے ہوئے بولا۔ "نہیں باجی، شکریہ۔"

ریاض احمد بھی اٹھتے ہوئے بولے۔ "بیٹے آپ کو تکلیف دی۔"

"کوئی بات نہیں انکل۔" صوفیہ بولی۔ "جب تک آپ کے ہاں فون نہیں لگ

جاتا، یہ تکلیف آپ مجھے دیں گے ہی۔"

سب مسکرانے لگے۔ پھر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے گھر چلے آئے۔ ریحان نے گھر میں داخل ہوتے ہی مبارک مبارک کا شور مچا دیا۔ اماں، بہنیں اور بھائی صحن میں نکل آئے۔

امجد ماں سے لپٹ گیا اور ریحان نے تانو کے صفی کو اٹھا کر ہوا میں اچھال دیا۔

"کچھ بتاؤ بھی۔" تانو تخت پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"عیش ہو گئی۔ تانو باجی عیش۔" ریحان نے کہا۔

عقیقہ ابو کے لیے اندر سے کرسی اٹھا لائی۔ اماں تخت پر تانو کے قریب بیٹھ گئیں۔

"مل گئی نوکری؟" تانو نے ریحان بھائی کو بازو سے پکڑ کر پوچھا۔ "اپنا کام ہے بی بی۔ نوکری کیسی؟" ریحان نے تفاخر سے سینہ تان کر کہا۔

"کب جاؤ گے؟" تانو نے پوچھا۔

"بس کل ہی۔" امجد نے کہا۔

اماں نے سینے پر ہاتھ مارا۔ "کل ہی......"

"نہیں اماں۔ ایسے بک رہا ہے۔ بس مہینہ ڈیڑھ تو لگ ہی جائے گا۔ پاسپورٹ نمبر اور ضروری کوائف کل ہی بھیج دیں گے۔ پھر ماں آپ کے دو صاحبزادے لندن چلے جائیں گے۔"

"جہاں رہو شاد و آباد رہو۔" ماں نے دعا دی۔

"ویسے اماں۔" ریحان چھیڑنے کے موڈ میں تھا۔

"کیا؟"

"آپ کے بچے آپ سے بچھڑتے چلے جا رہے ہیں۔ جیہ کالے کوسوں دور چلی گئی۔ اب دو برخوردار چلے جائیں گے۔"

اماں کے دل میں ریحان کا مذاق تیر کی طرح اتر رہا تھا۔ جیہ کو وہ بہت مس کر رہی تھیں۔ انہیں تو یوں لگتا تھا جیسے وہ برسوں سے بچھڑی ہوئی ہے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے۔



امجد نے قہقہہ مارتے ہوئے بازو ان کے گلے میں حمائل کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر کریں ماں جی۔ ہم لوگ کیا تھے اور دنوں میں کیا بنتے جا رہے ہیں۔ کچھ پانے کے لیے دینا بھی پڑتا ہے۔"

"اور آپ نے اتنا کچھ پایا ہے کہ جو کچھ دے رہی ہیں، اس کے مقابلے میں بہت کم ہے۔" تانو نے کہا۔

"ہاں تانو بیٹے۔" ریاض بولے۔ "ہمارے تو دن ہی بدل گئے ہیں۔ کایا ہی پلٹ گئی ہے۔"

"بالکل۔ اسی لیے دل مضبوط کرنا چاہیے۔" تانو ماں کو حوصلہ دلاتے ہوئے بولی۔ چند باتیں کرنے کے بعد بولی۔ "اماں آپ کبھی یہ سب کچھ سوچ بھی سکتی تھیں؟"

ریاض احمد بولے۔ "خواب میں بھی نہ سوچا تھا بیٹے۔"

"جیہ کی شادی بڑی بابرکت ہے ابا جی۔" تانو نے کہا۔ "مسز جعفر جیسی عورت عقیقہ کے لیے طلب گار ہے۔ لکھ پتی لوگ ہیں۔"

ریاض احمد کے چہرے پر نور سا پھیل گیا۔ عقیقہ ان کی کرسی کی پشت پر کھڑی تھی۔ مسز جعفر کا نام سن کر اندر بھاگ گئی۔ مسز جعفر دو دفعہ رشتہ کے لیے آ چکی تھی۔ لڑکی اسے بہت پسند تھی۔ اس نے یہ رشتہ حاصل کرنے کا عزم کر لیا تھا۔

سب باتیں کرنے لگے۔ گھر کا ہر فرد خوش تھا۔ اتنا خوش کہ زمین پر پاؤں نہ پڑتا تھا۔ سب سے زیادہ خوشی اس بات سے تھی کہ اللہ نے انہیں سر اٹھا کر چلنے کے قابل بنا دیا تھا۔

ریحان اور امجد کے لندن جانے کی خبر سارے محلے میں پھیل گئی۔

تایا تائی کو بھی پتہ چلا۔ نوید بھی ان دنوں یہیں تھا، اسے بھی خبر ملی۔ وہ دل ہی دل میں ان لمحوں کو کوستا تھا جن کی گرفت میں آ کر اس نے ماں اور بہنوں کی خواہش کے سامنے سر جھکاتے ہوئے جیہ کو چھوڑ کر نادرہ کو قبول کر لیا تھا۔

یہ کون سا جذبہ تھا۔ خدا جانے اس کے دل کے نہاں خانوں میں چھپی محبت تھی یا پچھتاوا، بہر حال جیہ اس کے لیے گیا وقت تھی۔

گیا وقت......

جو اچھا ہو یا برا۔

دوبارہ گرفت میں نہیں آتا۔

جیہ کے گھر میں خوشیوں کا دور دورہ تھا۔

دوسرے ہی دن ریحان اور امجد سویرے سویرے اپنے پاسپورٹ لے کر نکل گئے۔ جو کچھ کرنا تھا، مسٹر فیلر نے تفصیل سے بتادیا تھا۔ اسی روشنی میں دونوں دوڑ دھوپ کرنے میں مصروف ہوگئے۔

اور اگلے ہی دن جیہ کا خط آگیا۔

امی، ابا اور تانو کو اس نے الگ الگ خط لکھے تھے۔

خط میں ان خیالات کا پرتو بھی نہ تھا جن سے وہ ان دنوں گزر رہی تھی۔ اس نے اپنے یہاں پہنچنے سے لے کر خط لکھنے تک کے سارے دنوں کی روئیداد اس طرح لکھی تھی کہ لگتا تھا، کوئی رنگین سا افسانہ ہو۔

اماں نے خط کوئی دو دفعہ خود پڑھا۔ ایک دفعہ تانو سے پڑھوایا اور ایک دفعہ ریاض احمد سے سنا۔

انہوں نے صدق دل سے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔ ”آج مجھے تسلی ہوئی ہے۔ شکرانے کے نفل پڑھوں گی۔ خدا میری بچی کو شاد و آباد رکھے۔“

”آمین۔“ سب نے کہا۔

جیہ نے خط بڑا دلچسپ اور مزیدار بنا کر لکھا تھا۔ اس نے یہی سب سے بڑی عقلمندی کی تھی۔ خط میں اپنے کسی افسوس یا پچھتاوے کا اظہار کر دیتی

تو

ماں باپ

اور

بہن بھائیوں کی بے پناہ خوشیوں کو موت آجاتی۔

--------O--------



جیہ کمرے سے پیر پٹختے جاچکی تھی۔

جلالی کے قدم جیسے زمین کے سینے میں گڑ گئے تھے۔ کسی نصب شدہ بت کی طرح کھڑے تھے۔ جیہ کے الفاظ سنے تھے، شاید سمجھے بھی تھے۔

لیکن

الفاظ کا سننا اور سمجھنا ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔ ان پر یقین کرنا ہی تو سب سے بڑا مرحلہ ہوتا ہے۔

جلالی تو جیسے سکتے میں آگئے تھے۔ چند لمحوں کو ساری قوتیں ساری صلاحتیں جمود کے نقطے سے ٹکرانے لگی تھیں۔

اب بھی سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ ہل جل نہیں رہے تھے۔ یوں جیسے ڈر رہے ہوں کہ جگہ سے ذرا بھی سرکے تو جیہ کے الفاظ اپنے معنی کھودیں گے۔ شاید خواب سمجھ رہے تھے۔ جو ذرا سی حرکت کرنے سے بھی ٹوٹ جانے کے امکان سے دوچار تھا۔

جیہ کو ان پر غصہ آرہا تھا۔

اتنا غصہ

کہ اظہار کے لیے اسے صرف آنسو ہی مل سکے۔

جلالی کی خوابگاہ سے لیونگ روم تک وہ بمشکل پہنچی۔ آنسو بے قراری سے بہنے لگے اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے اس کے بازو پر سر ٹکادیا۔ اپنے بازو کے حلقے میں سر رکھ کر وہ سسکیوں سے رونے لگی۔

روتے ہوئے بھی وہ جلالی کے آنے کی متوقع تھی۔ اس کا خیال تھا، وہ خوشی

سے پاگل ہو کر اس کے تعاقب میں لپکیں گے۔ یقین دہانی کے لیے بار بار اس سے ایک ہی بات پوچھیں گے۔

لیکن......

وہ کتنی دیر اکیلی بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔

آنسوؤں کا بھی تو اک ذخیرہ ہوتا ہے۔ ذخیرہ جو لامحدود نہیں ہوتا۔ کسی نہ کسی حد کے اندر ہی ہوتا ہے۔

وہ رو چکی تھی۔

بہت رو چکی تھی۔

رو رو کر خود ہی قرار بھی آجاتا ہے۔ اس نے دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھیں۔ اب اس پر بے بسی کی کیفیت طاری نہ تھی۔ غصہ عود کر آرہا تھا۔ جلالی کو بدھو، بے وقوف اور کم عقل جانے وہ دل ہی دل میں کن کن لفظوں سے نواز رہی تھی۔

آنسو پونچھتے ہوئے اک ہلکے سے جھٹکے سے وہ صوفے سے اٹھی۔ اس کا قصور ایسا بھی نہ تھا کہ معافی کی راہیں ہی مسدود ہو جاتیں۔ جلالی کو یہ بات سمجھنا چاہیے تھی۔

بڑبڑاتے ہوئے وہ اٹھی۔

اپنے بیڈ روم کی طرف جانے کو تھی کہ جلالی لیونگ روم میں آگئے۔

جیہ نے انہیں دیکھا۔

اور

جلدی سے منہ پھیر لیا۔

لیکن

اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔

"ناجیہ۔" جلالی اس کی پشت سے چند فٹ کے فاصلے پر رکتے ہوئے بولے۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ہاں اس کی آنکھوں میں برسات پھر سے امنڈ آئی۔

"ناجیہ۔ آپ نے جو فیصلہ کیا ہے، کیا اس پر سنجیدگی سے عمل پیرا ہوں گی؟"



وہ بڑے ستے ہوئے لہجے میں بولے۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے نکل نکل کر گالوں کو تر کر رہے تھے۔

"میں...... میں آپ سے اسی سلسلے میں کچھ کہنا چاہوں گا۔" وہ جیسے کشمکش میں مبتلا تھے۔

جیہ نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔ جلالی دو قدم اٹھا کر اس کے قریب آگئے۔ چند لمحے خاموش رہے، پھر آہستگی سے بولے۔ "ناجیہ...... آپ واپس نہیں جا رہی ہیں نا؟"

"جی۔ نہیں جا رہی...... فرمایئے۔" بڑے تلخ لہجے میں اس نے کہا اور جلدی سے پھر منہ موڑ لیا۔

جلالی شاید اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو نہ دیکھ سکے تھے۔ جلدی سے بولے۔ "آپ سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں......"

وہ رکے۔

پھر

جیہ کا جواب پائے بغیر بولے۔ "اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ یہاں ہی رہیں تو......"

جیہ کے سارے وجود کو اک جھٹکا سا لگا۔ "بدھو، بے وقوف، نامعقول، پاگل یہاں نہ رہوں گی تو اور کہاں جاؤں گی؟" اس نے دل ہی دل میں جلالی کو صلواتیں سنا ڈالیں۔

"ناجیہ کیا میں امید رکھوں کہ آپ یہاں ہی رہیں گی؟" جلالی کا لہجہ انتہائی عاجزانہ تھا۔ جیہ کو ان پر بے طرح غصہ آرہا تھا۔ یہ تو لمحہ تھا جو شکست و ریخت سے دوچار ہوتا ہے۔ وہ ٹوٹ پھوٹ رہی تھی، بکھر رہی تھی۔ جلالی کو تو بڑے حاکمانہ انداز سے، وحشیانہ انداز سے اسے سمیٹ لینا چاہیے تھا۔ اسے بے بس کر دینا چاہیے تھا۔ ان کا انداز عاجزانہ نہیں جارحانہ ہونا چاہیے تھا۔

لیکن

وہ تو مرقع عجز و انکسار بنے جیہ کی پشت سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑے تھے۔
ایک بار پھر انہوں نے پہلے سے کہیں زیادہ عاجزی سے کہا۔ "میری بات کا جواب تو دے دیں۔"
جیہ خونخوار سی ہو گئی۔ ایک دم اپنے پاؤں پر گھومی اور کھا جانے والی نظروں سے جلالی کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "فی الحال میں یہیں رہوں گی۔ جاؤں کہاں؟ جہنم میں؟"
جلالی نے اس کی طرف ڈرتے ڈرتے دیکھا۔ رو رہی تھی۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ہونٹوں پر آنسوؤں کی نمی تھی۔ جلالی نے جلدی سے رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ سخت ستے اور تھکے تھکے لہجے میں بولے۔ "ناجیہ میں معذرت خواہ ہوں۔ میں آپ کی ہر خواہش کا احترام کروں گا۔ اگر آپ یہاں سے جانا چاہیں...... تو تو...... بخوشی چلی جائیں۔ میں نے تو صرف یہ سوچ کر گزارش کی تھی کہ اس اجنبی ملک میں آپ کہاں جائیں گی؟ کس کے پاس جائیں گی؟"
"جب جانا ہوگا، آپ کو بتا دوں گی کہ کہاں جانا ہے اور کس کے پاس جانا ہے۔" جیہ نے دانت پیستے ہوئے انہیں دیکھا۔ اتنا لمبا چوڑا آدمی اتنا بزدل تھا کہ لپک کر اسے پکڑ کر جھنجوڑ نہیں سکتا تھا۔ بڑی سخت خونخوار اور بے رحم نظروں سے جیہ نے انہیں دیکھا۔
"بہتر۔" انہوں نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔
"فی الحال میں یہیں رہوں گی۔" اس نے تلخی سے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں اندھیری برساتی راتوں کی کیفیت لہرا رہی تھی۔ اس کا جواب اختتامی سا لگتا تھا۔ جلالی کا خیال تھا کہ وہ اس جملے کے ساتھ ہی وہاں سے قدم اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف چلی جائے گی لیکن ان کی توقع کے خلاف وہ وہیں کھڑی رہی۔
چند لمحے دونوں چپ چاپ کھڑے رہے۔ دونوں کے خیالات ایک ہی رفتار سے وقت کے ساتھ بھاگ رہے تھے لیکن دونوں کی سمت مختلف تھی۔
"کیا آپ کچھ دیر یہاں بیٹھنا پسند کریں گی؟" جلالی نے بے جان رینگتی خاموشی سے الجھ کر بڑی ہمت سے کہا۔



جیہ نے گردن گھما کر انہیں دیکھا۔ جلالی کی نظروں میں کوئی دعوت نہ تھی۔ چہرے کے تاثرات بھی بیگانگی کے مظہر تھے۔ انہوں نے قربت کی خواہش سے یہ استدعا نہ کی تھی۔ جیہ یہی سمجھ پائی۔
جیہ کو غصے پہ غصہ آ رہا تھا۔
"آیئے تھوڑی دیر کے لیے یہاں بیٹھ جائیں۔"
"کیوں؟"
"ٹی وی دیکھئے۔"
"شکریہ۔"
جیہ نے جل کر جانے کے لیے قدم اٹھایا تو جلالی لپک کر اس کی طرف آ گئے۔
"ناجیہ۔"
"جی فرمایئے۔" وہ بڑے طنز سے بولی۔
"دیکھئے ناجیہ......" جلالی نے جیسے دوٹوک فیصلہ کر لیا۔
"کہیے۔" وہ رک کر انہیں غصیلی نظروں سے دیکھ کر بولی۔
"ناجیہ...... آپ نے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا ہے نا......" وہ حسب معمول عاجز نظر آ رہے تھے۔
"جی فرمایئے......" اس نے درشت لہجے میں بڑی ناگواری سے کہا۔ "اور فی الحال آپ یہاں ہی رہیں گی؟" انہوں نے پوچھا۔ وہ عجز کے ساتھ ساتھ کچھ آسودہ نظر آ رہے تھے۔
"مجبوری ہے۔" جیہ نے دل جلے انداز میں مجبوری کو دانتوں میں چبا ڈالا۔
جلالی پھر بھی ناخوش نظر نہ آئے۔ انہیں تو اس بات سے خوشی تھی کہ جیہ فی الحال کہیں نہیں جائے گی۔
"مجبوری سہی لیکن آپ رہیں گی تو یہاں ہی......؟" جلالی نے اس کی بات کو جیسے نظر انداز کر دیا۔
دانت کچکچاتے ہوئے جیہ نے گھور کر انہیں دیکھا تو وہ مسکرا کر بولے۔

"دیکھیں ناجیہ۔ آپ نے یہاں ہی رہنا ہے تو میری گزارش ہے کہ ہم دونوں یوں بیگانہ بن کر رہنے کی بجائے دوستوں کی طرح بھی تو رہ سکتے ہیں۔"

جیہ کے لیے یہ بات بالکل ہی خلاف توقع تھی۔ اک لمحہ کو تو اسے یوں لگا جیسے وہ ریت کی دیوار ہے جو کبھی کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہوا کے دباؤ سے پانی کے ریلے سے بیٹھ جاتی ہے۔ بکھر جاتی ہے۔ منہدم ہو جاتی ہے۔

گنگ سی وہ انہیں تکنے لگی۔

جلالی کے چہرے پر بشاشت کے آثار تھے جو کسی طور اچھے نہیں لگ رہے تھے اور جیہ کو تو ان کی بزدلی، بے وقوفی، حماقت اور جانے کس کس بات پر غصہ آ رہا تھا۔

جھٹکے سے سنبھلی تو پھر جلالی کو دیکھا۔

وہ اپنے بھدے ہونٹوں میں بڑی معصوم مسکراہٹ چھپائے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"کیا میری دوستی بھی گوارا نہیں؟"

جیہ نے دکھ کی تیز دھار سینے میں اترتی محسوس کی۔ وہ کیسے کہہ دیتی کہ اے بدشکل، بے ہنگم اور کریہہ النظر انسان۔ تم تو مجھے اچھے لگنے لگے ہو۔ تمہاری ظاہری شکل و صورت میرے لیے ثانوی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ مجھے تو تم چاہیے۔ جو تم ہو، تم جیسے میں ہوں۔ ویسے تم تم بھی تو ہو۔ مجھے اسی تم نے متاثر کیا ہے اور میں اس تم سے بچھڑنے کا تو اب سوچ بھی نہیں سکتی۔

سوچوں کی ادھیڑ بن میں اس نے اپنا سر جھکا لیا تھا اور اپنے پالش شدہ ناخنوں کو تکے جا رہی تھی۔

جلالی لمحوں کی اس سنگین چپ اور بے رحم خاموشی سے دکھ گئے۔ بڑے کرب سے بولے۔ "ناجیہ۔ یہ نہ سمجھئے کہ میں آپ کو اس دوستی کے لیے مجبور کر رہا ہوں۔ شاید آپ کو یہ دوستی بھی گوارا نہ ہو۔ ایسی صورت میں آپ چاہیں تو یہاں جب بھی رہ سکتی ہیں۔ میرا وجود گوارا نہ ہو تو میں کہیں اور شفٹ کر لوں گا۔ اوپر ہٹ میں رہ سکتا ہوں۔ کسی ہوٹل میں قیام کر سکتا ہوں۔ میرے آفس میں بھی رہنے کی گنجائش ہے۔"



جیہ کو غصے کے باوجود ہنسی آ گئی۔ بمشکل اپنے آپ کو روکتے ہوئے گردن موڑ کر جلالی کو دیکھا اور بولی۔ "کچھ اور بھی کہنا ہے؟"

جلالی کرب کے جلتے محرابوں تلے سے گزر رہے تھے۔ جیہ کو صرف دیکھ کر رہ گئے۔

"میں اب جا سکتی ہوں؟" جیہ نے بڑی سفاکی سے کہا۔

"کہاں؟" وہ ایک دم بولے۔

"اپنے کمرے میں۔" اس نے قدم اٹھایا۔

جلالی بت کی طرح ایستادہ تھے۔ جیہ کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"رات کا کھانا بنا ہوا ہے۔"

جلالی نے کچھ نہیں کہا۔ صرف جیہ کو تیزی سے کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھتے رہ گئے۔

جیہ نے غصے کو دبا کر اک فیصلہ کر لیا تھا اور اس پر سختی سے کاربند بھی ہونے کا تہیہ کر لیا تھا۔

وہ جلالی کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوئی اعلانیہ دعوت نہیں دے گی۔ نہ ہی اپنے جذبات کا کسی طور اظہار کرے گی۔ جلالی جب تک خود ہی بزدلی کا خول اتار کر اپنا حق مانگنے کے درپے نہیں ہو جاتے، وہ خاموش تماشائی بنی رہے گی۔

اس فیصلے سے وہ مطمئن ہو گئی۔ صرف مطمئن ہی نہیں، اک دلچسپ اور لذت انگیز فیصلہ کر کے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بھی پھیل گئی۔

جلالی سر جھکائے چند لمحے کھڑے رہے۔

پھر

بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ رات کا کھانا انہوں نے نہیں کھایا۔

بھوک جیہ کو بھی نہ تھی۔ وہ بھی یونہی پڑی رہی۔

--------O--------

جیہ نے ناشتہ تیار کیا۔ پراٹھے اور آملیٹ بنایا۔ مسز ہیرلڈ نے بتایا تھا کہ وہ پراٹھا بڑی ہی رغبت سے کھاتے ہیں۔ اس نے بڑی پریت سے پراٹھا بنایا۔ گو اس میں اسے مہارت نہ تھی۔ پھر بھی بڑا ہی خستہ پراٹھا بنا۔

کچن کی میز پر اس نے ناشتہ لگا دیا۔ چائے کی کیتلی بھی ایک طرف رکھ دی۔ توسٹ اور دلیہ بھی بنایا۔ ساری چیزیں ٹیبل پر سجا کر اس نے ایک کپ، پرچ اور ایک کوارٹر پلیٹ جلالی کے لیے رکھ دی۔

حسب معمول ناشتہ لگا کر وہ کچن سے باہر نکل گئی۔ جب سے مسز ہیرلڈ گئی تھی، وہی ناشتہ بناتی تھی لیکن جلالی کے ساتھ اس نے ایک دن بھی ناشتہ نہ کیا تھا۔ وقت پر وہ ٹیبل پر چیزیں رکھ دیتی اور جلالی آ کر ناشتہ زہر مار کر لیتے۔

آج بھی اس نے ناشتہ لگایا۔ جی چاہا کہ اپنے لیے بھی پلیٹ اور کپ رکھ کر جلالی کے انتظار میں بیٹھ جائے۔

لیکن

اس نے ایسا نہیں کیا۔ کچن کا بیرونی دروازہ کھولا اور باہر لان میں نکل گئی۔

آج فضا بے حد خشک تھی۔ آسمان کا سینہ بادلوں سے ڈھکا تھا۔ سرمئی سپید اور گہرے سانولے بادل ہواؤں کے تھپیڑوں سے ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔ جیہ نے موٹے کپڑے پہن رکھے تھے لیکن سردی کی کپکپاہٹ محسوس ہونے لگی۔ موسم نے اچانک ہی یہ رخ بدلا تھا۔

باہر ٹہلنا ممکن نہ تھا۔ بادل نیچے ہی نیچے جھک رہے تھے۔ جیہ نے اندر جانے کا سوچا۔ کچن کا دروازہ کھلا تھا لیکن وہ برآمدے کی طرف گئی۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔



گھوم کر پچھلے کمرے کی طرف آئی۔ وہ دروازہ بھی اندر سے لاک تھا۔ مجبوراً اسے کچن کی راہ اندر جانا پڑا۔ وہ اندر آئی۔ ٹمپریچر کی تبدیلی خوشگوار محسوس ہوئی۔

جلالی کچن میں آ چکے تھے اور ٹیبل پر چنے ناشتے کے ساتھ ایک کپ، پرچ اور پلیٹ کو دیکھ رہے تھے۔

"صبح بخیر۔" انہوں نے جیہ سے کہا۔

جیہ نے سر کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "باہر موسم بے حد ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

"ہاں۔ یہاں موسم میں اچانک تبدیلی آ جاتی ہے۔ یہی یہاں کے موسم کا حسن ہے۔"

جیہ نے ان کی بات سنی لیکن کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچن سے باہر جانے لگی لیکن دروازے تک پہنچنے سے پہلے جلالی نے اسے پکارا۔

"ناجیہ۔"

اس نے قدم روک لیے۔ پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"آپ نے ناشتہ کر لیا؟" جلالی نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

جلالی چند ثانیے چپ رہے۔ پھر آہستگی سے بولے۔ "اگر آپ میرے ساتھ ناشتہ کر لیں تو کوئی حرج ہے؟"

جیہ کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

جلالی کا دل اس مسکراہٹ سے اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔ جلدی سے قدم بڑھا کر اس کے قریب آئے اور بے ساختگی سے بولے۔ "دوستی کا رشتہ تو قبول کر لیجیے۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں۔"

جیہ نے اک سرزنش کرتی نگاہ ان پر ڈالی۔ "ٹھیک ہے۔"

"اوہ شکریہ...... شکریہ" جلالی تو خوشی بھرے پیمانے کی طرح چھلک گئے۔

"بہت بہت شکریہ۔"

جیہ وہیں کھڑی رہی۔

"آیئے نا۔" جلالی بے تابی سے میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

جیہ ہولے ہولے قدم اٹھاتی میز کی طرف آگئی۔ جلالی کی خوشیاں ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھیں اور ان پھوٹتی خوشیوں کو محسوس کر کے جیہ کے لب آپوں آپ مسکرانے لگے تھے۔ جلالی نے ریک سے برتن اٹھائے۔ پیالی اور پلیٹ جیہ کے سامنے رکھ دی۔ پھر فوراً اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ وہ خوشی سے بہکے جا رہے تھے۔ ایک ہی وقت میں پراٹھا مربعہ مکھن اس کی طرف بڑھا کر "یہ لیجئے۔ یہ لیں۔" کہے جا رہے تھے۔ جیہ ان کی حرکتوں سے لطف لینے لگی۔ اس نے تھوڑا سا دلیہ لیا۔ پراٹھا جلالی کی طرف بڑھا دیا۔

جلالی ناشتہ کرتے ہوئے چور چور نگاہوں سے بار بار جیہ کو دیکھ رہے تھے۔ شاید یقین نہ آ رہا تھا کہ ان کے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی جیہ ہی ہے۔ ان کا بس چلتا تو اسے چھو کر اطمینان کر لیتے۔

"بہت اچھا پراٹھا بنایا ہے آپ نے۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ یہ خاص اپنے وطن کی چیز ہے نا۔ مدتوں پردیس میں رہنے سے وطن کی ہر چیز بے انتہا اچھی لگتی ہے۔ یقین مانیں جیہ، کبھی کبھی تو اپنے دیس کی گندی مندی کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں سے اٹی گلیاں بھی یہاں کی صاف ستھری سڑکوں سے زیادہ اچھی لگتی ہیں۔" وہ اس بات پر خود ہی دھیرے سے ہنسے۔

جیہ کچھ نہیں بولی۔ سر جھکائے برائے نام ناشتہ کرتی رہی۔ ویسے وہ جلالی کے جذبات سے بہت متاثر ہوئی تھی۔

ناشتے کے بعد دونوں ٹیبل سے اٹھے۔ جیہ نے گندے برتن اٹھانا چاہے تو جلالی نے اس کا کپ اور پلیٹ خود پکڑلی۔ "میں اٹھاؤں گا۔"

"نہیں۔" جیہ نے پلیٹ اپنی طرف کھینچی۔ "میں اٹھالوں گی۔"

"دیکھیں، دوستی کا معاہدہ ہو چکا ہے۔" جلالی قدرے شوخی سے پلیٹ کھینچتے ہوئے بولے۔

"نہیں۔" جیہ سنجیدہ تھی۔ "یہ میرا فرض ہے۔"



اس نے برتن اٹھا لیے اور پھر جلالی کے جھوٹے برتن بھی اٹھانا چاہے۔

"اوہ ہرگز نہیں۔" جلالی برتنوں پر جیسے جھپٹے اور اسی جھپٹ میں ان کا ہاتھ جیہ کے ہاتھوں میں آگیا۔

اک زبردست سا جھٹکا لگا۔ جیہ نے اپنا ہاتھ کھینچا۔ جلالی نے اپنا ہاتھ کھینچا اور اس کھینچا تانی میں پلیٹ میز سے نیچے گر گئی۔

دونوں کچھ حواس باختہ سے ہو گئے تھے۔ پلیٹ جلالی نے اٹھائی نہ جیہ نے۔ جلالی تو جانے کیوں تیز قدم اٹھاتے کچن سے باہر نکل گئے۔

اور

اور

جیہ کو اک بار پھر ان پر بے طرح غصہ آگیا۔

لیکن

"بزدل" کہتے ہوئے وہ خود ہی مسکرا دی۔

گنگناتے ہوئے جیہ نے کچن صاف کیا۔ اس کا انگ انگ مسکرا رہا تھا۔ دوستی کا یہ کھیل بڑا ہی دلچسپ اور رومینٹک نظر آ رہا تھا۔

"چلو یونہی سہی۔" اس نے برتن ریک میں رکھتے ہوئے شوخی سے اپنے آپ سے کہا۔ "ترسنا اور ترسانا بھی اپنے اندر کتنی جاذبیت اور کشش رکھتا ہے۔"

کام ختم کر کے وہ لیونگ روم میں آئی۔ جلالی اپنا بریف کیس اٹھائے شاید اسے یہ بتانے آ رہے تھے کہ وہ آفس جا رہے ہیں۔ ان کی نظروں میں چوری کی کیفیت تھی۔ اب تک ٹکراؤ کے حادثے سے سنبھل نہ پائے تھے۔ پھر بھی بڑی جرأت سے انہوں نے جیہ کو مخاطب کیا۔

"ناجیہ میں آفس جا رہا ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں، لیتا آؤں گا۔"

"کسی چیز کی ضرورت نہیں۔" اس نے اپنے کمرے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"او کے۔ خدا حافظ۔" جلالی وہیں سے پلٹ گئے۔ جیہ اپنے کمرے میں آ گئی اور کمرے کی پچھلی کشادہ کھڑکی کے پردے کھول دیئے۔ یہاں سے ڈرائیو وے نظر آتا تھا۔ وہ پردے کی اوٹ سے جلالی کو دیکھنے لگی جو اپنی گاڑی کی طرف جا رہے تھے۔ آج جلالی نے بہترین تراش کا گرے سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اگر ان کا چہرہ نہ دیکھا جاتا تو وہ بے انتہا سمارٹ اور جاذب نظر شخصیت دکھائی دیتے تھے لیکن جیہ تو بڑے غور سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اتنے دنوں سے یہاں تھی لیکن ان بن ہو جانے کی وجہ سے اس نے انہیں غور سے دیکھا ہی کب تھا۔ تصویر سے اندازہ کرنا چاہا تھا، وہ جلالی نے چھین کر پھینک دی تھی۔ انتہائی بھدے بلکہ کسی حد تک ڈراؤنے نقش و نگار والے جلالی جانے جیہ کو بھیانک حد تک بدصورت کیوں نہیں لگے۔ بدصورتی میں بھی حسن ہوتا ہے۔ شاید یہی بات اس پر صادق آ رہی تھی۔

جلالی چلے گئے۔ جب تک ان کی گاڑی نظر آتی رہی، وہ انہیں دیکھتی رہی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے ہٹی اور کمرہ ٹھیک کرنے لگی۔ آج اس نے پورے گھر کی صفائی کی۔ جلالی کے بیڈ روم میں بھی جا گھسی اور گھنٹہ بھر وہیں رہی۔ ان کی اک اک چیز کو اس نے اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ان کی الماری میں ٹنگے سوٹ اور دوسرے کپڑے بھی الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔ دراز بھی کھولے۔ کاغذات بھی دیکھے۔ کچھ تصویریں بھی ملیں۔

اس کا کافی وقت اسی طرح گزر گیا۔ وہ بہت مسرور، بڑی شاداں نظر آ رہی تھی۔

کام سے فارغ ہو کر اس نے کپڑے بدلے۔ آج اس کا جی بہترین لباس پہننے کو چاہ رہا تھا۔ اس نے میک اپ بھی بڑے اہتمام سے کیا تھا۔ وہ ابھی بال ہی بنا رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔

فوزیہ کا فون تھا۔ علیک سلیک اور احوال پرسی کے بعد فوزیہ نے کہا۔ "ناجیہ تمہیں کل اپنے گھر میں خوش باش دیکھ کر میرے دل کو بڑا ہی اطمینان ہوا ورنہ یقین مانو، میں خاصی پریشان تھی۔"

"کیوں؟" جیہ نے پوچھا۔



"بس۔ یہی سوچتی رہتی تھی کہ تمہیں......"

"جلالی پسند بھی آتے ہیں یا نہیں؟"

"ہاں۔"

"پھر؟"

"اب میرے سر سے یقین مانو بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم دونوں خوش ہو۔"

"اور......؟" جیہ نے ہنس کر کہا۔

"انشاء اللہ تم ساری زندگی عیش کرو گی ناجیہ۔ جلالی بے حد اچھے انسان ہیں۔ انہیں پیار کی ضرورت ہے۔ اک بڑی بہن ہونے کے ناطے سے تمہیں یہی تلقین کروں گی کہ انہیں اتنا پیار دو، اتنا پیار دو کہ ان کی زندگی کا یہ خلا پر ہو جائے۔"

جیہ جواب میں ہنس پڑی لیکن یوں کہ جیسے رو رہی ہو۔ فوزیہ نے اسے جلالی کی اس محرومی کی کئی تجرباتی مثالیں دیں تو جیہ کا دل بھر آیا۔ وہ اب تک جلالی کو جتنے دکھ دے چکی تھی، فوزیہ کیا جانتی تھی؟؟

فوزیہ نے باتوں باتوں میں اسے اس کے بھائیوں کی لندن میں جاب کا بھی بتایا۔ "خدا مبارک کرے جلالی کا لندن میں بہت بڑا کاروبار ہے۔ تمہارے بھائی فائدے میں رہیں گے۔ محنتی لڑکے ہیں، باہر آنے کے شائق بھی تھے۔ جلالی بے چارے اکیلے تھے، تمہارے بھائی ان کے بھائی ہیں۔ بہت سہارا ملے گا انہیں۔"

فوزیہ کی زبانی اس نے امجد اور ریحان کے متعلق سنا تو حیرانی کے ساتھ جلالی کے لیے دل میں عقیدت کے جذبات بھی موجزن ہو گئے۔ اپنی حرکات پر ندامت بھی ہوئی۔ اس نے کیا کیا کہا تھا اور وہ اس کے بھائیوں کے لیے کیا کر رہے تھے۔ جیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

فوزیہ کی باتوں سے جیہ سخت مضطرب اور بے چین ہو گئی۔ اس کے ذہن میں بڑی ہلچل مچ گئی۔

ادھر ادھر وہ بے تابانہ گھومنے لگی۔ اسے کسی کل چین نہ آ رہا تھا۔ وہ جلالی کے

کمرے میں گئی اور دراز میں پڑی تصویر نکال کر دیکھنے لگی۔ اس کے سینے میں جذبات طوفان اٹھا رہے تھے۔ جلالی کی تصویر اس نے بے اختیار سینے سے لگالی۔

کئی جذباتی حرکتوں کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل کر لیونگ روم کی طرف آئی تو فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

"ہیلو۔" اس نے ریسیور اٹھایا۔

"جلالی۔"

"جی۔"

"آپ کچن میں تھیں؟"

"نہیں۔"

"دوپہر کا کھانا نہ بنائیے گا۔"

"کیوں؟"

"آپ بہت دنوں سے گھر میں بند ہیں۔ کیا اچھا نہ ہوگا کہ ہم لنچ آج باہر کریں؟"

جیہ کچھ نہ بولی۔

"برا تو نہیں مان گئیں۔ میری تجویز ہی ہے، آپ کو پسند نہ ہو تو خیر......" جلالی نے جلدی سے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا تو جیہ کو رونا سا آگیا۔

"ناجیہ۔"

"جی۔"

"آپ کو اگر میرے ساتھ باہر جانا پسند نہیں تو خیر" وہ رکے اور پھر ہنس کر بولے۔ "ویسے معاہدے کی رو سے اس تجویز کا مجھے حق پہنچتا ہے۔"

"معاہدے؟"

"ہاں بھئی۔ ہم دونوں میں دوستی کا معاہدہ طے پاچکا ہے۔ کیوں؟"

"جی بالکل۔" جیہ جلدی سے بولی۔

"پھر کیا خیال ہے دوست؟" جلالی خوشدلی سے بولے۔



"ٹھیک ہے۔"

"اوہ۔ شکریہ۔ میں بارہ بجے تک آجاؤں گا۔ آپ تیار رہیے گا۔"

"اچھا۔"

"ہاں ناجیہ۔"

"جی؟"

"پاکستان سے خط آئے ہیں۔"

"سچ۔"

"ہاں۔ بہت خوشی ہوگی خط پاکر۔"

"جی۔"

"ایک خط میرے نام ہے لیکن میں نے کھولا نہیں۔ نہ ہی کھولوں گا۔ آپ کو یقین دلاتا ہوں۔"

جیہ چپ ہوگئی۔

"آدمی جیسا بھی ہوں ناجیہ، زبان کا سچا ہوں۔ میں آپ سے جو بات بھی کہوں گا، اس پر قائم رہوں گا۔ میں نے آپ سے دوستی کی درخواست کی ہے۔ مجھ سے بالکل خائف نہ ہوں۔ میں اپنی حدود سے تجاوز کا سوچوں گا بھی نہیں۔ خط بھی اسی لیے نہیں کھولا کہ میرا اس سے تعلق نہیں۔"

"اتنی صفائی پیش کرنے کی شاید ضرورت نہیں۔" جیہ نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہا۔

"شکریہ کہ آپ مجھ پر اعتماد کریں۔"

"اس کے سوا چارہ بھی نہیں۔" جیہ نے شوخی سے کہا لیکن جلالی شوخی کا رنگ کہاں دیکھ سکتے تھے۔

جلالی چند لمحے چپ رہے۔ جیہ نے دو تین بار ہیلو کہا تو وہ بولے۔ "میں ٹھیک بارہ بجے آجاؤں گا۔ آپ تیار ہوں گی نا؟"

"جی۔"

redroses@pakistanipoint.com

"ہم پورا دن باہر گزاریں گے، کھانا کھائیں گے۔ کچھ شاپنگ کریں گے۔ مووی دیکھیں گے۔ برج دیکھنے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"شکریہ۔"

جلالی نے فون بند کر دیا۔

-------O-------



قربتیں مہک اٹھی تھیں۔ اجنبیت ٹوٹ رہی تھی۔ بے تکلفی پیدا ہو رہی تھی لیکن جلالی اپنے متعین دائرے کے اندر ہی گردش کر رہے تھے۔ یہ دائرہ کبھی کبھی قید خانے کی کال کوٹھڑی کی طرح تنگ ہو جاتا تھا۔ گھٹن اور حبس سے انہیں اپنا دم رکتا محسوس ہوتا۔ جیہ مسلسل چیلنج ہوتی۔ جوان، خوبصورت لڑکی دسترس میں ہو تو جذبات کا مچل جانا کوئی بڑی بات نہیں اور پھر جیہ تو ناز و ادا دکھانے پر بھی اتر آئی تھی۔ بھرپور وار کر رہی تھی۔ بڑی دلچسپی سے وہ صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں والا کھیل کھیل رہی تھی۔ بے چارے جلالی کی جان پہ بن جاتی تھی لیکن اپنے الفاظ کا پاس تھا۔ اسی دائرے کے اندر محو گردش تھی۔ ڈرتے بھی تو تھے کہ کہیں ذرا سی لغزش سے یہ سہانا سپنا بھی نہ بکھر جائے۔ وہ تو اسی پر شاکر تھے کہ ہمیشہ سے اکیلے جلالی کو اک ساتھی میسر آ گیا تھا۔

وہ اب اپنے اکیلے پن کا اپنے سونے من کا کبھی کبھی جیہ سے ذکر بھی کرنے لگے تھے۔

اس شام زوروں کی بارش ہو رہی تھی۔ وہ جیہ کے ساتھ ریسٹورنٹ میں گئے تھے۔ کانچ کے اس ریسٹورنٹ کی بیوٹی بارش کے دن ہی میں دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ پچھلے چند دنوں سے وہ روز ہی جیہ کو گھمانے پھرانے لے جاتے تھے۔ بہت سے علاقے بڑے بڑے ہوٹل، شاندار ریسٹورنٹ، جھیلیں۔ کئی مشہور جگہیں اسے دکھا چکے تھے۔ کئی پکچرز اس کے ساتھ دیکھی تھیں۔ کئی دوستوں سے ملایا تھا۔

تعارف وہ ہمیشہ "مائے فرینڈ" کہہ کر کرواتے تھے۔

آج ریسٹورنٹ میں انہیں اپنی ایک پرانی واقف کار مسز کیٹرج ملی تھی۔ جیہ کو

ان کے ساتھ دیکھتے ہی بولی۔

"شادی کرلی جلالی؟"

جلالی کے چہرے پر اک رنگ آیا اور گیا۔ جیہ بھی سرخ ہوگئی۔ جلالی نے اک گہری آہ سینے میں ٹوٹتی محسوس کی۔ کرب کے آثار ان کے چہرے پر لہراگئے۔ بڑے دکھ سے بولے۔ "آپ غلط سمجھیں مسز کیٹرج یہ میری دوست ہیں، مس ناجیہ۔"

"گڈ۔" مسز کیٹرج نے ناجیہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ "کیا یہ تمہارے دیس کی لڑکی ہے؟"

"ہاں۔"

"بہت سمارٹ، بہت خوبصورت ہے۔"

"شکریہ۔"

"میری مخلصانہ رائے ہے کہ تم اس سے شادی کرلو۔"

جیہ کے لب کپکپائے اور گالوں کی سرخی گہری ہوگئی۔ جلالی نے اک چور سی نگاہ جیہ پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے مسز کیٹرج سے آہستگی سے کہا۔ "کاش میں آپ کی رائے کا احترام کرسکتا۔"

"کیوں؟" عورت باتونی سی تھی۔

"مسز کیٹرج آپ اپنی سنائیں۔ مسٹر کیٹرج کا کیا حال ہے۔ کبھی نظر نہیں آئے؟"

باتوں کا رخ انہوں نے دانستہ موڑ دیا۔

لیکن جب جلالی اور جیہ گھر جانے کے لیے اٹھے تو اس نے جیہ سے براہ راست کہا۔ "میں صرف دوستی پر یقین نہیں رکھتی۔ تمہیں جلالی سے شادی کرلینا چاہیے۔ بے چارے اکیلے ہیں۔"

"جیہ۔" جلالی نے اردو میں جیہ سے کہا۔ "پلیز ان کی باتوں سے کوئی اثر نہ لینا۔ اکیلا ہوں نا، اس لیے سب ترس کھاتے ہیں۔"

دونوں گھر واپس آگئے۔ راستے میں دونوں نے کچھ زیادہ باتیں نہیں کیں۔



جیہ کو تو شرم آرہی تھی۔ کچھ سمٹی سمٹی بیٹھی تھی۔ جلالی اسے مسز کیٹرج کی باتوں کا اثر سمجھ رہے تھے۔ جیہ کا اجتناب محسوس ہو رہا تھا۔

اور اب دونوں لیونگ روم میں بیٹھے تھے۔ ٹی وی پر کوئی جاسوسی فلم چل رہی تھی۔ باہر بارش زوروں کی ہو رہی تھی۔ چھتوں پر موسلادھار بارش کا پانی بڑے ترنم سے گر رہا تھا۔

جلالی کا من آج بے حد سونا ہو رہا تھا۔ اداسی سراپا پر چھا رہی تھی۔ وہ کافی بنا کر لائے۔ ایک پیالی جیہ کو دی تھی، دوسری اپنے سامنے رکھی تھی لیکن وہ اسے پی نہیں رہے تھے۔ مسز کیٹرج کی باتیں ذہن میں گھوم رہی تھیں۔ باتیں جیہ سے کر رہے تھے لیکن سوچ بھٹک رہی تھی۔

آج پھر پاکستان سے جیہ کے ابا جی کا خط آیا تھا۔ اسی کے حوالے سے پاکستان کی باتیں ہو رہی تھیں۔

"آپ کا تعلق پاکستان کے کس علاقے سے ہے؟" جیہ نے اچانک پوچھا۔

"میرا؟" جلالی نے اس ذاتی سے سوال پر چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔" جیہ نے پیالی ہونٹوں سے لگالی۔

"لائلپور سے تھا۔"

"وہ تو ظاہر ہے، اب نہیں ہے۔"

"کبھی بھی نہیں تھا۔" جلالی نے سر صوفے کی پشت پر ڈال دیا۔

"کیوں، یہ کیا بات ہوئی؟" جیہ نے جلدی سے کہا۔ "آپ کے والدین، بھائی ہیں۔"

"والدین کبھی تھے۔" جلالی بے طرح اداس نظر آرہے تھے۔

"فوت ہوگئے ہیں؟"

"مدت ہوئی۔"

"بھائی بہن؟"

"کوئی بھی نہیں، ناجیہ میرا کوئی بھی نہیں تھا۔" وہ چند لمحے رکے، پھر حسرت

چمک سے اس کا دل دہل بھی تو رہا تھا۔ وہ بستر میں اٹھ کر بیٹھ بھی گئی۔

ایک دفعہ تو بستر سے نکل کر دروازے تک بھی آئی لیکن قدموں میں جیسے حجاب کی زنجیریں تھیں۔ دروازے سے باہر نکل ہی نہ سکی۔

ادھر

جلالی بھی کچھ ایسے ہی بے چین و بے سکون تھے۔ جیہ ان کی طلب تھی لیکن وہ اس کے پاس جانے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ دوستی پر ہی قناعت تھی۔ یہی غنیمت نظر آتی تھی، اس لیے اپنے دل کے تقاضوں کا گلا گھونٹ رہے تھے۔ انہیں احساس بھی تھا کہ قریب رہنے کی وجہ سے جیہ کو ان سے کچھ ہمدردی ہو چلی تھی۔

لیکن

ہمدردی!

ہمدردی ہی اک ایسا لفظ تھا جس سے انہیں وحشت ہوتی تھی، نفرت تھی۔

اس لفظ سے خوف آتا تھا، اس سے۔

انہیں تو

محبت کی تلاش تھی۔ پیار پانے کی تمنا تھی۔ خلوص اور چاہت درکار تھے اور انہیں یقین تھا کہ یہ سب محض سراب ہے۔ وہ کبھی نہیں، کبھی بھی نہیں انہیں پا سکتے۔ جیہ کی طرف سے ان جذبوں کا اظہار ہو۔ وہ تو یہ خیال تصور میں بھی نہ لا سکتے تھے۔ ان دنوں انہیں اپنی بھونڈی شکل کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا۔

رات گزر گئی۔

صبح دونوں ہی کسی طور بشاش نہ تھے۔ رات کی ویران نیند آنکھوں کی سرخی سے چھلک رہی تھی۔ اپنے آپ کو چھپانے کے لیے دونوں ہی نے بشاشت کا خول اپنے اوپر چڑھا لیا تھا۔

"ہیلو دوست، رات کیسی گزری۔" جلالی نے کہا۔

جیہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جلدی سے ان کی طرف دیکھا۔ شاید رات کیسی گزرنے سے ان کا مدعا سمجھنا چاہتی تھی۔



"زوروں کی بارش ہوتی رہی۔ گرج چمک بھی خوفناک تھی۔ میں تو رات بھر بے آرام رہا۔" وہ بولے۔

جیہ نے اک کڑی نگاہ ڈالی۔ حرج ہی کیا تھا جو کہہ دیتے...... تمہاری طلب نے رات بھر بے آرام رکھا لیکن اس نے یہ بات دل ہی میں رکھتے ہوئے ظاہری طور پر مسکراتے ہوئے طنز سے کہا۔ "بزدل ہیں آپ۔"

جلالی بے خیالی سے بولے۔ "واقعی بہت زیادہ۔"

جیہ نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا۔ جلالی نظروں کے عتاب سے کچھ نہ سمجھے۔ ڈر گئے کہ جیہ جانے کس بات سے ناراض ہے۔

لیکن

ناشتہ کرتے وقت جیہ نے کسی ناراضگی کا تاثر نہ دیا۔ ادھر ادھر کی باتیں بے تکلفی سے ہوتی رہیں۔ پھر جلالی دفتر چلے گئے۔

-------O-------

جلالی اپنے پرشکوہ دفتر میں بیٹھے تھے۔ کاروبار کے متعلق کئی لوگ ان سے مل چکے تھے۔ اب فربہ جسم اور لال بالوں والا پستہ قد آدمی ان سے انڈونیشیا سے منگوائی ہوئی سیپ کی نمائشی چیزوں کی بات کر رہا تھا۔

ریٹ پر چند لمحے بحث ہوئی، پھر معاملہ طے پا گیا۔ جلالی نے اس کا پورا لاٹ خرید لیا۔

ان کے منیجر نے کاغذات تیار کیے اور باقی فارمیلٹیز کے لیے اس آدمی کو لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

جلالی نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے دونوں ہاتھ الجھا کر بے چینی سے ریوالونگ چیئر کو ادھر سے ادھر حرکت دی۔ اس سودے میں انہیں بہت بڑا پرافٹ ملنے کی قوی توقع تھی لیکن انہیں ذرہ بھر خوشی نہ ہوئی۔ اتنی دولت ان کے پاس تھی کہ شاید انہیں خود بھی صحیح اندازہ نہیں تھا۔

لیکن ان کے من میں اتھاہ اندھیروں کے غبار پھیلے تھے۔ وہ ساری دولت دے کر بھی خوشی کے لمحے نہ خرید سکتے تھے۔ یہ دولت ان کے لیے بالکل بیکار تھی۔

بیکار

بالکل بیکار

ان کے مخلص دوستوں نے اک غلط تجربہ کیا تھا۔ اس دولت کے بل بوتے ان کے لیے خوشیاں خریدنے کی سعی کی تھی۔ جیہ کو بیاہ کر لے آئے تھے لیکن جلالی پر ثابت ہو گیا تھا کہ دولت کے انبار بھی خوشی کا اک بے وقف سا لمحہ بھی نہیں خرید سکتے۔



وہ بے طرح اداس ہو گئے۔

جیہ کو انہوں نے شادی کے باوجود نہیں پایا تھا۔ دوستوں کے اس تجربے نے تو ان کی زندگی اور اجیرن اور ویران کر دی تھی۔ وہ جیہ کے لیے اپنے سینے میں طوفانی پیار کے جذبات موجزن پاتے تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، ان جذبات میں شدت آتی جا رہی تھی۔ عشق اور پیار کے ایسے مرحلے سے تو وہ پہلے کبھی بھی نہ گزرے تھے۔

وہ سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔

منصور بول رہے تھے۔

”کیا حال ہے؟“

”ٹھیک ہوں۔“

”بھابی کیسی ہیں؟“

جلالی کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ”اچھی ہے۔“ بمشکل کہہ سکے۔ ”کل ہمارے پاس آنا ہے۔ بھول تو نہیں گئے؟“

”اوہ ہاں، مجھے تو یاد ہی نہ تھا۔“

”جی ہاں، اب ہم لوگ آپ کو کہاں یاد رہیں گے۔ تمہاری تو یہ بات ہے جدھر دیکھتا ہوں، ادھر تو ہی تو ہے۔ کیوں؟“

جلالی جبراً ہنسے۔ بات کچھ ایسی ہی تھی۔

”بہت خوش قسمت ہو جلالی۔“

”کیوں؟“

”ناجیہ بھابی جیسی بیوی ملی۔“

”ہوں۔“

”اچھا تو کل پھر رنگ کروں یا آج یاد دہانی کافی ہے؟“

”ناجیہ کو رنگ کر دینا، مجھے تو شاید یاد نہ رہے۔“

اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد منصور نے خدا حافظ کہا تو جلالی نے ریسیور رکھ دیا۔ ہاتھ ریسیور پر رکھے وہ پریشان سے ہو گئے۔ ”ظاہر داری آخر کہاں تک نبھے گی؟“

انہوں نے سوچا اور پھر سوچیں اور بھی پریشان ہوگئیں۔ جب جلالی کے ذہن میں اس بات سے ہلچل مچی کہ آخر تو یہ بھرم ٹوٹے گا ہی، کتنی رسوائی، کتنی سبکی ہوگی۔

"اف۔" انہوں نے اپنا تھکا ہوا سر کرسی کی اونچی نشست سے ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔

کئی قاتل لمحے گزر گئے۔

فون کی گھنٹی بجی تو جلالی نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ سر اونچا کیا اور آگے کو جھک کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو۔"

"مشتاق جلالی ہیں؟"

"جی بول رہا ہوں۔"

"میں جیراللہ ہوں۔"

"اوہ۔"

جلالی کو اک دھچکا سا لگا۔ جیراللہ ان کے طلاق نامے کو تیار کرنے والا وکیل تھا۔

"کاغذات تیار ہوچکے ہیں مسٹر جلالی۔ چند دستخط ہیں جو آپ اور آپ کی مسز نے کرنے ہیں۔ میں کاغذات لے کر حاضر ہو رہا ہوں۔"

جلالی کے جسم سے جیسے جان ہی نکل گئی۔ وجود اتنا ہلکا اور بے جان ہوگیا کہ کسی تنکے کی طرح ادھر ادھر ڈولتا محسوس ہوا۔

یہ ان کی محرومیوں کی آخری انتہا تھی۔

ان کا جی چاہا، چیخ بن کر فضا میں بکھر جائیں۔ چھوٹے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رودیں۔ تباہی بن کر ہر چیز کو تہس نہس کرڈالیں۔

انہوں نے میز پر بازو کے حلقے میں سر رکھ دیا۔ ان کے دل و دماغ سے جیسے دھوئیں اٹھ رہے تھے۔ انہیں کچھ پتہ نہ چل رہا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ کیا ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ کئی لمحے ان کی یہی حالت رہی۔ پھر ان کی آنکھوں میں چبھن سی ہونے لگی۔



ان کا دل ریگ سی شے بننے لگا اور تنہائی، سنسانی اور ویرانی تباہ کن خوفناکی سے ان پر چھانے لگی۔ اتنے تنہا ایسے سنسان اور اتنے ویران تو وہ پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔

بارہ بجنے والے تھے۔ جب مسٹر جیراللہ جلالی کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ اپنا بیگ میز پر رکھتے ہوئے ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ احوال پُرسی کے بعد اس نے بیگ کھولا اور کاغذات نکال کر میز پر رکھ دیئے۔ جلالی کا چہرہ اتنا پژمردہ تھا کہ مسٹر جیراللہ کو پوچھنا پڑا "آپ اچھے تو ہیں؟"

جلالی کچھ نہیں بولے۔

"غالباً آپ مجبور ہو کر علیحدگی اختیار کر رہے ہیں۔" جیراللہ نے کہا تو جلالی نے اک گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ "بے شک مسٹر جیراللہ۔"

جیراللہ چند لمحے سوچ میں ڈوب کر بولا۔ "دستخط ہونے سے پہلے اک بار مصالحت کی کوشش کرلیں۔"

"نہیں۔ ایسا ہونا ممکن نہیں۔"

"سوری۔"

"ہوں۔"

مسٹر جیراللہ نے کاغذات جلالی کے سامنے پھیلا دیئے۔ پھر اٹھ کر ان کی کرسی کے پاس آگیا۔ جھک کر کاغذ انہیں دکھاتے ہوئے بولا۔ "ان تین جگہوں پر آپ کے اور آپ کی مسز کے سائن ہوں گے۔"

"بہتر۔" جلالی نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کل آجاؤں؟"

"آجانا۔"

"ایک چکر آپ کو ایمبیسی کا کل لگانا پڑے گا۔ آپ کی مسز کو بھی ساتھ چلنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔"

مسٹر جیراللہ نے کاغذات طے کر کے جلالی کو دیئے۔ اپنا بیگ بند کیا اور کل

اسی وقت آنے کا کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔

جلالی پوری آنکھیں کھول کر ان کاغذات کو دیکھنے لگے جن پر سائن ہو جانے پر ان کے اور جیہ کے مذہبی اور سماجی بندھن ٹوٹ جائیں گے۔ یہ بندھن آزاد تو اب بھی تھے لیکن ٹوٹے تو نہ تھے۔ اک نہ معلوم سی تسکین تو جلالی کو تھی۔ موہوم سی امید تو لاشعور میں دبی تھی۔

وہ کاغذوں کو تکے جا رہے تھے۔ انہیں چھوتے ہوئے یوں ڈر رہے تھے جیسے وہ کوئی آتشیں مادہ ہو جسے ہاتھ لگاتے ہی فیتہ آگ پکڑ لے اور ہر چیز بھک سے اڑ جائے گی۔ جل کر راکھ ہو جائے گی۔ منتشر ہو جائے گی، بکھر جائے گی۔

وہ بے حد پژمردہ نظر آ رہے تھے۔ اداس، پریشان اور ویران دوپہر کے کھانے کے لیے وہ دانستہ گھر نہیں گئے۔ جیہ کو فون کر دیا کہ ضروری کام ہے۔ وہ دفتر ہی میں بیٹھے رہے لیکن اپنی سیکرٹری کو کہہ دیا کہ کسی کو ملنے کی اجازت نہیں۔ انہوں نے فون بھی بند کر دیے۔

وہ کرسی میں بے دم سے پڑ رہے۔ گھنٹہ دو گھنٹے یونہی گزر گئے، پھر وہ اٹھے۔ کاغذات سمیٹ کر بریف کیس میں ڈالے اور دفتر سے باہر نکل آئے۔ وہ بے حد نڈھال اور پژمردہ نظر آ رہے تھے۔

گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے بریف کیس برابر کی سیٹ پر رکھا اور پھر گاڑی سٹارٹ کر دی۔ ان کا رخ گھر کی جانب نہیں تھا۔

وہ میلوں ہائی ویز پر تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے رہے۔ ایک ریسٹورنٹ میں بھی جا کر بیٹھے۔ صرف کافی کی ایک پیالی پی۔ بے شمار سگریٹ پھونکے۔ طبیعت پریشان سے پریشان تر ہی ہوئی۔

شام اتر آئی تھی۔ آسمان کا فراخ سینہ ستاروں سے جگمگا اٹھا تھا۔ شہر کی ساری روشنیاں جل رہی تھیں۔ ہاں، ہو تھی، رونق تھی لیکن جلالی کو یہی لگ رہا تھا کہ وہ اندھیروں کے سمندر میں ڈوبتے جا رہے تھے۔ بڑی بے دلی سے انہوں نے گھر کا رخ کیا۔

جیہ شاید دیر ہو جانے کی وجہ سے پریشان تھی۔ وہ اوپر ہٹ کی طرف گئی ہوئی



تھی۔ جلالی گاڑی گھر کے ڈرائیو وے کی طرف لائے تو وہ تیزی سے نیچے اتر آئی۔ آج اس نے بڑے حسین انداز سے سنہری بارڈر والی پیرٹ گرین ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ اس کے عریاں کندھے بڑے سڈول لگ رہے تھے۔ پیٹ کا کچھ حصہ مہین ساڑھی کے اندر سے چولی چھوٹی ہونے کی وجہ سے جھانک رہا تھا۔ بالوں کو اس نے لمبی چٹیا کی صورت میں گوندھ رکھا تھا جو شانے سے ہو کر سینے پر سانپ کی طرح بل کھا رہی تھی۔ میک اپ حسین تھا۔ وہ بلا کی کشش و جاذبیت لیے ہوئے تھی۔ جلالی گاڑی چھوڑ کر اندر آئے تو وہ بھی دروازے تک آ چکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں خوش رنگ پھول تھے۔ جلالی نے دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

''اتنی دیر لگا دی۔'' اس نے آتے ہی شاکی لہجے میں کہا۔

جلالی اس پر اک مجروح نگاہ ڈال کر آہستگی سے بولے۔ ''سوری۔''

''ہونہہ، یہ کیا ایکسکیوز ہوئی۔'' جیہ نے ان کے برابر آتے ہوئے کہا۔

جلالی مسکرا تک نہ سکے۔ آج اس کا انداز اس قدر بے تکلفانہ تھا۔ جلالی نے محسوس کیا لیکن دل مسوس کر رہ گئے۔ اس کی بات کا جواب بھی کیا دیتے۔ صرف اسی قدر کہا۔ ''مصروف تھا۔''

دونوں ساتھ ساتھ چلتے اندر آئے۔ جلالی لیونگ روم کی طرف آنے کی بجائے اپنے کمرے کی طرف مڑ گئے۔ روز وہ ایسا نہیں کرتے تھے، جیہ کو برا تو لگا لیکن درگزر کیا۔ پھول اس نے گلدان میں سجا دیے۔ خود کچن میں جلالی کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔

وہ وہیں جلالی کے آنے کا انتظار کرتی رہی لیکن کئی منٹ گزر گئے۔ اس نے چائے کے ساتھ کباب بھی تل لیے۔ بسکٹ بھی نکالے۔ ساری چیزیں میز پر رکھ کر وہ انتظار میں بیٹھ گی لیکن وہ نہیں آئے۔ اسے تشویش ہوئی۔

''کہیں طبیعت خراب نہ ہو۔'' یہ خیال آتے ہی وہ اٹھی۔ کچن سے باہر آئی۔ لیونگ روم ہی میں تھی کہ جلالی آ گئے۔

''کیا بات ہے، میں چائے بنائے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ طبیعت تو ٹھیک

ہے؟" جیہ نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں۔ ٹھیک ہی ہوں۔" جلالی نے اک گہری سانس لی۔ ان کے ہاتھ میں کاغذوں کا رول تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ تذبذب کے عالم میں تھے۔

"چائے یہیں لے آؤں؟" جیہ نے پوچھا۔ وہ کچھ نہیں بولے، صرف ہاتھ میں پکڑے کاغذوں کو دیکھتے رہے۔

جیہ نے ان کی پریشانی بھانپ لی تھی۔ یقیناً کوئی خاص ہی بات تھی۔ ایک لمحہ کو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ بے اختیارانہ پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

"علیحدگی کے کاغذات۔" جلالی کے منہ سے مری ہوئی آواز نکلی۔

جیہ کے جسم سے جیسے کسی نے ساری روح، ساری قوت اور ساری چستی کھینچ لی۔ اس کا وجود اپنی ٹانگوں پر بار ہو گیا۔ وہ ان کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ میک اپ نہ کیا ہوتا تو چہرے کی اڑی اڑی رنگت سب کچھ بتا دیتی۔ جلالی قدرے پرے کو ہو کر کاغذات جیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

"میرے وکیل مسٹر جیر اللہ یہ کاغذات دے گئے ہیں۔ چند سائن آپ نے کرنے ہیں۔ پھر پھر......"

جلالی روہانسی آواز میں بول رہے تھے لیکن آواز گھٹ گئی۔ جملہ پورا نہ ہو سکا۔ جیہ حیران حیران نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ کاغذوں کا رول اس نے جلالی کے ہاتھوں سے لے لیا۔

جلالی چند لمحے چپ رہے، پھر بمشکل کہہ پائے۔ "چند جگہوں پر آپ نے سائن کرنے ہیں۔ کل ایمبیسی بھی جانا پڑے گا۔ پھر پھر......"

جیہ انہیں پوری آنکھیں کھولے تک رہی تھی۔

جلالی جبراً مسکرائے اور بولے۔ "پھر ہمارا برائے نام رشتہ بھی ٹوٹ...... جائے گا دوست۔"

جیہ آہستہ آہستہ صوفے سے اٹھی۔ اس کی نظروں میں تلخی اور تندی گھل رہی تھی۔ جلالی نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر مجروح سی مسکراہٹ لبوں پر پھیلاتے



ہوئے بولے۔ "اس سے دوستی کا ناطہ بھی تو نہ توڑ لیں گی ناجیہ؟"

"آپ اسی قابل ہیں کہ آپ سے ہر ناطہ توڑ لیا جائے۔" جیہ دانت پیس کر چلائی۔ پھر غصے میں اس نے ہاتھ میں پکڑے کاغذوں کے پرزے پرزے کر دیئے۔ "ناجیہ" جلالی اس کی حرکت سے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بے اختیارانہ تیزی سے بولے۔ "یہ...... یہ...... آپ نے کیا کیا؟"

جیہ نے ٹکڑے ایک طرف اچھال کر غصے سے کھولتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"یہ کاغذات، آپ نے پھاڑ دیئے۔" جلالی اب بھی کچھ نہ سمجھ پائے۔

"ہاں۔" جیہ چلائی۔

"کیوں؟" وہ ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھتے ہوئے بولے۔ ان کا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"کیا نہیں پھاڑنے چاہئیں تھے؟" وہ غرائی۔ جلالی پر اسے بے طرح غصہ آ رہا تھا۔ "لیکن...... لیکن......" وہ صرف اسی قدر کہہ سکے۔

"کچھ سمجھتے ہی نہیں۔" جیہ بڑبڑائی۔ "بدھو، احمق، پاگل کہیں کے۔"

"میں واقعی کچھ نہیں سمجھا جیہ۔" وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولے۔

"اللہ کرے، کچھ ہی نہ سمجھیں۔" وہ بے حد جذباتی ہو رہی تھی۔ غصہ نکل نہیں پا رہا تھا، رونا آ گیا۔

جلالی چکرا رہے تھے۔

جیہ رو رہی تھی۔

چند لمحے یونہی گزر گئے۔

"ناجیہ" جلالی لمحوں کے توقف کے بعد بولے۔ "میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں، بخدا کچھ تو کہیے۔"

جیہ نے کوئی جواب نہیں دیا، بس روئے گئی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

اور

اتنی بے قراری سے رونے لگی کہ اس کے وجود کو جھٹکے پہ جھٹکے لگنے لگے۔

جلالی حواس باختہ سے ہو گئے۔

ان کی سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔

لیکن

بعض دفعہ

بعض باتیں

سمجھ سے بالا ہوتے ہوئے بھی محسوسات کی آنچ بن کر بہت کچھ بتا دیتی ہیں۔احساس دلا دیتی ہیں۔

اور انسان اس احساس کے سامنے یوں بے بس ہو جاتا ہے جیسے کوئی معمول عامل کے سامنے۔

پھر وہ جو بھی عمل کرتا ہے، اس کی عقل کا اس میں حصہ ہوتا ہے، نہ سوچ کا۔

وہ معمول کے تابع ہوتا ہے اور اس کی مرضی پر عمل کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ شاید اسی احساس کے تابع جلالی اپنی جگہ سے تیزی سے ہٹے تھے۔ قدم بڑھایا تھا اور جیہ کے عین سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔

"ناجیہ"

"ناجیہ"

"ناجیہ"

انہوں نے وفور جذبات سے گھٹ گھٹ جانے والی آواز میں اسے پکارا۔ ان کے سینے میں جیسے مدوجزر کے طوفان اٹھ رہے تھے۔

"ناجیہ۔ میں معذرت خواہ ہوں۔ شاید...... میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہے۔"

اور

ناجیہ

ہاتھ ہٹاتے ہوئے آنسوؤں سے تر چہرے سے انہیں دیکھتے ہوئے ہذیانی لہجے



میں چیخی۔ "آپ ٹھیک بات ہی کون سی کرتے ہیں۔"

آنسوؤں سے بھیگا ہوا گلابی چہرہ اتنا بڑا چیلنج تھا کہ جلالی اپنے آپ کو روک نہ سکے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"جیہ۔" وہ جذبات سے بوجھل آواز میں بولے۔

اور

پھر

جانے جلالی کے ہاتھوں نے حرکت کی یا جیہ ہی لہرا گئی۔

دوسرے لمحے وہ ان کے سینے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "آپ بہت خراب ہیں۔ بہت برے ہیں۔ بہت......"

اک لمحے کو جلالی چکرائے لیکن دوسرے لمحے جیہ ان کے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں تھی۔

سب کچھ کیسے ہوا تھا۔

کیوں ہوا تھا۔

اس کے متعلق جلالی کو سوچنے کی ضرورت تھی نہ فرصت۔

بعض باتیں

یقین کی حدوں سے بہت دور دکھائی دیتی ہیں لیکن وہ بذات خود یقین ہوتی ہیں۔

جیہ جلالی کے سینے میں منہ چھپائے روئے جا رہی تھی۔ اس کا نرم و گداز وجود جلالی کے بازوؤں کی گرفت میں تھا۔

اور

یہ

گرفت

شدت جذبات سے سخت ہوتی جا رہی تھی۔ ان کا سر جھکتا جا رہا تھا۔ اور ان کے ہونٹ اپنے پیار کی پہلی جوشیلی مہر جیہ کے لبوں پر لگانے کو مچلے جا رہے تھے۔

redroses@pakistanipoint.com

جلالی نے اپنی تنومند، آشفتہ سر اور لامحدود محبت کی ساری گرمی، ساری شدت اور ساری تندی جیہ کے لبوں پر منتقل کر دی۔

جیہ پر غشی کا سا عالم طاری تھا۔ سرشاری برداشت کی حدوں کو عبور کر جائے تو کچھ ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ سمٹ سمٹ کر جلالی کے سینے میں سما جانے کی کوشش کرتے ہوئے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔

"ناجیہ" جلالی نے بھرپور لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے اسے سینے سے بھینچ لیا۔ پھر فرط جذبات سے مغلوب ہوئی آواز میں بولے۔ "تم نے......"

"تم نے مجھے قبول کر لیا ناجیہ...... اف...... میں خوشی سے مر جاؤں گا ناجیہ۔ میں خوشی سے مر جاؤں گا۔"

اپنے ہی جذبوں کی شدت آفرین یورش سے ان کی آواز رقت سے بھر گئی۔

وہ گلوگیر آواز میں جیہ سے بار بار پوچھ رہے تھے۔

"تم نے مجھے قبول کر لیا جیہ؟"

اور

لمحوں کے توقف کے بعد

جب جذباتی والہانہ پن ذرا سنبھلا

جیہ شرمائے لجائے ان سے الگ ہوئی

تو جلالی

اسے شوخ و تجسس سے دیکھتے ہوئے پھر بولے۔ "کیا تم نے واقعی مجھے قبول کر لیا ہے؟"

جیہ نے شرمیلی نگاہیں اک ادا سے اٹھاتے ہوئے ان کی نظروں سے نظریں ملاتے ہوئے بھیگا شوخ تبسم لبوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔

جلالی اس کی طرف لپکے

اور

وہ مسکراتے ہوئے، شوخی سے مسکراتے ہوئے



"نہیں۔ نہیں" کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

"ہوں۔" جلالی بڑے نڈر اور بے باک ہو چکے تھے۔ دوڑ کر اس تک پہنچے۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی اسے جا پکڑا۔

"ہائے اللہ۔" جیہ اک ادائے ناز سے چیخی۔

لیکن

جلالی نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر اک جھٹکے سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ "اب تم کہاں جاؤ گی۔ کہاں چھپو گی۔ اب تو...... اب تو میں نے تمہیں تقدیر کے ہاتھوں سے چھین لیا ہے۔ چھین لیا ہے۔"

جلالی نے اسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر پھر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

وہ اسے یوں اٹھائے ہوئے تھے جیسے وہ کوئی نازک سی گڑیا ہو۔ وہ لیونگ روم میں آئے اور پھر باہر جانے کے لیے قدم اٹھے۔

جیہ شرم سے پانی پانی ہوئی جا رہی تھی۔ اس نے اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کی۔

لیکن

جلالی کی آہنی گرفت سے چھڑانا ممکن ہی کہاں تھا۔

وہ اسے لیے اپنی خوابگاہ میں آ گئے اور اپنے بیڈ پر آہستگی سے لٹاتے ہوئے اس پر جھک گئے۔

پھر جب رات کی اندھیری کوکھ سے ایک نئی چمکیلی اور مسکراتی صبح نے جنم لیا تو سورج کی شوخ و شنگ کرنیں ٹرانسپرنٹ چھت والی اس خوابگاہ میں جھانک جھانک کر دیکھنے لگیں۔

جلالی اور جیہ ایک دوسرے سے یوں لپٹ کر سو رہے تھے جیسے وہ دو نہیں ایک وجود ہوں۔

جیہ کا سر جلالی کے بازو پر تھا اور اس کا ہاتھ جلالی کے سینے پر۔ جلالی کا سر جیہ کی طرف جھکا ہوا تھا۔ ان کا ایک ہاتھ اس کی کمر کے خم پر تھا۔ دوسرا اپنے سینے پر رکھے

جیہ کے ہاتھ پر دونوں بے خبر سو رہے تھے۔ جیہ کے چہرے پر حجاب کے سائے لہرا رہے تھے۔

جلالی کے چہرے پر سکون، آسودگی اور مسرتوں کا نور تھا۔

اس وقت

یوں لگ رہا تھا

جیسے وہ

دنیا کے سب سے حسین انسان ہوں۔

-------O-------

redroses @ pakistanipoint.com